گرفت

طارق اسماعیل ساگر

Scanned & PDF By: Qamar Abbas
Email:qamarabbas277@gmail.com

سفید پھول

کیپٹن اشونی کمار نے سرحدی پوسٹ سے اپنی جیپ اتنی برق رفتاری سے یہاں تک بھگائی تھی کہ اسے خود پر یقین نہیں آرہا تھا۔ واقعی وہ پون گھنٹے میں کمپنی ہیڈ کوارٹر تک پہنچ گیا تھا۔

خبریں اتنی اہم تھیں کہ وہ بہ نفس نفیس اپنے افسر اعلیٰ کے گوش گذار کرنے کے لئے باؤلا ہوا جاتا تھا۔ اس نے پندرہ بیس روز پہلے ہی انٹیلی جنس ڈیوٹی جائن کی تھی پہلے پہل تو اسے خاصی بوریت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ ایڈجسٹ کر گیا تھا۔

اپنی تفنن طبع کے ہاتھوں اسے اکثر رسوائی اٹھانا پڑی تھی۔ فوجی افسر ہونے کے باوجود وہ جانتا تھا کہ اس کا مزاج قدرتی طور پر بڑا متلون ہے اور وہ کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا۔

اس نے گذشتہ سال ہی ڈیرہ دون کے آرمی انٹیلی جنس سکول سے یہ خصوصی کورس کیا تھا جس کے پس پردہ اس کی یہی متلون مزاجی کار فرما تھی۔ توپخانے کا کیپٹن ہونے میں اسے اب کوئی خاص مزہ نہیں آرہا تھا۔ وہ تو شاید فوج میں بھی نہ آتا۔ لیکن

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کا جنم ایک فوجی آفیسر کے گھر ہوا جس نے بچپن ہی سے اس کو باور کروا دیا تھا کہ اسے "سولجر بننا ہے۔" خواہ اس کی کچھ ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔

سو وہ سولجر بن گیا!!

کرنل بخش سے متعلق اس نے جو کچھ سنا تھا وہ سب غلط ثابت ہوا اسے نہیں بتایا آگیا تھا کہ کرنل ایک کرخت اور خالص فوجی قسم کا بندہ ہے۔

لیکن

اس ایسا رنگین مزاج اور خوش خلق آفیسرز اس نے آج تک دیکھا ہی نہیں تھا۔ تین چار روز میں ہی دونوں کے درمیان افسر ماتحت سے زیادہ دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔

انٹیلی جنس ڈیوٹی میں اشونی کمار کو واقعی مزہ آنے لگا تھا۔

وہ بچپن ہی سے ایک ذہین نوجوان تھا۔ زندگی کے اکثر امتحانوں میں اس نے ٹاپ کیا تھا۔ ڈیرہ دون کے انٹیلی جنس سکول سے فارغ ہونے والے اپنے گروپ کے آفیسرز میں بھی اس نے نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی پوسٹنگ نارتھ سی انٹیلی جنس کے خصوصی یونٹ او۔ایس۔او (OSO) میں ہوئی تھی۔ جب بھارتی انٹیلی جنس ایجنٹوں میں "کٹیاپو جیسی حیثیت حاصل تھی۔

او۔ایس۔او سے متعلقہ آفیسرز سے ان کے سینیئرز بھی اکثر خائف رہتے تھے کیونکہ ان لوگوں کو خصوصی احکامات کے تحت خصوصی اختیارات حاصل تھے۔ گو کہ او۔ایس۔او کو "را" ہی کی ایک برانچ سمجھا جاتا تھا۔

لیکن!

اس کی علیحدہ شناخت کو کسی مرحلے پر بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔

OOO

یہ چاند کی ڈھلتی راتیں تھیں۔

ان راتوں میں انٹیلی جنس کا بزنس اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگتا تھا۔ دونوں طرف سے ایجنٹوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی تھی اور دونوں طرف کی سیکورٹی فورسز بھی بطور خاص چوکس ہوتی تھیں۔

اس وقت اشونی کمار کی اس سرحدی پوسٹ پر سویلین کپڑوں میں موجودگی کا مطلب

یہ تھا کہ اس نے یا تو اپنے کسی ایجنٹ کو اس "لانچنگ پیڈ" سے سرحد عبور کروانی ہے یا پھر دوسری طرف سے آنے والے کسی ایجنٹ کو وصول کرنا ہے۔

یہ کام وہ اکیلا اپنے ایک حوالدار اور تین جوانوں کی مدد سے سنبھالے ہوئے تھا۔ ان لوگوں کی جیپ جس پوسٹ پر بھی جاتی وہاں بی ایس ایف (بارڈر سیکورٹی فورسز) کے جوان خواہ مخواہ چوکس ہو جاتے۔

اس وقت بھی وہ رات کے دوسرے پہر سرحدی پوسٹ کے ایک کمرے میں چارپائی پر سر جھکائے اپنے ہاتھ سے بندھی گھڑی کی سوئیوں کو گھور رہا تھا جب اچانک اس کے سرہانے رکھے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اشونی کمار نے فون معمول کے مطابق ہی اٹھایا تھا۔

لیکن!

دوسری طرف سے "ہیلو" کے جواب میں اس نے جو آواز سنی اس کے بعد تو اس کے خون کی گردش اچانک ہی بڑھ گئی تھی۔

"سرا، وائیٹ فلاور، کل شام کو پوسٹ بڑاں اور پندرہ گز کے درمیان کراس کرے گا۔"

اس مختصر سے پیغام کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کیپٹن اشونی کمار کا دل ایک مرتبہ تو دھک سے رہ گیا۔

یہ پیغام ان کے سرحد پار موجود ایک "انتہائی خاص ذریعہ" نے دیا تھا جس کی صداقت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسے ڈیوٹی جائن کئے یوں تو پندرہ بیس روز ہی ہوئے تھے۔

لیکن!

اس درمیان "وائیٹ فلاور" سے اس کا اچھا خاصا تعارف ہو چکا تھا۔ "وائیٹ فلاور" پاکستان انٹیلی جنس کے ایک ایجنٹ کا کوڈ نام تھا جس نے گذشتہ ڈیڑھ دو سال سے بھارتی انٹیلی جنس کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔ اس "سفید پھول" کو اپنے جال میں پھانسنے اور اس

تک رسائی حاصل کرنے کے لیے "را" نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔

لیکن!

سوائے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اب انہوں نے ایک غدار کے ذریعے "سفید پھول" تک رسائی حاصل کی تھی اور اس روز "سفید پھول" کے منتظر تھے جب وائیٹ فلاور کسی اگلے مشن کے لیے بھارت میں داخل ہو اور وہ اسے اپنے جال میں پھانسیں۔

شاید یہ سعادت بھی اس کو ملنی تھی۔

کیپٹن اشونی کمار نے جس کے دل کی دھڑکن باقاعدہ بڑھنے لگی تھی سوچا اور ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلتی چلی گئی۔

اس نے اپنے حوالدار کو آئندہ کے لیے ہدایات دیں اور اسے کچھ بتائے بغیر جیپ لے کر کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف چل دیا۔ جہاں کرنل بخش نے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر رکھا تھا۔

رات ابھی ایک پہر باقی تھی جب کرنل بخش کو اپنے دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ یہ اس کے گن مین کی طرف سے مخصوص آہٹ تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کو انتہائی ناگزیر حالات میں نیند سے بیدار کیا جا رہا ہے۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنے کمرے سے باہر تھا۔ جہاں اس کی نظر کمرے کے سامنے جیپ کا سہارا لیے کیپٹن اشونی کمار پر پڑی۔

اشونی کمار گو کہ سویلین لباس پہنے ہوئے تھا لیکن اس نے اپنی اور کرنل کی حیثیت کو ایک لمحے کے لیے بھی نظرانداز نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی دونوں ایڑیاں جوڑ کر کرنل کو تعظیم دی جس نے سر کے اشارے سے اس کے "نمسکار" کا جواب دیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی سیریس معاملہ آن پڑا"۔

کرنل بخش نے جس کی گھنی مونچھوں کے نیچے اس کی مسکراہٹ چھپ کر رہ گئی تھی کہا۔

"یس سر"

اشونی کمار نے مختصر سا جواب دیا۔

"کم آن بوائے"

اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کرنل بخش اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے تعاقب میں اندر داخل ہوتے کیپٹن اشونی کمار پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت سے چند لمحوں کے لیے لطف اندوز ہونے کے بعد ایک کونے میں کسی برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

ایک مودب اردلی دوسرے ہی لمحے کمرے کے اندر موجود تھا۔

"کافی لے آؤ"

اس نے اردلی کو ہدایات دیں۔

کرنل بخش کا چہرہ کیپٹن اشونی کمار کے برعکس بالکل پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ اسے کرنل کی یہ عادت بہت پسند تھی۔ وہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی جذباتی نہیں ہوتا تھا۔

اتنا ٹھنڈا اور ذہین آدمی اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جس کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ اس کے ماتحت بھی اس کی طرح پرسکون رہ کر حالات سے نمٹا کریں۔

کیپٹن اشونی کمار اس کا ماتحت فوراً سمجھ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل کر لیا۔

"کیا حال ہے۔ کیا خبریں ہیں"

کرنل بخش نے حسب عادت قدرے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

"سر! بڑی اہم خبر بلکہ خوشخبری ہے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود آپ کو سناؤں اسی لیے بھاگا چلا آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے "وائیٹ فلاور" کی آمد کا مژدہ سنا دیا۔

"ہوں ں ں ں"

کرنل بخش کی ہوں لمبی ہوتی جارہی تھی۔ اس نے اب سرہانے دھری چھوٹی میز سے سگریٹ اٹھا کر سلگانا شروع کر دیا تھا۔

"ویل ڈن۔ گویا یہ ذات شریف بالآخر ہماری طرف آ ہی گئی" بہت اچھا ہوا تم خود ہی چلے آئے۔ میں تو آج صبح ہی ہٹالین ہیڈ کوارٹر جانے [illegible]۔ ایک اہم میٹنگ تھی، لیکن اب تو سب کچھ ملتوی کرنا پڑے گا۔ اور اب تو ہمیں اس سفید پھول کو قابو کرنا ہے۔ کیپٹن کوئی کسر باقی نہیں رہنی چاہیے۔"

کرنل بخش نے کہا۔

بیرہ کافی لے آیا تھا۔ دونوں نے کافی کے بڑے مگ تھام رکھے تھے۔ کرنل اسے اپنے بیڈ روم سے ملحقہ کمرے میں لے آیا تھا جہاں ایک بڑے سرحدی علاقے کے نقشے پر وہ اپنی چھڑی سے مختلف نشانات لگا رہا تھا۔

کیپٹن اشونی کمار اپنی چھوٹی سی نوٹ بک میں اہم پوائنٹس نوٹ کر رہا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ تک وہ کرنل سے ہدایات لیتا رہا۔ دونوں نے سرحد پر دور دور تک بڑا مضبوط جال پھیلا دیا تھا۔ اس آپریشن کی نگرانی کرنل بخش نے کمپنی ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر خود کرنی تھی!

اس معاملے کو انتہائی اہم اور خفیہ رکھا جا رہا تھا۔ اور کرنل بخش نے بی ایس ایف پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے جوانوں کو اس مہم پر روانہ کرنا زیادہ مناسب خیال کیا تھا۔

OOO

"یہ ہے وہ غدار"

کرنل نے تصویر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

سلیم نے تصویر اٹھالی اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

یہ ڈھلتی عمر کے ایک شخص کا مکروہ چہرہ تھا۔ جس نے جوان نظر آنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔ اگر کرنل صاحب اس کا نام نہ بھی بتاتے تو بھی سلیم کے لیے یہ شخص اجنبی نہیں تھا۔ گذشتہ چند ماہ سے ملکی اخبارات میں وہ متعدد مرتبہ یہ منحوس چہرہ

دیکھ چکا تھا۔

علیحدگی پسند نظریات کا حامل شمسی ملکی سیاست میں ایک ستون کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس نے کبھی کھل کر تو اپنے نظریات کا پرچار نہیں کیا تھا۔

لیکن!

اس ملک کا ہر باشعور شہری جانتا تھا کہ شمسی کی اصلیت کیا ہے؟ اگر کسی کو اس کی اصلیت کا علم نہیں تھا تو وہ تھے اس ملک کے سیاستدان جو محض اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے شمسی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تھے تاکہ اس کی پارٹی کے گنتی کے چند ووٹوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سندِ اقتدار سے چمٹے رہیں۔

چند روز پہلے جب انٹیلی جنس کی انتہائی تشویشناک رپورٹوں کے مدِ نظر فوج نے بادل نخواستہ شمسی کی جماعت کے خلاف کارروائی کر کے پارٹی کی کمپنی گاہوں میں پناہ لیے ہوئے بھاری ایجنٹوں کو گرفتار کرنا چاہا تو خلاف توقع اسے زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا!

اسی مزاحمت کے دوران شمسی کو بھی آسانی سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ دشمن ملک کے مقامی قونصلیٹ کی مدد سے وہ راتوں رات سرحد عبور کر کے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا اور اب بھارتی انٹیلی جنس "را" کی گود میں بیٹھ کر اپنے زہریلے نظریات اور تخریب کاری کے جراثیم بڑی کامیابی سے اپنے ملک میں پھیلا رہا تھا۔

شمسی نے اپنے بھولے بھالے پیروکاروں کے نزدیک دیوتا کا روپ دھار رکھا تھا اور وہ اب بھی اسے محب وطن اور اپنا نجات دہندہ خیال کرتے اس کی ہدایات کے مطابق صوبے میں بدامنی پھیلانے میں کوشاں تھے۔

حکومتی سطح پر اس درمیان متعدد مرتبہ کوشش کی گئی تھی کہ شمسی کے گروہ کے ان نوجوانوں کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لایا جائے۔

لیکن!

ڈھاگ کے تین پات کے مصداق وہ اپنے لیڈر کے علاوہ اور کسی کی کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ گو کہ شمسی ملک سے باہر تھا۔

لیکن!

اب بھی وہ ملک کے خلاف سازشیں کرنے میں آزاد تھا۔ اس کے گروہ کے وہ سینکڑوں نوجوان جن میں زیادہ تعداد دشمن ملک کے باقاعدہ ایجنٹوں کی تھی اس کے اشارے پر سب کچھ کر گزرنے کو ہر لحہ تیار رہتے تھے۔

سلیم نے اپنی مختصر زندگی میں کئی آپریشن کیے تھے۔ لیکن یہ اپنی نوعیت کا واحد آپریشن تھا جس میں اپنے کمانڈر کے احکامات کے علاوہ اس کی اپنی مرضی بھی شامل تھی۔ وہ خود ایک عرصہ سے یہ چاہتا تھا کہ ایسے لوگوں کے وجود سے اپنے ملک کو پاک کردے۔

"یہ غدار او۔ایس۔او کی حفاظت میں ہے اور بریگیڈیئر مولچند سے تمہارا تعارف پہلی مرتبہ تو ہو نہیں رہا کہ میں تمہیں اس کے متعلق کچھ بتا سکوں۔ میرے خیال سے تم اسے جانتے ہو۔ یہ شخص "را" کے حلقوں میں "لومڑی" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اپنی فطرت میں بھیڑیا ہے بھیڑیا! شمسی اس کی براہ راست نگرانی میں کام کر رہا ہے۔ مائی بوائے! ہائی کمانڈ بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس شخص سے جتنی جلدی ملک کو چھٹکارہ مل جائے اتنا ہی بہتر ہے"

کرنل انچارج نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"رائیٹ سر! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی سر! میں انشاء اللہ ہائی کمان کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

سلیم نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

"گڈ لک بوائے میں اب رخصت ہو جاؤں گا۔ باقی معاملات تمہیں خود ہی دیکھنا ہوں گے۔"

کرنل صاحب نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ مصافحے کے لیے اس کی طرف بڑھا دیا۔

اور اس پر انہوں نے سلیم کا ہاتھ کافی دیر تک اپنے ہاتھ میں لے تھامے رکھا تھا۔

○○○

سلیم نے سرحد کبھی گائیڈ کی مدد سے پار نہیں کی تھی۔

یہ اس کا اصول تھا کہ وہ جس علاقے سے بھی سرحد عبور کرتا پہلے اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا۔ جس کے بعد وہ مناسب موقع پر خود ہی اپنا راستہ نکال لیتا۔

اس وقت بھی رینجرز کو صرف اتنی اطلاع دی گئی تھی کہ اس نے یہاں سے سرحد عبور کرنی ہے۔

لیکن!

کسی کی مدد کے بغیر۔

کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کب اور کس جگہ سے سرحد عبور کر جائے۔ اس کے افسر اعلیٰ کی طرف سے رینجر کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے معمول کے مطابق ڈیوٹی دیں اور کسی غیر معمولی حرکت کا مظاہرہ نہ کریں۔

شام کا ملگجی اندھیرا سیاہی کی چادر اوڑھ رہا تھا۔ جب سلیم اپنی کمین گاہ سے باہر آیا اس نے سرحد کے دوسری طرف موجود دیہاتیوں کے سے انداز میں کپڑے پہن رکھے تھے اور ایک تھیلا اس کی کمر سے بندھا تھا۔ اس کے سامان میں کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جو اس کی شناخت میں مدد دے سکے۔

کچھ کرنسی نوٹوں اور کپڑوں کے ایک جوڑے کے ساتھ وہ سرحد عبور کر رہا تھا۔ ایک سگریٹ لائیٹر جس کے ایک کونے میں انتہائی محدود روشنی والا بلب لگا تھا اس کی جیب میں موجود تھا۔ وہ نہتا سرحد کے آر پار آنے جانے کا قائل تھا۔

اس نے اپنی گرفتاری کے امکان کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا اور ذہنی طور پر خود کو اس کے لیے ہمیشہ تیار رکھتا تھا۔ اپنی شناخت سے متعلق وہ کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ "را" کی فائلیں اس کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ اسے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں تھا کہ جس طرح اس کے ملک نے "را" میں اپنے لوگ داخل

کئے ہوئے ہیں اسی طرح ادھر بھی آستین کے سانپ موجود ہیں۔

اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعے ان لوگوں کے علم میں یہ بات بھی آچکی تھی کہ او۔ایس۔او نے بطور خاص اپنی "گڈ بکس" میں اسے شامل کرلیا ہے اور اس کی زندہ گرفتاری کے لیے جال بھی بچھایا جارہا ہے۔ بریگیڈیر موہلچند کی شدید خواہش تھی کہ کسی بھی طرح "وائیٹ فلاور" اس کے ہاتھوں میں آجائے تاکہ وہ گن گن کر اپنی ناکامیوں اور محرومیوں کا بدلہ چکا سکیں۔

اس نے سرحدی لکیر اپنی پوسٹ سے خاصے فاصلے پر عبور کی تھی۔ صحرائی علاقہ ہونے کے سبب رات کو یہاں قدرے خنکی کا احساس ہوتا تھا۔ سلیم نے اپنے پاؤں میں مقامی دیہاتیوں والے جوتے پہن رکھے تھے۔ اور بڑے محتاط انداز میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔

اس علاقے میں عموماً سرحدی پوسٹوں کے درمیان بہت فاصلہ رکھا جاتا تھا۔ اور دو پوسٹوں کے درمیان قریباً دو کلومیٹر کا علاقہ خالی رہتا تھا۔ چونکہ اس علاقے میں دشمنانہ زندگی نہ ہونے کے برابر تھے اس لیے یہاں بھارتی سرحدی افواج بھی زیادہ نگرانی نہیں کرتی تھیں۔

لیکن!

جب سے انہوں نے پنجاب اور کشمیر کا سرحدی علاقہ سیل کیا اور اس طرف سے ٹریفک بڑھنے لگی تو بھارتی سیکورٹی فورسز نے بھی اپنی توجہ اسی طرف زیادہ مبذول کردی تھی اور انٹیلی جنس کے بھی مختلف یونٹ یہاں چاروں طرف پھیلا دیے گئے تھے۔ سلیم کی کامیابی کا ایک راز اس کے افسران کے نزدیک یہ بھی رہا تھا کہ اس نے کبھی اپنے متعلق پہلے سے ہونے والی مخبری کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔ وہ روانگی سے پہلے اس بات کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا کرتا تھا کہ اس کی آمد کی اطلاع آستین کے کسی خفیہ سانپ کے ذریعے دشمن کو مل چکی ہوگی اور وہ اسی کے منتظر ہوں گے۔

اس بات کا علم اس کے افسران کو بھی نہیں تھا کہ سلیم اپنی قمیص کے کالر میں ہمیشہ

زہر ملا کیپسول رکھتا تھا تاکہ دشمن کے قبضے میں آنا اگر ناگزیر ہو جائے تو ایسی زندگی پر بیماری کی موت کو فوقیت دی جائے کیونکہ اسے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ ایک مرتبہ "را" کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے بعد وہ ہ ہ اس کے جسم کی ایک ایک بوٹی الگ کر یں گے۔

○○○

اپنے مخصوص انداز میں چلتا وہ آہستہ آہستہ اس برساتی نالے کے نزدیک پہنچ گیا تھا یہاں صرف برسات کے دنوں میں نالہ بہتا تھا بصورت دیگر یہ نالہ خشک ہی رہتا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس برساتی نالے کی شکل میں بھارتی فوج کو ایک زبردست ڈیفنس لائن مل گئی تھی۔ کیونکہ دس فٹ گہرے اس نالے کو عبور کرنا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

سلیم کو اس بات کا علم تھا کہ اس کے استقبال کے لیے اس نالے کے گرداگرد مورچہ بندیاں کی گئی ہوں گی۔ وہ کبھی کبھی یہاں سے دو تین کلومیٹر شمال کی طرف ہٹ کر بھی سرحد عبور کرلیا کرتا تھا جہاں سے اس نالے کا رخ تبدیل ہو جاتا تھا اور اسے خاصا میدان دشمن کے علاقے میں گھسنے کے لیے میسر آجایا کرتا تھا۔

لیکن!

آج نجانے کیوں اس نے اپنا ارادہ تبدیل کرلیا تھا۔

اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ دشمن نے یقیناً اس کھلے علاقے میں بھی بڑا مضبوط جال پھیلایا ہوگا۔ اگر کوئی سہولت اسے مل سکتی تھی تو اسی خشک برساتی نالے سے مل سکتی تھی دوسرے راستے کی طرف تو گرفتاری کے امکانات بہت زیادہ تھے۔

اس کی چیتے ایسی ہوشیار آنکھیں اندھیرے کی چادر میں دور اندر تک جھانک لینے کی قوت رکھتی تھیں۔ اور کان کسی بھی ممکنہ آہٹ پر لگے رہتے تھے۔ اچانک چلتے چلتے وہ رک گیا۔

یوں جیسے زمین نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا ہو۔

یہ بالکل غیر ارادی فعل تھا۔

لیکن!

اس کے کچھ محرکات ضرور تھے۔

انہی قدموں پر سلیم اکڑوں بیٹھ گیا اس کی آنکھیں اپنے راستے پر پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ جب اسے خود سے بمشکل آٹھ دس گز کے فاصلے پر ایک باریک تار دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے اسے سمجھ آگئی کہ وہ کیوں یہاں رک گیا تھا۔

یہ جدید ترین "ڈیوائس" تھا۔

ایسے تار کمانڈوز اور جاسوسوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے بڑی ہوشیاری سے سرحدی علاقے میں پھیلائے جاتے تھے جن کا سلسلہ ایک انتہائی حساس ریڈار نما آلے سے جڑا ہوتا تھا۔ جیسے ہی سرحد پار سے آنے والے کا پاؤں اس تار سے ٹکراتا فوراً ہی وہاں سے فاصلے فاصلے پر موجود ریڈار پر اس کی سمت کا اندازہ ہو جاتا۔ سرحد پار کرنے والا یہی سمجھتا کہ یہ ٹیلی فون کی تار ہے اور اس سے ٹکرانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

لیکن!

دوسری طرف دشمن کو اس نقل و حرکت اور پوزیشن کا علم ہو جاتا جس کے بعد اس کا بچ نکلنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

سلیم کا دل ایک لمحے کے لیے تو دھک سے رہ گیا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اس ریتلے صحرائی علاقے میں بھارتی سیکورٹی فورسز نے ایسا جال پھیلایا ہو گا جہاں غیر قانونی سرحد عبور کرنے والوں کی تعداد دوسری سرحدوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر بجالاتے ہوئے اس نے بڑی احتیاط سے دو تین قدم آگے بڑھائے اور جھک کر تار کے نزدیک بیٹھ گیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ اپنے تھیلے میں رینگ گیا جہاں سے اس نے اپنا واحد ہتھیار نکالا۔ یہ ایک چھوٹا سا چاقو تھا۔

لیکن!

اسے صرف چاقو سمجھ لینا زیادتی تھی' اس میں چار پانچ مختلف قسم کے اوزار موجود تھے جن میں ایک۔ چھوٹا سا بمشکل تین انچ لمبا پلاس نما کٹر بھی تھا۔

سلیم نے احتیاط سے اسے کھولا' اس کی دھار کا جائزہ لیا۔ پھر تار کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اپنا ہاتھ بڑھا کر تار کاٹ دی۔

اسے اس بات کا علم تھا کہ یہ چاند کی ڈھلتی تاریخیں ہیں اور اس علاقے میں پاکستان انٹیلی جنس کی دوسری ایجنسیاں بھی روبہ عمل ہیں۔ یہی وہ دن تھے جب بھارت میں موجود ایجنٹ سرحد عبور کر کے اپنے وطن واپس لوٹتے تھے۔ اسے خود سے زیادہ اپنے ان ساتھیوں کی فکر دامن گیر تھی۔ اب صبح ہونے تک وہ سب لوگ محفوظ تھے کیونکہ صبح ہونے سے پہلے بھارتی سکیورٹی فورسز اس تار کا سلسلہ نہیں جوڑ سکتی تھی۔ اگر وہ رات ہی کو یہ آپریشن شروع کر دیتا تو ایجنٹوں کے لیے بے شمار آسانیاں پیدا ہو جاتیں۔

اندھیرے میں اس تار کا سلسلہ جوڑنا بھارتیوں کے لیے ممکن نہ ہوتا اور ان کی طرف سے روشنی کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ایجنٹوں کو آسانی سے راستہ دکھانے کی سہولت خود مہیا کر دیتے۔

اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ بھارتی سیکورٹی ایجنسز ایسا کوئی بھی خطرہ مول لیتیں۔ انہیں بہرحال صبح ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

○○○

ریڈار سکرین سے کچھ فاصلے پر بیٹھا کیپٹن اشونی کمار اب بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔ ان لوگوں نے درختوں اور جھاڑیوں کے جھرمٹ میں اپنا چھوٹا سا "آپریشنل کیمپ" لگایا تھا جہاں سے سرحد پر دور دور تک پھیلے اپنے جوانوں کو براہ راست ہدایات دینے کے لیے کرنل بخش کے سامنے جدید ترین آلات موجود تھے۔

"حیرت ہے ابھی تک وہ سرحد میں داخل ہی نہیں ہوا!"

اشونی کمار بڑبڑایا۔

"وہ سرحد ہی میں نہیں بلکہ کافی اندر تک داخل ہو چکا ہے۔"

کرنل بخش نے جس کی نظریں ریڈار سکرین پر گڑھی تھیں اپنے ماتحت سے کہا اور کیپٹن اشونی کمار نے چونک کر اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"مگر سر!...."

"ریڈار سکرین کی طرف غور سے دیکھو"

کرنل بخش نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اشونی کمار نے ریڈار سکرین پر نظریں جمائیں اور اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔ ریڈار سکرین پر سمت بتانے والے بڑے سے ڈائل کی گھڑی کسی درخت کی کٹی ہوئی شاخ کی طرح ایک طرف گری پڑی تھی۔ گو کہ ریڈار کی باقی تمام لائٹیں جل رہی تھیں۔

لیکن!

کسی ڈائل میں حرکت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی حالت اب بچوں کے کھلونے کی سی ہو چکی تھی۔ کیپٹن اشونی کمار کو فوراً سمجھ آ گئی کہ ان کی طرف سے بچھائے گئے تاروں کے جال میں سے کوئی تار کٹ گیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس ریڈار کا کام ختم ہو چکا ہے اور ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

"اوہ مائی گاڈ"

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"کیپٹن میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ اس شیر کو مچان باندھ کر شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا شکار تو کھلے جنگل میں کھیلنا ہو گا جس میں شکار اور شکاری کے پاس برابر کا چانس ہوتا ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی زندگی جا سکتی ہے۔ اور ہاں وائیٹ فلاور جیسے چیتے کو گھیرنے کے لیے ہمیں اپنے ایک دو جوانوں کی بلی بھی دینی پڑے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہو گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو ناں۔"

کرنل بخش کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ کیپٹن اشونی کمار کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا

احساس ہوا۔

اس نے آج تک کرنل بخش کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔

اس وقت کرنل کی حالت اس زخم خوردہ شکاری جیسی تھی جس کی رائفل سے گولی نکلنے سے پہلے شیر اس کی کنپٹی پر زوردار پنجہ مار کر بھاگ گیا ہو۔

"اس معاملے کو مجھے خود ہی دیکھنا ہو گا۔ یہ ان لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے"

کرنل بخش کی آنکھیں انگارے اُگل رہی تھیں۔

اس نے اپنی چھوٹی سی آٹومیٹک گن اٹھالی تھی۔ اور اسے حالت جنگ کی سی پوزیشن میں پکڑے اپنے خیمے سے باہر آ گیا۔

کیپٹن اشونی کمار اس کے تعاقب میں چوکنا ہو کر چل رہا تھا۔

○○○

اس نے سیدھے چلنے کے بجائے اب جنوب کی طرف ہٹنا شروع کر دیا تھا اور دشمن کی توقعات کے بالکل برعکس اس کے سامنے آنے کی بجائے پہلو کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ واپس لوٹ جائے۔

لیکن!

یہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اب یہاں سفل ایسے ہی انتظامات ہوں گے اور اسے بہرحال اپنا مشن مکمل کرنا تھا۔ یوں بھی ایک مرتبہ آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ جانا اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس نے زندگی میں لڑنا سیکھا تھا اپنی پوری قوت اور استعداد کے ساتھ وہ میدان میں کود جانے کا عادی تھا۔ نتائج اس نے ہمیشہ حالات اور اللہ کی ذات پر چھوڑ دیے تھے۔

جب اپنی دانست میں وہ قدرے محفوظ علاقے میں پہنچ گیا تو اس نے برساتی نالے کی طرف اندازے سے بڑھنا شروع کر دیا۔ چند منٹ کی مزید مسافت اسے نالے تک لے آئی۔

نالے سے کچھ فاصلے پر ہی وہ رک گیا۔ اب وہ زمین پر قدموں کے بل بیٹھا اپنی دانست فضا میں موجود خطرے کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے کان کسی بھی ممکنہ آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ اور آنکھیں اندھیرے کی چادر کو چیرتی ہوئیں دور اندر تک جھانک رہی تھیں.....!!

تین چار منٹ وہ اس پوزیشن میں رہا پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا جب اچانک کسی برقی عمل کے تحت وہ دوبارہ اسی پوزیشن میں لوٹ آیا۔ اس کے حساس کانوں نے صحرائی علاقے میں فوجی بوٹوں کی دھمک کو محسوس کر لیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن نے اس کے استقبال کے لیے اپنی سکیورٹی فورسز کو خاصی دور تک پھیلا دیا ہے اور ابھی اسے اور دور ہٹ کر اندر داخل ہونا ہو گا۔

اپنے ذہن میں ایک لائحہ عمل طے کرتے اس نے دوبارہ اس سمت چلنا شروع کیا۔ اپنا ہر قدم وہ اس طرح سنبھال سنبھال کر رکھ رہا تھا جیسے ریتلی زمین کی بجائے دلدل میں چل رہا ہو جہاں کسی بھی لمحے اس کے ڈوب جانے کا خطرہ تھا۔

پندرہ بیس منٹ تک وہ اس پوزیشن میں چلتا رہا۔ اب وہ اس علاقے میں پہنچ چکا تھا جہاں اس کے قد سے خاصی بلند جنگلی گھاس کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس علاقے میں بھارتی حکومت کی کوششوں سے کھیتی باڑی کو رواج دیا گیا تھا اور گذشتہ چار پانچ سال سے یہاں اچھی خاصی فصل پیدا ہونے لگی تھی۔

سلیم اور اس کے دشمن کے لیے اب یکساں مواقع تھے!

جہاں وہ خود کو اس علاقے میں چھپنے کی جگہ پا کر قدرے محفوظ خیال کر رہا تھا۔ وہاں عین ممکن تھا کہ دشمن نے بھی اس کی متوقع آمد کا یہیں خیر مقدم کرنے کا بندوبست کر رکھا ہو۔ جنگلی گھاس کے سلسلے کے نزدیک پہنچ کر وہ رک گیا اور چند لمبے لمبے سانس لے کر خود کو تازہ دم کرنے کے بعد اس نے پہلا قدم گھاس پر دھرا۔ اسے احساس ہو گیا کہ آدھی سے زیادہ گھاس خشک ہو چکی ہے جس پر قدم رکھنے سے بڑی آواز پیدا ہوتی تھی۔

لیکن!

اسے علم تھا کہ اس علاقے میں گیدڑوں اور سور کی موجودگی کی وجہ سے ایسی آوازیں پیدا ہونا معمول کی بات تھی۔ جس پر سکیورٹی والے زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ گھاس کے اندر پہنچ کر اس نے آسمان پر نظر دوڑائی۔

رات رینگ رینگ کر بالکل اس کی طرح اپنا سفر طے کر رہی تھی۔

آسمان بالکل صاف تھا اور پچھم سے وہ صحرائی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ جو اس علاقے کی راتوں کو ٹھنڈا کر دیا کرتی تھی۔ آج ہوا کا زور معمول سے کچھ زیادہ تھا۔ اس کی آنکھیں بے چینی سے آسمان پر پھیلے ستاروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جلد ہی اسے اپنا مطلوبہ ستارہ دکھائی دے گیا۔

ستارہ شناسی اس نے ایک بوڑھے سمگلر سے سیکھی تھی جو اسے پہلے سرحد عبور کرا دیا کرتا تھا۔ اس بوڑھے سمگلر نے اسے صحرائی علاقے میں آسمان پر رات ایک پہر بیت جانے کے بعد نمودار ہونے والے ستاروں سے متعلق خاصی اہم معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ صدیوں سے یہ لوگ ستاروں کی مدد سے رات کو اپنے سفر کی سمت کا تعین کیا کرتے تھے۔

سلیم نے ایک مخصوص ستارے کو اپنے دائیں طرف موجود پا کر اندازہ کر لیا تھا کہ اس کا سفر ابھی تک صحیح سمت میں جاری ہے۔ بڑی احتیاط سے اس نے قدم بہ قدم آگے بڑھانا شروع کیا اور قریباً دو سو گز گھاس کے سلسلے کے اندر چلتا چلا گیا۔

اچانک وہ ٹھٹھک کر رک گیا.....!!

ہوا کی مخالف سمت سے اس نے درجنوں بوٹوں کی دھمک اپنی سمت آتی محسوس کر لی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے رات کے اندھیرے میں دکھائی دینے والی دوربین کی مدد سے کسی نے اس کی موجودگی کا اندازہ لگا کر اس کے تعاقب میں سکیورٹی فورسز کو لگا دیا تھا۔

سلیم آہنی قدموں پر جم کر بیٹھ گیا۔

خطرات کا احساس ہوتے ہی اس کی تمام حسیں جاگ پڑتی تھیں۔ ان لمحات میں وہ بہت خطرناک ہو جاتا تھا۔ کچھ بھی کر گزرنے کے لیے تیار.....!!

خطرے کا احساس اسے خوفزدہ کرنے کے بجائے اس کی حالت شکاریوں کے نرغے میں آئے اس خونخوار چیتے جیسی بنا دیا کرتا تھا جو اپنی جان بچانے سے زیادہ اپنے تعاقب میں آنے والوں کی چیر پھاڑ سے دلچسپی رکھتا ہے۔

یہ بات تو طے شدہ تھی کہ ان لوگوں کو اس کی یہاں موجودگی کا شک ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس علاقے کو گھیرے میں لینے کا پروگرام بنایا تھا۔ اب اگر وہ اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیتا تو وہ آسانی سے اس کی سمت کا تعین کر کے اسے گھیر لیتے۔ اس بات کا علم سلیم کو بھی تھا کہ انتہائی ناگزیر حالات ہی میں بھارتی سکیورٹی فورسز اسے گولی کا نشانہ بنائیں گی۔ کیونکہ "را" کی طرف سے اسے بصورت زندہ گرفتار کرنے کے احکامات جاری ہوئے تھے۔ اور ابھی بھارت میں کوئی ایسی "ایجنسی" نہیں بنی تھی جو "را" کے احکامات کی خلاف ورزی کا تصور بھی کر سکتی۔

جوں جوں تعاقب میں آنے والوں کا فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ اس کے خون میں موجود انگارے برق رفتاری سے دوڑنے لگے تھے۔

انہوں نے نیم دائرے کی شکل میں پھیلنا شروع کر دیا تھا.....!!

سلیم ابھی تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹا تھا۔ اس کا ذہن سکیورٹی فورسز سے زیادہ برق رفتاری سے فرار کا اگلا مرحلہ طے کر رہا تھا۔ اس علاقے کی ممکنہ لوکیشن کو اس نے آنکھیں بند کر کے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے دہرانا شروع کیا اور جلد ہی ایک نتیجے پر پہنچ کر مطمئن ہو رہا۔

اچانک ہی اس نے دو تین دھماکوں کی آوازیں سنیں جس کے ساتھ ہی آسمان پر آگ سی پھیلنے لگی۔

بھارتیوں نے اندھیرے کا طلسم توڑنے کے لیے رات کو دن بنانے کا ارادہ کر لیا تھا اور اس علاقے میں اس کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی پہلے اس کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا اور اب اس کی موجودگی کا جائزہ لینے کے لیے "روشنی راؤنڈز" فائر کرنے لگے تھے...!

"اوہ یہ بات ہے!"

حالات کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...!! اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے کندھے پر دھرا مڑا سا رومال اپنے سامنے رکھ لیا۔ ایسا رومال یہاں کے دیہاتی عموماً کبھی سر پر پگڑی کی طرح باندھ لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کندھے پر رکھ لیا کرتے تھے۔ اس رومال کو پھر وہ گولائی کی شکل میں سر پر رکھ کر سر پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ پھر اس نے ہوا کی سمت کا اندازہ کیا اور ایک طرف ہٹ کر رومال کو خشک گھاس پر پھیلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے سگریٹ لائیٹر نکالا اور اپنی سمت والے رومال کے کونے کو آگ لگا دی۔

چند سیکنڈ میں رومال کی آگ خشک جنگلی گھاس میں پھیل گئی۔ ہوا نے آگ کے لیے بارود کا کام کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے دور دور تک پھیلی خشک گھاس کو چاٹنا شروع کر دیا۔

اس کا یہ حملہ اتنا اچانک اور ناقابل یقین تھا کہ نیم دائرے کی شکل میں موجود پوزیشن سنبھالے بھارتی سکیورٹی فورسز کے جوان جو اب جنگلی گھاس کے طویل سلسلے میں قریباً داخل ہو چکے تھے۔ بوکھلا کر اس طرح واپس بھاگے جیسے ان پر اچانک مارٹر توپوں نے گولہ باری شروع کر دی ہو۔

○○○

"ویل ڈن..."

بے ساختہ کرنل بخش نے داد بھرے لہجے میں کہا۔

وہ اشونی کمار کے ساتھ یہاں سے قریباً ایک فرلانگ دور اسی چھوٹے سے نالے کے پل پر کھڑے تھے جس کا سلسلہ آگے جا کر اس کچے راستے سے ملتا جو گنگا نگر کی طرف جانے والی سڑک تک پہنچتا تھا۔ انہیں اس بات کی قوی امید تھی کہ گنگا نگر تک جانے کے لیے سلیم ضرور یہی راستہ اختیار کرے گا۔

آگ کے شعلے بلند ہوتے اشونی کمار نے بھی دیکھے تھے۔

لیکن!

ابھی اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ جب کرنل بخش کے منہ سے "ویل ڈن" نکلا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ "وائیٹ فلاور" کا کارنامہ ہے جس نے اپنے تعاقب میں آنے والی بھارتی فورسز کو پہلا "بھرپور سرپرائز" دیا تھا۔

اسے اب اندازہ ہوا تھا کہ کرنل بخش نے معمول سے بہت زیادہ احتیاطی اقدامات کیوں اپنائے تھے۔

"وائیٹ فلاور" کے پہلے ہی حملے نے کیپٹن اشونی کمار کو احساس دلا دیا کہ یہ کوئی معمولی قسم کا انٹیلی جنس ایجنٹ نہیں ہے بلکہ ان کا مقابلہ ایک انتہائی تربیت یافتہ کمانڈو سے تھا جس سے کوئی بھی امید کی جا سکتی تھی۔

"اپنے جوانوں سے کہو۔ 'بی ایس ایف' والوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائیں اور گرین بیلٹ کی طرف دور دور تک چھپ کر پوزیشن لے لیں۔ خبردار کوئی معمولی سی بھی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔"

کرنل بخش جس نے اندھیرے میں دیکھنے والی دوربین آنکھوں سے لگا رکھی تھی اپنے نائب کیپٹن اشونی کمار سے مخاطب ہوا جس نے فوراً ہی اپنے ہاتھ میں پکڑے 'لانگ رینج' 'واکی ٹاکی' پر کرنل کا یہ حکم آگے پہنچا دیا۔

بھارتی فوج کے اس خصوصی کمانڈو دستے نے جس کی کمان فی الوقت کیپٹن اشونی کمار کر رہا تھا حکم موصول ہوتے ہی اپنی پوزیشنیں چھوڑیں اور وہ تیزی سے مطلوبہ کیموفلاج ایریا کی طرف بڑھنے لگے۔

اشونی کمار پر اب کرنل بخش کی غیر معمولی صلاحیتوں کا بھی ادراک ہو رہا تھا۔

کرنل بخش نے "سفید پھول" کے آپریشن گرفتاری کے لیے اگلے ہی روز ہونے والی اس کانفرنس میں اشونی کمار کے ساتھ شرکت کی تھی۔ جو بھارتی بارڈر سکیورٹی فورسز کے ہیڈ کوارٹر میں ہوا تھا۔ اس نے گرفتاری کے "مشترکہ آپریشن" پر ہی رضامندی ظاہر

کی تھی۔

لیکن!

پندرہ کمانڈوز کے اس خصوصی دستے کو کمال ہوشیاری سے الگ رکھا تھا اور یہ لوگ ایک الگ منصوبے پر اس کے احکامات کے مطابق عمل پیرا تھے۔

ان کے سامنے اچانک ہی دن طلوع ہو گیا تھا۔ یہ بھارتی بارڈر سکیورٹی فورسز کے وہ لوگ تھے جو وائیٹ فلاور کے اس حملے سے بوکھلا کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے اور اب اپنا غصہ "روشنی راؤنڈز" پر نکال رہے تھے۔

"گدھے کہیں کے۔"

کرنل بخش نے اگلا فقرہ کہا کیپٹن اشونی کمار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس کی اپنی لگائی آگ کی روشنی کیا کم ہے۔ الو کے پٹھے۔ زمین پر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکے اب آسمان پر اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"سر! یہ لوگ سارا کھیل بگاڑ دیں گے۔ انہیں روکنا چاہیے۔"

اشونی کمار کو بھی ان کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔

کرنل بخش نے اس کے ہاتھ سے "واکی ٹاکی" پکڑا اور دوسرے ہی لمحے وہ اپنے عقب میں موجود بی ایس ایف کے کمپنی ہیڈ کوارٹر میں ان کے کمپنی کمانڈر سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کمپنی کمانڈر کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ اپنے جوانوں کو روشنی راؤنڈ فائر کرنے سے روک دے۔

کمپنی کمانڈر کو شاید اس کی بات کی جلدی سمجھ آگئی کیونکہ اس نے دوسرے ہی لمحے اپنے بوکھلائے ہوئے پلاٹون کمانڈر کو ڈانٹ کر اس حرکت سے منع کر دیا تھا۔

روشنی راؤنڈز کی فائرنگ اب رک چکی تھی۔

اچانک ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج پڑی۔

ایک مرتبہ پھر کرنل بخش کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

اس نے فوراً پلاٹون کمانڈر سے سلسلہ ملایا۔

"کیا بے ہودگی ہے؟"

اس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں سر! گھاس میں چھپے تین سور سیدھے ہمارے جوانوں کی طرف بھاگتے آرہے تھے۔ اگر انہیں مارا نہ جاتا تو نقصان کا اندیشہ تھا۔ میں نے ان پر فائرنگ کا حکم دیا تھا۔ پلوٹون کمانڈر نے اپنی دانست میں کرنل بخش کو مطمئن کرنا چاہا۔

"شٹ اپ"

کرنل نے اتنی زور سے اسے ڈانٹا کہ اس کے ساتھ موجود کیپٹن اشونی کمار سہم کر رہ گیا۔ "گدھا کہیں کا۔ کبھی روشنی راؤنڈ چلا کر اور کبھی فائرنگ کر کے اس نے اپنی ساری پوزیشنوں سے اسے آگاہ کر دیا ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ سارا آپریشن آرمی خود کرے۔ لیکن بھگوان جانے ان دلی والوں کی عقل کہاں گھاس چرنے گئی ہے۔ خواہ مخواہ بی ایس ایف کو اس آپریشن کا حصہ بنا کر ستیاناس کر کے رکھ دیا"

کرنل بخش نے "واکی ٹاکی" اسے واپس تھماتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم پچھلے مورچوں میں موجود کمپنی کو "الرٹ" کر دیں۔ ممکن ہے اس طرح...."

"نو مائی بوائے... نو... ایسی غلطی کبھی نہ کرنا میں کہتا ہوں یہ خواہ مخواہ چاروں طرف سنسنی پھیلانے کی ضرورت کیا ہے۔ یہی تو وہ چاہتا ہے کہ ہم بد نظمی سے اس کے پیچھے دوڑتے رہیں اور وہ ایک محفوظ کنج میں چھپ کر ہماری بھاگ دوڑ سے لطف اندوز ہوتا رہے۔" کرنل بخش نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"رائیٹ سر!"

بے ساختہ کیپٹن اشونی کمار کے منہ سے نکلا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح ہونے تک اپنے کرنل کو کوئی مشورہ نہیں دے گا۔ صرف اس کے احکامات پر عمل کرے گا۔

پندرہ کمانڈوز کے خصوصی دستے نے جنگلی گھاس کے طویل سلسلے کو ختم ہونے پر

لمبتوں کی پھیلی ہوئی گرین بیلٹ میں خود کو بڑی ہوشیاری سے چھپا لیا تھا۔ ان لوگوں نے اس طرح جنگی تربیت کے مطابق پھیل کر پوزیشنیں لی تھیں کہ ایک کلومیٹر علاقے میں وجود کوئی چوہا بھی ان کی گرفت سے نہیں نکل سکتا تھا۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔

دونوں ایک جھاڑی میں چھپے بار بار گھڑیوں کی سوئیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ کیپٹن اشونی کمار نے جس کی آنکھیں اب اندھیرے میں کرنل کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگی تھیں؟ اس نے کرنل کو آج پہلی مرتبہ اتنا "ٹنس" دیکھا تھا۔

اچانک وہ دونوں اپنی جگہ سے اس طرح اٹھ کر کھڑے ہو گئے جیسے دونوں کو بیک وقت کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

وہ دھماکہ اتنا زوردار تھا جس نے ارد گرد کی فضا کو دہلا کر رکھ دیا۔

سناٹے میں ہونے والے اس دھماکے کی سمت دونوں کی گردنیں بیک وقت گھومیں اور کیپٹن اشونی کمار تو لرز کر ہی رہ گیا۔ ان کے عقب میں قریباً ایک فرلانگ کی دوری پر کمپنی ہیڈ کوارٹر سے ملحقہ "ایمونیشن ڈمپ" پر قیامت گزر گئی تھی...!

پہلا دھماکہ ہی اتنا زوردار تھا جیسے اچانک زمین پھٹ گئی ہو۔

ایمونیشن ڈمپ کے باہر کھڑے بی ایس ایف اور آرمی کے ٹرکوں نے آگ پکڑ لی تھی اور سوکھی لکڑی کی طرح دھڑا دھڑ جلنے لگے تھے۔

کرنل بخش کو اس اچانک حادثے سے شدید دھچکا لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس ڈمپ کو آگ لگانا کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ بی ایس ایف کے جوانوں کی لاپرواہی سے یہاں ہر وقت پیٹرول کے ایک دو چھوٹے ٹینکر موجود رہتے تھے۔

"ڈیم اٹ"

اس نے اچانک ہی اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑی چھڑی اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ماری اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

کیپٹن اشونی کمار نے بڑی ہمت سے اپنے اوسان بحال کیے تھے۔

بھارتی سکیورٹی فورسز کے اندازوں اور توقعات کے بالکل برعکس حکمت عملی سلیم نے اختیار کی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ خشک گھاس کو آگ لگانے کے بعد اب بھارتی اس سے بھی توقع کر رہے ہوں گے وہ آگ کی مخالف سمت سے پسپائی اختیار کرے گا اور انہوں نے دوسری طرف اس کے گرد اتنا مضبوط گھیرا ڈال رکھا ہو گا کہ وہ اس گھیرے کو توڑ کر نکل جانے کا تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن!

سلیم کیا کر گزرے گا؟

اگر انہیں یہ علم ہو جاتا تو شاید بوکھلاہٹ میں وہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھتے۔

جس سمت سے بی ایس ایف نے پسپائی اختیار کی تھی اس سمت سے وہ برآمد ہوا تھا اس نے آگ کی لپٹوں سے گھبرا کر بھاگتے ہوئے بی ایس ایف کے جوانوں کے تعاقب میں تیزی سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا سفر آگ کی سمت میں کافی دور تک جاری رہا۔

عین ان لمحات میں جب کرنل بخش کے کمانڈوز کھیتوں کی منڈیروں سے چمٹے اور بی ایس ایف کے جوان گھاس والے قطعہ ارضی کی پشت پر اپنی رائفلیں کندھوں سے چپکائے زمین پر فائرنگ پوزیشن میں لیٹے ہوئے تھے۔

ان کا شکار "وائیٹ فلاور" اُن کی توقعات کے بالکل برعکس ان کے بھاگتے قدموں کا تعاقب کرتا ایک لمبا چکر کاٹ کر ان کی پشت پر آ چکا تھا....!

شکار اور شکاری کے اس کھیل میں رات دوپہر بیت چکی تھی...!!

تیزی سے گزرتے وقت کا احساس سلیم سے زیادہ شدت سے اور کون کر سکتا تھا...!!

اسے اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ چکی تھی کہ صرف ایک گھیرا توڑنے سے وہ محفوظ نہیں ہو جائے گا۔ گنگا نگر تک اس کی گرفتاری کے لیے "را" نے تہہ در تہہ جال بچھا رکھے ہوں گے۔ اسے ایک ایک کر کے ہوشیار نیولے کی طرح ان جالوں کو اپنے دانتوں سے کاٹنا اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے پہلے محفوظ علاقے تک پہنچنا تھا۔

پہلی مرتبہ اس نے خود سے سوال کیا تھا کہ کیا یہ ممکن ہو گا؟

"ہاں کیوں نہیں ان کی حیثیت ہی تمہارے نزدیک کیا ہے۔ خبردار ایک لمحے کے لیے بھی مایوسی کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دینا۔"

اس کی قوت ارادی نے سرزنش کی۔

اب اس کے لیے سب سے بڑا مرحلہ تھا۔ اپنے پہلوؤں میں موجود بھارتی فورسز کو مصروف رکھنے کا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کی توجہ کسی نہ کسی طرح بٹائے رکھے اور اپنی طرف ان کا دھیان ہی نہ آنے دے۔

یہی ایک صورت تھی جس سے وہ ان موذیوں کے چنگل سے بچ سکتا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے اچانک ایک خطرناک فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ دشمن کو ایک مرتبہ پھر "سرپرائز" دینا ہو گا۔ یہی سوچ کر اس نے دشمن کے پھیلائے جال میں پھنسنے کے بجائے یہاں سے چند سو گز دور موجود بھارتی بارڈر سکیورٹی فورسز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کے پہلو سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس نے خود کو کرنل بخش کی جگہ رکھ کر سوچا اور جان لیا تھا کہ دشمن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہو گی کہ وہ اس کے دل پر پاؤں رکھ کر اس کے جسم کی سرحد عبور کرے گا۔

ابھی اتنا اندھیرا تھا جو اس کے منصوبے میں مددگار ثابت ہوتا۔

خرگوش کی طرح پنجوں کے بل چلتا اور کہیں سے کہنیوں کے بل گھسٹتا وہ کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سیمنٹ کی بنی اس بلڈنگ کے دائیں سمت سے چپکا وہ آہستہ آہستہ محفوظ راستے کی طرف رینگ رہا تھا جب اچانک ہی یہ مصیبت اس کے سر پر آن پڑی۔

خدا جانے بی ایس ایف کا وہ حوالدار گشت پر جا رہا تھا یا واپس آ رہا تھا جس نے اسے دیکھ کر اچانک ہی اس کی طرف رائفل سیدھی کر لی تھی۔

"ہالٹ"

اس نے اپنے بائیں پہلو سے للکار سنی۔

"شٹ اپ"

سلیم کا ردعمل اتنا غیر متوقع تھا کہ جب اس نے گردن گھما کر ڈانٹنے کے انداز میں کہا تو چند لمحوں کے لیے تو حوالدار گڑبڑا کر ہی رہ گیا۔ سلیم کو اتنی ہی مہلت درکار تھی۔

اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ کب سلیم نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور اس کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ اس نے آکٹوپس کی طرح حوالدار کی گردن کو اس طرح جکڑا تھا کہ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔

دونوں زمین پر گر پڑے تھے۔

سلیم نے مشکل سے پندرہ بیس منٹ میں حوالدار کی مزاحمت کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔

لیکن!

جیسے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ایک اور آواز نے اسے چونکا دیا۔

"مکھن سیہاں"

شاید حوالدار کا کوئی ساتھی اسے آواز دے رہا تھا۔

سلیم کو وہاں صرف ایک جائے پناہ دکھائی دی تھی اور وہ اس کے سامنے موجود چھوٹا سا کمرہ تھا جس سے حوالدار برآمد ہوا تھا وہ آواز دینے والے کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کمرے میں گھس گیا۔

یہ شاید آنجہانی کا کمرہ تھا۔

دیوار سے بی ایس ایف کی وردی اور رائفل لٹک رہی تھی اور ایک کونے میں چھوٹا سا محدود روشنی والا کیروسین لیمپ جل رہا تھا۔

سلیم کو اس تلخ حقیقت کا احساس تھا کہ چند سیکنڈ بعد ہی حوالدار کی موت کا راز فاش ہو جائے گا اور یہاں "ہاہاکار" مچ جائے گی۔ وہ کمپنی ہیڈ کوارٹر کے اندر موجود تھا یہاں سے

بھاگ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"کیا کروں۔ کیا کروں؟"

اس نے خود سے سوال کیا اور دوسرے ہی لمحے برق رفتاری سے ہاتھ بڑھا کر دیوار پر لگی حوالدار کی وردی اتار لی۔ پہلے سے پہنے کپڑوں پر اس نے کسی نہ کسی طرح وردی کو پندرہ سیکنڈ میں پہن لیا اور سر پر ٹوپی رکھ کر کندھے سے رائفل لٹکا لی۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ وردی قدرے ڈھیلی ہونے کی وجہ سے اس کے پہلے سے پہنے کپڑوں پر فٹ بیٹھی تھی۔ شاید یہ اس کمرے میں رہنے والے کسی دوسرے جوان کی یونیفارم تھی۔ فی الوقت اس نے بی ایس ایف کے جوان کا روپ دھار لیا تھا۔

ابھی وہ اگلے کسی فیصلے پر نہیں پہنچا تھا کہ باہر شور مچ گیا۔

کسی نے چلا کر حوالدار کی موت کا اعلان کیا تھا اس کے ساتھ ہی خطرے کی وسل بھی بجا دی تھی۔

خطرے کی وسل بجتے ہی کمپنی ہیڈ کوارٹر میں موجود بی ایس ایف کے جوان جس حالت میں بھی تھے اٹھ کر اسی طرف بھاگے۔

سلیم نے کمرے کی مخالف سمت کی کھڑکی کھول کر باہر ماحول پر طائرانہ نظر دوڑائی۔ سیٹیوں کی آوازیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں اور کوئی چیخ چیخ کر گالیاں دیتا ہوا اپنے جوانوں کو ڈسپلن میں رہنے کا حکم دے رہا تھا۔

اچانک ہی ایک مسکراہٹ غیر ارادی طور پر سلیم کے ہونٹوں پر جم گئی۔ کھڑکی سے کچھ فاصلے پر اس نے ایک چھوٹے سے ڈپو کے قریب دو ٹرک کھڑے دیکھے تھے جن میں سے غالباً پٹرول اور تیل کے کین کچھ اتار کر زمین پر رکھے گئے تھے اور کچھ ایسے ہی وہیں دھرے تھے۔

یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے یہ دونوں ٹرک شام کو دیر گئے وہاں پہنچے ہیں اور یہاں موجود جوانوں نے کام اگلے دن کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہاں تو "وائیٹ فلاور" کی آمد پر ایمرجنسی ڈیکلئر کر دی گئی تھی اور یہاں جوانوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔ زیادہ

نفری تو سرحد پر اسے تلاش کر رہی تھی۔

کمرے کے ایک کونے میں موجود ایک میلی سی قمیص اس نے اٹھائی کیروسین لیمپ کو بجھا کر اس نے سارا تیل قمیض پر انڈھیلا صرف اپنے ہاتھ میں پکڑنے کی تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی۔ اس نے قمیص کو گولے کی سی شکل بنا کر اسے سگریٹ لائیٹر سے آگ دکھائی اور دوسرے ہی لمحے آگ کا یہ گولہ پوری قوت سے یہاں سے بمشکل پندرہ بیس گز دور کھڑے ٹرک پر پھینک دیا۔

پلک جھپکنے میں اس کی توقعات کے عین مطابق نتائج برآمد ہوئے اور ٹرک پر رکھے پٹرول کے کین نے آگ پکڑ لی۔

اس آگ کا سلسلہ آگے کہاں تک پھیلا؟

اس نے نزدیکی اسلحہ ڈپو تک کیسے رسائی حاصل کی؟

یہ کچھ دیکھنے اور سوچنے کے لیے سلیم کے پاس وقت باقی نہیں بچا تھا۔ اس نے تو دیوانہ وار باہر نکل کر بھاگنا شروع کیا تھا۔

اسے تو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ پٹرول کے اس ذخیرے کے نزدیک اسلحہ کا کوئی ڈپو تھا وہ تو بوکھلاہٹ میں بھاگتے بی ایس ایف کے جوانوں میں ان ہی کا ایک ساتھی بن کر داخل ہوا۔

لیکن!

کمال ہوشیاری سے اُن کے ساتھ ساتھ بھاگتا اُن سے دور ہٹتا چلا گیا۔

پندرہ بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد اس نے خود کو قدرے محفوظ کر لیا تھا۔ وہ کمپنی ہیڈ کوارٹر کی عمارت سے دور نکل آیا تھا اور اب اس نہر کے کنارے کھڑا تھا جس کو عبور کرنے کے بعد وہ گنگا نگر کے نواحی قصبے میں داخل ہو جاتا۔

نہر کنارے پہنچ کر اس نے ایک ایک کر کے اپنے سارے کپڑے اتار دیے۔ اب اس کے جسم پر صرف ایک نیکر باقی رہ گئی تھی۔

بی ایس ایف کی وردی کو ٹوپی اور رائفل سمیت اس نے نہر کے پانی میں بہا دیا اور

اپنے کپڑوں کو جوتی سمیت گٹھڑی کی شکل میں سر پر رکھ لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ نہر میں داخل ہو چکا تھا۔

○○○

ماہر تیراک کی طرح وہ اپنے کپڑے بھی گیلے ہونے سے بچا رہا تھا اور بغیر آواز پیدا کیے پانی میں آہستہ آہستہ بہاؤ کے ذریعے تیرتا دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے نہر عبور کرنے میں مشکل سے تین چار منٹ لگے تھے۔

دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے گیلی نیکر سے نجات حاصل کی اور خشک کپڑے پہن کر دو تین لمبے لمبے سانس لے کر ہوا میں موجود آکسیجن کو اپنے جسم میں داخل کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ قدرے محتاط ہو کر کھیتوں کے سلسلے سے ہٹ کر اس گاؤں کی طرف جا رہا تھا جو یہاں سے مشکل سے دو ڈھائی فرلانگ کی دوری پر واقع تھا عام حالات میں جب وہ سرحد عبور کرتا تو اپنے راستے میں آنے والے پہلے گاؤں ہی کو اپنا "پہلا پڑاؤ" گردانا کرتا تھا۔

لیکن!

آج اس کا پہلا پڑاؤ بدل چکا تھا۔

اسے یہاں سے میلوں دور ہٹنا تھا جس کے بعد ہی وہ ڈھنگ سے سکھ کا سانس لے پاتا۔ وہ جانتا تھا "را" نے راستے کے کئی دیہاتوں میں اس کے لیے جال بچھایا ہو گا اور وہ ایسے کسی بھی جال میں پھنسنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

○○○

تعاقب

سورج اپنے جوبن پر تھا۔

زندگی مکمل بیدار ہو چکی تھی۔

مضافاتی علاقوں سے گوالوں کی قطاریں دودھ کے بڑے بڑے برتنوں سمیت گنگا نگر پہنچ چکی تھیں۔

لیکن!

وہ ان سب سے بے پروا معمول کے راستوں سے کٹ کر سفر کر رہا تھا۔ اس نے ابھی تک کھیتوں کے درمیان موجود پگڈنڈیوں ہی کو اپنی گزرگاہ بنایا ہوا تھا۔ کھیتوں کے درمیان چلتے ہوئے اس نے کتنے میل کا راستہ طے کر لیا تھا۔

اس کا اسے علم نہ ہو سکا۔

اس کے دل و دماغ میں تو صرف ایک ہی دھن سمائی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے وہ "را" کے پھیلائے ہوئے جال سے بچ کر نکل جائے اور ابوہر تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ "ابوہر" میں اس کا دوست پنڈت جوشی رام اس کی پہلی اور محفوظ ترین پناہ گاہ تھی...!

اپنی دانست میں اس نے پندرہ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ پیدل طے کر لیا تھا اس درمیان

اس کے راستے میں چار دیہات آئے تھے۔

لیکن!

وہ تمام دیہاتوں کے پہلو سے لمبا چکر کاٹ کر نکل گیا تھا۔

جس راستے سے وہ سفر کر رہا تھا وہاں اس کا ٹکراؤ زیادہ لوگوں سے نہیں ہوا تھا۔ چونکہ اس نے ایک دیہاتی نوجوان کا بھیس بدل رکھا تھا اس لیے سامنے سے آنے والا اس کا تعلق انہی مکینوں سے سمجھ کر اسے نظرانداز کر دیتا تھا۔

اس درمیان اس کا راستے میں جب بھی کسی سے ٹکراؤ ہوا تو اس نے ٹکرانے والے کے کچھ کہنے سے پہلے ہی "رام رام جی" کہہ کر اپنی راہ ناپی۔

"رام رام" کے جواب میں اسے "رام رام" سننے کو مل جاتا۔ ابھی تک کسی نے اس کی شناخت دریافت نہیں کی تھی۔ نہ ہی اس نے کسی سے راستے میں آنے والے دیہاتوں سے متعلق استفسار کیا تھا۔

اپنی توانائیاں بحال رکھنے کے لیے اس نے راستے میں آنے والے کھیتوں سے چوری چھپے گاجر' مولیاں اور ٹماٹر وغیرہ توڑ کر ضرور کھائے تھے۔ اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں ایک گنا پکڑا ہوا تھا جسے وہ بالکل دیہاتیوں کے سے انداز میں چوستا ہوا چلتا چلا جا رہا تھا۔

اسے اب وہ پکی سڑک دکھائی دینے لگی تھی جس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ گنگا نگر شہر تک پہنچ سکتا تھا۔ ابھی تک اس نے سڑک کے نزدیک پھٹکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اس کی جہاندیدہ نظروں نے سڑک سے گذرتی پولیس اور بی ایس ایف کی دو جیپیں یکے بعد دیگرے دیکھ لی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ معمول کی گشت نہیں بلکہ خصوصی "پٹرول" ہے اور دشمن ابھی تک اس کے تعاقب میں ہے۔

اب اسے قدرے تھکاوٹ کا احساس ہونے لگا تھا۔

لیکن!

اس احساس پر جان بچانے اور دشمن کو زیر کرنے کے جذبے نے بار ہی قابو پا لیا اور

سلیم کو یوں لگا جیسے وہ اگلے پانچ دس روز تک بھی اس طرح پیدل چل سکتا ہے۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے تک گنگا نگر شہر میں داخل ہو کر یہاں سے بس کے ذریعے "ابوہر" پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن!

سڑک پر سکیورٹی فورسز کی غیر معمولی ٹریفک نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے پیدل ہی گنگا نگر کو بھی عبور کر جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس مرحلے پر جب کہ اس کے ہاتھوں بی ایس ایف کا ایک حوالدار مارا جا چکا تھا اور بے پناہ تباہی الگ ہوئی تھی۔ دشمن اس کے تعاقب میں پاگل کتوں کی طرح بو سونگھتا آ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی مرحلے پر "را" کے لیے تر نوالہ بن جائے۔

دوپہر ہو رہی تھی۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ موسم میں خنکی کے سبب وہ آسانی سے پیدل چل رہا تھا۔ ورنہ یہاں کا سورج تو دوپہر کو بڑے بڑے بہادروں کا پتا پانی کر دیا کرتا تھا۔

اسے علم تھا کہ دوپہر ہونے کے سبب اب نزدیکی دیہاتوں سے عورتیں کھیتوں میں آنے والے کسانوں کے لیے کھانا لے کر آ رہی ہوں گی۔ ان حالات میں اس کا چلتے چلے جانا کچھ مناسب نہیں لگتا تھا۔

یہی سوچتے ہوئے اس نے کماد کے اس کھیت کا رخ کیا جس میں گنے کی فصل اپنے پورے جوبن پر لہلہا رہی تھی اور کسی بھی لمحے کٹنے کی منتظر تھی۔

کھیت کے عین درمیان پہنچ کر اس نے جب خود کو محفوظ خیال کیا تو گنے زمین پر چٹائی کی طرح بچھا کر انہی پر ڈھیر ہو گیا۔ تحفظ کے احساس نے اسے قدرے نارمل کر دیا تھا اور نارمل ہوتے ہی اس پر تھکن غالب آنے لگی۔

کب وہ کماد کے اس بستر پر ڈھیر ہوا اور کب اس کی آنکھ لگی اسے کچھ احساس نہ ہو سکا۔

اس کی آنکھ کافی دور سے آتی کتوں کے بھونکنے کی آواز سے کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی پہلا

خیال اس کے ذہن میں یہی پیدا ہوا کہ یہ مقامی کتے نہیں ہو سکتے کیونکہ دیہات کے کتے سرِ شام نہیں بھونکا کرتے۔

وہ چوکنا ہو کر دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

○○○

کرنل بخش کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا....!

اس کے کانوں میں یکے بعد دیگرے اسی طرح دھماکوں کی آوازیں آ رہی تھیں جیسے اس علاقے میں توپخانے کا فائر شروع ہو گیا ہو۔

یہ "سفید پھول" کے سوا اور کس کا کارنامہ ہو سکتا تھا؟

اس کو خود ہی اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا۔

ابھی تک اس نے اپنے جوانوں کی پوزیشن تبدیل نہیں کروائی تھی۔ اسے یہی امید تھی کہ شکار ضرور اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسے گا۔

قریباً آدھا گھنٹہ کیپٹن اشوانی کمار اور کرنل بخش نے وہاں اعصاب شکن انتظار میں بسر کیا اور پھر ہونقوں کی طرح یوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے اس ساری صورت حال کے ذمہ دار وہ خود ہی ہوں۔

کمپنی ہیڈ کوارٹر میں آگ بجھانے کا جو بھی بندوبست تھا۔ ابھی تک کسی نے آگ کے نزدیک پہنچنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ کیونکہ پٹرول اور بارود کو لگی آگ بجھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تمام لوگ دور دور سہمے کھڑے آگ بجھنے کے منتظر تھے جس کے بعد ہی وہ اگلا کوئی قدم اٹھا سکتے تھے۔ سکیورٹی فورسز کے وہ جوان جنہیں بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ مرحلہ وار وائیٹ فلاور کی گرفتاری کے لیے پھیلایا گیا تھا۔ کمپنی ہیڈ کوارٹر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھ کر یہی سمجھے کہ وہاں شاید دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ قریباً تمام جوان وائیٹ فلاور کی گرفتاری کا مشن ادھورا چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے بھاگم بھاگ کمپنی ہیڈ

کوارٹر کے نزدیک جمع ہونے لگے۔

کمپنی کمانڈر جو صرف بنیان اور نیکر میں بھاگ کر یہاں تک آگیا تھا۔ غصے سے باؤلا ہوا جاتا تھا۔ وہ سفید پھول کی تلاش کے مشن پر لگے بی ایس ایف کے جوانوں کو گالیاں دے کر واپس بھیج رہا تھا۔ انہیں سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی پوزیشنیں نہیں چھوڑیں گے۔

لیکن!

شاید انہیں اس طرح کے حالات کا سامنا پہلی مرتبہ ہوا تھا یا پھر خلاف توقع حالات پیدا ہو جانے سے ان کے ہاتھ پاؤں ایسے پھولے کہ پھر صبح ہونے تک وہ ڈھنگ سے کوئی کام ہی نہ کر سکے۔

کرنل بخش کی آنکھوں کے بالکل سامنے مشرق کی سمت میں پھیلی سرخی مائل روشنی کا رنگ اب سفیدی میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ سورج دیوتا نے دھرتی کو اپنے درشن دینے شروع کیے تھے اور اب راجستھان کے اس سرحدی علاقے پر سورج کی کرنیں کونپلوں کی طرح پھوٹنے لگی تھیں۔ رات کی سردی کا زور ٹوٹنے لگا تھا اور گرم کپڑوں میں لپٹے سکیورٹی فورسز کے جوان جن کے ناک اور منہ بھاپ کے بادل اگل رہے تھے اب اپنے جسموں کو حرکت دے کر اپنی دانست میں "وارم اپ" کرنے لگے تھے۔

کمپنی ہیڈ کوارٹر کی آگ بجھ چکی تھی اور اس بجھی ہوئی آگ میں سلگتی چنگاریوں پر بی ایس ایف کے جوان نالیوں سے پانی پھینک رہے تھے۔ انہوں نے راکھ پر اتنا پانی پھینک دیا کہ اگر وہاں سے اس تباہی کے ضمن میں کوئی کلو ملنے کی امید بھی تھی تو ختم ہو چکی تھی۔

"میرے خیال سے اب چلنا چاہیے۔ یہاں کا کھیل تو ختم ہو چکا۔ اب آگے کی سوچتے ہیں"۔

کرنل بخش نے اپنے نوجوان کیپٹن سے کہا جس نے اپنے گلے سے لٹکتی بوتل سے چائے کا ایک کپ بھر کر اپنے افسر کو پیش کیا تھا۔

یہ الگ بات کہ کرنل بخش نے دو تین لمبے لمبے گھونٹ لینے کے بعد ہی باقی چائے پھینک دی تھی۔

"چلو وہیں چل کر تازہ دم ہوتے ہیں۔"

اس نے کیپٹن اشونی کمار کو اپنے تعاقب میں آنے کا سگنل دیا۔

اشونی کمار نے واکی ٹاکی پر اپنے جوانوں کو "سٹینڈ بائی" کیا اور دونوں کمپنی ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے جہاں ٹرکوں اور دوسرے جلے ہوئے تباہ شدہ سامان کے گرد بی ایس ایف کے جوان سوگوار انداز میں گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔

ان کا کمپنی کمانڈر شاید کرنل بخش کی اس علاقے میں موجودگی کا احساس کر کے اپنا یونیفارم پہننے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باوردی ان میں موجود تھا۔

کرنل بخش کی آمد اس کے یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ حوالدار کی لاش انہوں نے بڑے سلیقے سے ایک چارپائی پر سجا کر رکھ دی تھی۔

"ویل ڈن"

حسب عادت کمپنی کمانڈر کی شکل پر نظر پڑتے ہی کرنل بخش نے کہا اور کمپنی کمانڈر ملہوترہ جل بھن کر کباب ہو گیا۔

"تو یہ ہے تمہاری اور تمہارے جوانوں کی رات بھر کی کارکردگی تباہ شدہ اسلحہ ڈمپ جلتے ہوئے ٹرک اور ایک لاش..... ہونہہ"

کرنل بخش نے اپنا طنزیہ انداز برقرار رکھا۔

کمپنی کمانڈر ملہوترہ کا جی چاہتا تھا کہ بڑھ کر کرنل کا منہ نوچ لے۔

لیکن!

وہ کٹ کر رہ گیا۔

سرکاری نوکری نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ اس کا جی بہت چاہا کرنل بخش سے پوچھ لے کہ اس نے کون سے کدو میں تیر چلا لیا ہے۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

"آگ لگنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے ممکن ہے کسی جوان کی بے احتیاطی ہی سے لگ گئی ہو۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ تمہارے اتنے جوانوں کی موجودگی میں وہ کل

کالونڈا تمہارے ایک حوالدار کی جان بھی لے گیا اور تم منہ دیکھتے رہ گئے۔"

کرنل بخش پھٹ پڑا۔

"سر! کمپنی ہیڈ کوارٹر تو خالی تھا۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے یہاں چند جوان ہی پہرے پر رکھے تھے باقی سب تو اس "سرچ آپریشن" میں حصہ لے رہے تھے"۔

کمپنی کمانڈر نے حلق میں تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

کرنل بخش نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"دفع ہو جاؤ۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔ گٹ لاسٹ"

کمپنی کمانڈر نے اپنے ساتھی کی لاش کے گرد سوگوار چہروں والے بی ایس ایف کے جوانوں کو ڈانٹتے ہوئے کرنل بخش کی ڈانٹ کو بیلنس کرنا چاہا۔

ایک ایک کر کے جوان وہاں سے ہٹنے لگے۔

"کرنل صاحب اور کیپٹن صاحب کے لیے چائے لاؤ۔"

کمپنی کمانڈر نے اپنے اردلی کو حکم دیا۔

"لیکن اس سے پہلے فوراً دو تین کھوجی درکار ہیں۔ سمجھ گئے ناں فوراً"

کرنل بخش کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"آل رائیٹ سر!"

کمپنی کمانڈر کو احساس تھا کہ اس کا مخاطب کون ہے۔

چائے آنے تک کرنل بخش نے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی محفوظ ٹیلی فون لائن پر اپنے خصوصی یونٹ سے رابطہ کر کے فوری طور پر "واچ ڈاگ" منگوا لیے تھے۔

قریباً آدھ گھنٹے بعد بی ایس ایف کے جوان دو ادھیڑ عمر کے کھوجیوں کو جن کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ اپنی جیپ میں لے کر وہاں پہنچ گئے...!! صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ انہیں گہری نیند سے بیدار کر کے زبردستی اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔

ان کی آمد کے ساتھ ہی آسمان پر گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ یہ اس ہیلی کاپٹر کی آواز تھی جو گنگا نگر چھاؤنی سے دو خصوصی کتے لے کر آیا تھا۔ ان کتوں کے ساتھ بھارتی فوج کے

اور کمانڈوز "بلیک کیٹس" بھی موجود تھے۔

ان کالی بلیوں کی تعداد چار تھی۔

لیکن!

بھارتی ہائی کمان کا یہ دعویٰ تھا کہ ان میں سے ہر ایک کم از کم دس پر بھاری تھا۔

"آج تم لوگوں کی صلاحیتوں کا امتحان ہے۔"

اس نے دونوں بوڑھے کھوجیوں کو مخاطب کیا جن کی آنکھیں صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوتے ہی کھل گئی تھیں اور وہ خود کو بالکل تازہ دم محسوس کرنے لگے تھے۔

"جو حکم سرکار"

دونوں نے باری باری چاپلوسی کا مظاہرہ کیا۔

انہیں جنگلی گھاس والے ایریا میں لے جاؤ اور اس کے قدموں کے نشانات پر واپس آؤ کرنل نے کمپنی کمانڈر کو حکم دیا۔

"اوکے سر"

کمپنی کمانڈر نے بادل نخواستہ گردن ہلائی اور ان کے ساتھ ایک جیپ میں سوار ہو کر اسی طرف چل دیا۔

ان لوگوں کی واپسی قریباً آدھ گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ دونوں کھوجیوں نے جان توڑ کوشش کے بعد بالآخر سلیم کا "کھرا" (پاؤں کا نشان) تلاش کر ہی لیا تھا اور اب اس کے تعاقب میں یہاں تک آ گئے تھے۔

لیکن!

اس سے آگے پاؤں کا کوئی نشان نہیں مل رہا تھا۔

دونوں نے مایوسی سے گردن ہلائی تو کرنل پھٹ پڑا۔

"شٹ اپ۔ تلاش کرو حرام خورو۔ سارا سال مفت کی تنخواہیں کھاتے ہو اور ایک آدم کا کھرا نہیں ڈھونڈ سکتے۔ میں تمہاری گردنیں تڑوا دوں گا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف بے بسی سے دیکھا پھر کمپنی کمانڈر پر نظر ڈالی جس

نے انہیں آنکھ کا مخصوص اشارہ کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے سرکار پھر کوشش کرتے ہیں"

یہ کہہ کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں اس بلائے ناگہانی سے بہرحال چھٹکارا حاصل کرنا تھا ورنہ اس پاگل کرنل سے کچھ بعید نہیں تھا کہ انہیں گولی ہی مار دیتا۔

یہ کھوجی "بی ایس ایف" کے برے بھلے وقت کے ساتھی تھے۔ ان لوگوں کے ذریعے ہی سرحد فورس کے افسر سمگلروں سے جو سرحدوں کے آرپار آیا جایا کرتے تھے۔ رابطہ کرتے تھے۔ یہ ان کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ ان لوگوں کو ناراض کرنے کا خطرہ وہ مول نہیں لے سکتے تھے...!

"سالے کو کسی راستے پر لگا دو۔ پاگل ہے"

کمپنی کمانڈر نے موقعہ ملتے ہی ان سے کہا۔

"مہاراج فکر نہ کیجئے۔ ایسا مطمئن کریں گے کہ ساری زندگی ہمارے اور آپ کے نام کی مالا جپا کرے گا"

بوڑھے کھوجی منارام نے کہا۔

تقریباً پانچ چھ منٹ بعد منارام کرنل کے سامنے کھڑا تھا۔

"مائی باپ ایک کھرا اٹھایا تو ہے بڑا چالاک آدمی ہے۔ بڑی محنت کرنا پڑی"

اس نے کہا۔

"یہ ہوئی ناں بات"

کرنل نے اپنی چھڑی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے کہا۔

اس درمیان اس کے کمانڈوز بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔

"چلو"

اس نے اپنے جوانوں اور "بلیک کیٹس" کو حکم دیا۔ جنہوں نے دونوں کتوں کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی اپنی دانست میں کرنل بخش وائیٹ فلاور کے تعاقب میں تھا۔ اس

نے پھول پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے ہیلی کاپٹر کو گنگا نگر کی طرف جانے والی سڑک کے ساتھ ساتھ چکر لگاتے رہنے کی ہدایت کی تھی اور خود دونوں کتوں اور کمانڈوز کے ہمراہ جاسوس کی صورت چل دیا۔ دونوں کھوجی بڑی ہوشیاری سے انہیں پانچ چھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرا کر اس پکی سڑک تک لے آئے تھے جو آگے جا کر گنگا نگر کی سڑک سے جا ملتی تھی۔

"سرکار اس سے آگے کھرا غائب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یا تو یہاں سے کوئی سواری پکڑ لی ہے یا پھر پکی سڑک پر چلتا گیا ہے"

منارام کھوجی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

کمپنی کمانڈر اپنے پانچ جوانوں کے ساتھ دل ہی دل میں گالیاں دیتا یہاں تک آیا گیا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کرنل یہاں سے واپس لوٹ جائے گا۔

لیکن!

اچانک ہی کرنل کے اگلے حکم نے انہیں بوکھلا دیا۔

"وہ کبھی بس کے ذریعے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ میرا دل کہتا ہے وہ ابھی گنگا نگر نہیں پہنچا۔ اردگرد کے کھیتوں میں پھیل جاؤ اور اسے تلاش کرو۔ یہ سلسلہ گنگا نگر تک چلنا چاہیے۔ کتوں کی موجودگی کے خوف سے وہ بوکھلا کر اپنی کمین گاہ سے باہر نکلے گا۔ اور ہم اسے قابو کر لیں گے"

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

دو پارٹیوں میں بٹ کر ایک ایک کتے کے ساتھ وہ لوگ کچے راستے کے دو رویہ بنے کھیتوں میں اسے تلاش کر رہے تھے۔

اس میں تمام لوگوں نے سوائے "بلیک کیٹس" کے بڑی بددلی سے حصہ لیا تھا۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک اندھیرے میں بغیر کسی جواز کے ٹامک ٹوئیاں مارنا ہی تھا۔

ابھی تک وہ کوئی ایسا کلو تلاش نہیں کر پائے تھے جو اپنے کتوں کو سونگھا کر انہیں مخصوص خوشبو کے تعاقب میں لگاتے نہ اس بات کی کوئی گارنٹی تھی کہ وہ ابھی تک یہیں

موجود ہے۔ عین ممکن تھا جب وہ "سفید پھول" کو ہریالی کے اس جنگل میں تلاش کر رہے ہوں وہ گنگا نگر سے بھی باہر جا چکا ہو۔

کرنل بخش اور کیپٹن اشونی کمار سڑک پر اپنی جیپ میں سفر کرتے اب گنگا نگر شہر کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

ان کے آگے آگے اڑنے والا ہیلی کاپٹر کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا پھر لمبا چکر کاٹ کر واپس آجاتا۔

کرنل بخش کے حکم پر اس ہیلی کاپٹر نے اب تک متعدد مرتبہ سڑک کے دونوں اطراف پھیلے کھیتوں کے وسیع سلسلے پر خاصی نیچی پرواز کی تھی۔ اس کے مسلسل نیچی پرواز نے "وائیٹ فلاور" پر تو کیا اثر کرنا تھا مقامی آبادی پر خاصی گھبراہٹ طاری کر دی تھی۔

مقامی پولیس میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی اور چند منٹ کے اندر ہی گنگا نگر کے اعلیٰ پولیس آفیسر اپنے انسپکٹر جنرل سے اس ہیلی کاپٹر کی مشتبہ پروازوں کے متعلق استفسار کرتے ہوئے یہ درخواست بھی کر رہے تھے کہ اس سلسلے کو بند کیا جائے کیونکہ عوام بہت خوفزدہ ہیں۔ ان میں عجیب و غریب افواہیں گشت کرنے لگی ہیں۔

کھیتوں میں کتوں کے ساتھ بھاگتے فوجی جوانوں کو دیکھ کر مقامی کسانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ انہوں نے اندازے نکالنے شروع کر دیے جس کے بعد نزدیک دور کے دیہاتوں میں یہ افواہ تیزی سے پھیل گئی تھی کہ اس علاقے میں بڑے خطرناک تخریب کار گھس آئے ہیں جن کے تعاقب میں بھارتی فوج سارے علاقے میں پھیل گئی ہے۔ لوگوں کو اپنی سلامتی کی فکر دامن گیر ہونے لگی تھی اور گنگا نگر کے اس نواحی قصبے کی فضاؤں میں خوف رچ بس گیا تھا۔

انسپکٹر جنرل پولیس کی درخواست پر مقامی آرمی کمانڈر نے کرنل بخش سے صورتحال جاننے کے بعد درخواست کی تھی کہ کم از کم ہیلی کاپٹر کو یہاں سے ہٹا لیا جائے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔

کرنل بخش نے ہیلی کاپٹر کو بادل نخواستہ واپس لوٹ جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

OOO

کماد کے گھنے کھیت میں لیٹا وہ ہیلی کاپٹر کی پروازوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ سلیم جانتا تھا کہ "را" اس کے ساتھ ڈرامہ کر رہی ہے۔ کرنل بخش روایتی شکاریوں کی طرح جو مقامی آبادی کے لوگوں کی گردنوں میں ڈھول ڈال کر انہیں جنگل میں "ہانکا" کرنے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ کتوں اور ہیلی کاپٹر کا خوف اس پر طاری کر کے اسے اپنی کچھار سے باہر نکلنے پر مجبور کر رہا تھا۔

لیکن!

سلیم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

اسے اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ اپنے تعاقب میں اس نے نہ تو پاؤں کا کوئی ایسا نشان چھوڑا ہے جس کی مدد سے کوئی کھوجی دور تک اس کا کھرا اٹھا سکے۔

اور

نہ ہی اس نے اپنے پیچھے کوئی ایسا "کلو" چھوڑا ہے جس کی مدد سے "را" کے "بلیک کیٹس" اپنے کتوں کو اس کے تعاقب میں لگا سکیں۔

کرنل بخش اسے خوفزدہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

لیکن

وہ نہیں جانتا تھا کہ "وائیٹ فلاور" کا "کوڈ نیم" جتنا نازک ہے اتنے ہی مضبوط اعصاب کا وہ مالک ہے۔

وہ انہی اعصاب کے ساتھ میدان میں اترا تھا۔

لیکن

کتے کے بھونکنے کی آواز نے اسے اپنی حکمت عملی بدلنے پر مجبور کر دیا۔

سلیم جانتا تھا کہ "را" نے ان کتوں کو روسی انٹیلی جنس "کے جی بی" کی مدد سے خصوصی تربیت دی ہوئی ہے۔ اور وہ اس طرح کھیتوں میں چھپے مشتبہ شخص تک اپنے

مالکوں کو ضرور پہنچا دیا کرتے ہیں۔

اسے اب میدان میں نکل کر دشمن کی چالوں کا مقابلہ اپنے دماغ اور قوت ارادی سے کرنا تھا۔ یہی سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور

دوسرے ہی لمحے وہ کھیتوں سے باہر تھا۔

اس نے بادل نخواستہ ہی اب نزدیکی قصبے میں گھس جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فی الوقت اس کے ذہن میں کوئی خاصی پلاننگ نہیں تھی۔ اسے اب جو کچھ بھی کرنا تھا حالات اور واقعات کا تعین کرنے کے بعد ہی کرنا تھا۔

ابھی وہ مشکل سے پچاس ساٹھ گز ہی چلنے پایا تھا کہ اچانک ٹھٹھک کر رک گیا۔ وہ ایک کھیت کے کنارے کھڑا تھا جس میں جانوروں کے لیے چارہ کاشت کیا گیا تھا۔ کچھ قطعہ اراضی خالی ہو چکی تھی۔ جہاں چارہ کاٹنے والی درانتی بھی پڑی تھی۔ شاید کوئی تھوڑی دیر پہلے چارہ کاٹ کر اپنے ٹھکانے پر چھوڑنے گیا تھا۔ اور اس کی واپسی تھوڑی دیر کے بعد متوقع تھی جس کے بعد اس نے مزید چارہ کاٹنا تھا۔

ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس کے تنے ہوئے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔

اسے بہترین کور "Cover" میسر آ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بڑی تیزی سے چارہ کاٹنا شروع کر دیا۔ بمشکل پانچ منٹ بعد ہی اس نے مقامی کسانوں کی طرح جانوروں کے چارے کا گٹھا باندھ کر سر پر رکھ لیا تھا۔ اپنا تھیلا اس نے اس گٹھے میں چھپا لیا تھا اور اب بڑے اطمینان سے پکی سڑک کی طرف جا رہا تھا۔ جس کی دوسری طرف مقامی قصبہ "دنیا پور" تھا جہاں اسے فی الوقت پناہ لینی تھی۔

سڑک تک وہ بڑے اطمینان سے چلتا ہوا آیا تھا۔

ابھی وہ سڑک کے کنارے پہنچا ہی تھا جب اچانک ایک پولیس جیپ جو دور سے آ رہی تھی اس کے نزدیک آ کر رک گئی۔ ایک موٹی سی گردن کھڑکی سے برآمد ہوئی اور اگلی سیٹ

پر بیٹھے تھانیدار نے ڈانٹنے کے لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے بے تو؟"

"مائی باپ کیا ہو گیا! آپ سے پہلے دو اور جگہ بھی یہی پوچھا گیا ہے۔ میری شکل سے آپ کو کیا لگتا ہے؟"

سلیم نے اس طرح جل بھن کر جواب دیا کہ تھانیدار خواہ مخواہ مسکرا پڑا۔

"اچھا اچھا خیال رکھنا کوئی مشتبہ نظر آئے تو ہمیں اطلاع کر دینا۔"

اس نے اچانک ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جو حکم مائی باپ سالے کی ٹانگیں توڑ کر آپ کے سامنے لا کر پھینک دیں گے۔"

اس نے مقامی جاٹوں کے سے لہجے میں کہا اور اگلی کوئی بات سننے سے پہلے آگے بڑھ گیا۔ کیونکہ کچھ فاصلے سے اس نے ایک آرمی کی جیپ کو بھی اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

عین ان لمحات میں جب وہ سڑک کو عبور کر کے دوسری طرف پھیلے کھیتوں کے سلسلے میں داخل ہو رہا تھا۔ کرنل بخش کی جیپ پولیس کی جیپ کے قریب سے گزر رہی تھی۔ کرنل بخش نے دور ہی سے پولیس والوں کو سڑک عبور کرنے والے کی پوچھ پڑتال کرتے دیکھ لیا تھا اور وہ مطمئن تھا کہ یہ شخص "چیک" ہو گیا ہے۔ وگرنہ تو اس نے بہ نفس نفیس اپنے راستے میں آنے والے ہر دیہاتی کے نزدیک رک کر اس سے ایک دو سوالات ضرور کیے تھے۔

○○○

اپنے سر پر رکھا مویشیوں کا چارہ سلیم نے سڑک عبور کرنے کے بمشکل تین چار منٹ بعد ہی ایک خالی قطعہ اراضی پر بندھی بھینسوں کے سامنے ڈال کر اس سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اور اب وہ خراماں خراماں نزدیکی قصبے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سے لاؤڈ سپیکروں کی آوازیں اب بہت نمایاں ہو کر اس کے کانوں تک پہنچنے لگی تھیں۔

"گاؤ ماتا کی جے۔"

"کوئی نہ بھوکا رہے۔"

اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ یہ "کالکا دیوی" کے پجاری ہیں جس کا میلہ اس علاقہ کے مختلف دیہاتوں میں باری باری لگتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دنیا پور میں "کالکا دیوی" کا "اُتسو" چل رہا ہے جس پر نزدیک دور سے ہزاروں کی تعداد میں "کالکا دیوی" کے پجاری شرکت کر رہے ہوں گے۔

ایک لمبا سانس خارج کرتے ہوئے اس نے جیسے اپنے دل و دماغ پر دھرا سارا بوجھ ہی اتار کر پھینک دیا نزدیکی آبادی یہاں سے قریباً ڈیڑھ دو فرلانگ دور تھی۔

OOO

اگلے دس منٹ بعد وہ یاتریوں کے ہجوم میں شامل ہو چکا تھا۔ اس نے سب سے پہلے "دنیا پور" کے بڑے مندر کے باہر میلے پر لگی چھوٹی چھوٹی دکانوں سے پیلے رنگ کا "ترشول" کی تصویر والا رومال خرید کر اپنے ماتھے پر باندھ لیا تھا۔ جب کہ "جنیئو" اس کے گلے میں پڑ چکا تھا۔ بازار میں موجود لوہے کے کڑے سے وہ مکمل ہندو براہمن بن چکا تھا۔

ایک سٹال سے آٹے کے پیڑے لے کر اس نے وہاں گھومتی آوارہ گائے کو کھلا کر اپنی مہم کا آغاز کیا اور اب وہ اس مندر کی طرف جا رہا تھا جس کے اندر اور باہر پجاریوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا۔

دو ناریل اس کی ہاتھ میں تھے اور چند روپے دوسری مٹھی میں۔ اب وہ اس قطار میں کھڑا تھا جو "کالکا دیوی" کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے گئی تھی۔ پندرہ بیس منٹ کے تکلیف دہ انتظار کے بعد اس کی باری آ گئی۔

مورتی کے سامنے بیٹھے دو ہٹے کٹے پجاریوں کے آگے اس نے دونوں ناریل رکھ دیے اور مٹھی میں پکڑے پیسے مورتی کے بجائے پجاریوں کے سامنے پھینک دیے جنہوں نے اس کے اس عمل پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک ناریل اسے واپس تھمایا

اس کے ماتھے پر تلک کے ساتھ ہی تین سفید لکیریں کھینچ کر "چندرا" بھی لگا دیا جس کا مطلب یہی تھا کہ دیوی اس پر ضرورت سے زیادہ ہی مہربان ہو رہی ہے۔

مندر میں ایک کونے میں جہاں دیوی کے بہت سے پجاری اونچی اونچی آواز میں "بھجن کتھا" کر رہے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر اس "بھجن کتھا" میں شامل ہو گیا۔ اس طرح باقی لوگ بڑے خشوع و خضوع سے لہرا لہرا کر گا رہے تھے وہ بھی اسی طرح ان کا ساتھ دینے لگا۔ اس کے وہاں بیٹھنے کا کسی نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

لیکن

سلیم کی چھٹی حس نے اس لمبے تڑنگے شخص کی نشاندہی ضرور کر دی تھی جو اس ہجوم کے ایک کونے میں دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا ہر آنے جانے والے کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

اس نے سلیم کو بھی حسب معمول بڑے غور سے دیکھا تھا۔

لیکن

کیا مجال جو سلیم کی نظریں اس سے ٹکرائی ہوں۔ وہ بظاہر صورت حالات سے قطعی لاتعلق اپنی جگہ خشوع و خضوع سے بھجن الاپتا رہا۔ اس درمیان اس شخص کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھتی رہیں سلیم کی رنگت اسے دھوکہ دے رہی تھی یا پھر اس نے سلیم سے متعلق کوئی رائے قائم کر لی تھی۔

اچانک ہی وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی سلیم کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور دال میں کچھ کالا تھا اور وہ شاید سلیم کو چیک کرنا چاہتا تھا۔

"نکلو یہاں سے۔"

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں چیختے ہوئے کہا اور اس نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کر لیا اس کے لیے فی الوقت مندر سے باہر جانا مشکل تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس شخص کو سلیم پر شک ہی نہ ہوا ہو اور وہ کسی کام سے یا پھر اندر کے حالات سے مطمئن ہو کر باہر

چلا گیا ہو۔

بات کچھ بھی رہی ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے تعاقب میں باہر نکلنا ٹھیک نہیں۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے "کالکا دیوی" کی مورتی کے عقب میں موجود چھوٹے سے دروازے کا رخ کیا۔ یہ راستہ مندر سے ملحق "لنگر خانے" تک جاتا تھا۔ جہاں لوگ "سیوا" کرتے تھے اور رضاکارانہ طور پر دیوی کے "بھگتوں" کے لیے کھانا پکاتے تھے۔

یہ کام چونکہ رضاکارانہ تھا' اس لیے کوئی بھی یہاں خدمات انجام دے سکتا تھا اکثر لوگ اپنی دانست میں "پُن" (ثواب) حاصل کرنے کے لیے یہاں مختلف نوعیت کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

بڑے اعتماد سے قدم اٹھاتا وہ بھی لنگر خانے میں پہنچ گیا اور برتنوں کے ڈھیر کے نزدیک بیٹھ کر برتن دھونے لگا۔

○○○

اچانک ہی مندر کے بڑے ہال میں جیسے طوفان بدتمیزی گھس آیا

"بھجن کتھا" رک گئی تھی اور بھکشوں کی چیخ وپکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

کیا ہوا؟

کیا بات ہے؟

کیا مصیبت آگئی؟

لنگر خانے میں گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ قریباً تمام "سیوادار" جن کی تعداد دس گیارہ تھی اس دروازے کی طرف لپکے جو مندر کے اندر دیوی کی مورتی کے پہلو میں کھلتا تھا۔

ایک موٹی سی عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر اس نے عورت کے کندھے کے اوپر سے حالات کا جائزہ لیا تو اس کا دل ایک مرتبہ دھک سے رہ گیا۔

مندر کے مرکزی ہال کے تینوں دروازوں پر آرمی اور بی ایس ایف کے مسلح جوان

تھے۔ جب کہ بھارتی کمانڈوز اور بی ایس ایف کے کچھ جوان اندر ہی گھس آئے تھے اور انہوں نے دیوار کے ساتھ ساتھ اس طرح پوزیشنیں سنبھال لی تھیں کہ کوئی یہاں سے صاف کر باہر نہیں جا سکتا تھا۔

"خاموش!"

اچانک ایک زوردار آواز گونجی۔

"خاموش میری بات غور سے سنو کوئی شور نہیں مچائے گا۔ اس علاقے میں کچھ گھس بیٹھئے سرحد پار سے آگئے ہیں۔ ہم نے انہیں گرفتار کر لیا ہے ان کا ایک ساتھی اسی علاقے میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ آپ میں سے ہر کسی کو اپنی شناخت پیش کرنی ہے۔ آپ میں جس جس دیہات کے رہنے والے ہیں اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑے ہو جائیں۔ میرے جوان ہر ایک کو شناخت کریں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں مجھے افسوس ہے کہ میں نے "کتھا" میں خلل ڈالا۔ لیکن ملک کی سلامتی کے لیے یہ ناگزیر تھا۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ خطرناک شخص بچ کر جانے پائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی "سینا" (فوج) کے ساتھ تعاون کریں گے۔"

ہاتھ میں پکڑے ایمپلی فائر سے ایک فوجی افسر مندر میں موجود یاتریوں کو مخاطب کر رہا تھا۔

یہ کیپٹن اشونی کمار تھا۔

آرمی کے فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ نے اس مندر میں "وائیٹ فلاور" کی موجودگی کا شک ظاہر کیا تھا اور جیسے ہی کرنل بخش کو یہ پیغام ملا اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر مندر پر دھاوا بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور چند منٹ بعد ہی اشونی کمار کی کمانڈ میں فوجی یہاں گھس آئے تھے۔

ابھی اشونی کمار کا خطاب نامکمل ہی تھا جب سلیم الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے بغیر کسی گھبراہٹ کے فرار کے راستوں کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اسے قدرے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ یہاں سے فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

فی الوقت تمام لوگ مندر کے ہال کی طرف متوجہ تھے اور لنگر خانے سے اسی طرف جا رہے تھے تاکہ اپنی شناخت کروا سکیں۔ سلیم کو اور تو کچھ نہ سوجھی وہ لنگر خانے کے ایک کونے میں اسی چھوٹے سے کمرے میں جا گھسا جس میں اشیائے خورد و نوش گھی، چینی، چاول، اور دالوں کے ڈبے اور بوریاں دھری تھیں۔

اس نے بظاہر خود کو اس ڈھیر میں چھپا لیا تھا۔

لیکن!

وہ ابھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ باہر نکلا اس مرتبہ اس نے لنگر خانے سے ایک بڑی سی چھری اور چمٹا اٹھا لیا اب وہ ان دونوں ہتھیاروں کے ساتھ اس چھوٹے سے گودام میں دوبارہ جا گھسا۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ گودام کی دیوار تک پہنچ گیا۔ شاید یہاں کسی نے گذشتہ دس بارہ سال سے صفائی کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ سلیم نے جو بوریوں کے درمیان سانپ کی طرح رینگتا ہوا بالکل زمین سے پیشہ ور فوجیوں کی طرح چپک کر یہاں تک پہنچا تھا اپنا ہاتھ دیوار پر پھیر کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔

دیواریں تو دوہری اینٹ کی بنی ہوئی تھی لیکن اس کی خستہ حالی بتا رہی تھی کہ اگر سلیم کوشش کرتا تو شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا۔ یہ جگہ اتنی تنگ تھی کہ بمشکل دو بوریوں کے درمیان وہ پھنس کر اکڑوں قدموں پر بیٹھا ہوا تھا۔ یوں تو گودام کے باہر کھڑے ہو کر سرسری نظر ڈالنے سے وہ کسی کو دکھائی نہ دیتا۔

لیکن

اس کو تلاش کرنے والے بھی بڑے منظم اور تربیت یافتہ لوگ تھے۔ عین ممکن تھا کہ وہ بوریاں باہر نکال کر یہ کمرہ خالی ہی کر دیتے جس کے بعد وہ بچ کر کہیں نہ جا سکتا۔ یہی سوچتے ہوئے دوسرے ہی لمحے اس کے بازو حرکت میں آ گئے۔

اس نے بڑی سی اور مضبوط چھری کے ذریعے دو تین اینٹوں پر زور آزمائی کی بالآخر قسمت نے یاوری کی اور وہ ایک کمزور اینٹ تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

امتداد زمانہ کے ہاتھوں خستہ حالی کی تصویر بنی دو تین بھربھری اینٹیں اس نے ماہر نقب زن کی طرح بمشکل دو تین منٹ میں نکال کر دیوار میں نقب لگائی تھی۔ اور مزید تین چار منٹ کی تھکا دینے والی مشقت کے بعد بالآخر دیوار میں اتنا شگاف کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جس کے ذریعے رینگ کر باہر نکل سکتا۔

جب بھارتی فوج کے مستعد جوان بڑی سختی سے مندر کے بڑے ہال میں موجود ایک ایک یاتری کو چیک کر رہے تھے۔ "وائیٹ فلاور" مندر سے باہر نکل چکا تھا۔

دیوار سے ملحق جھاڑیوں میں کمر جھکا کر وہ دور تک چلتا چلا گیا۔ اس طرف دور دور تک کسی کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا بس کھیتوں کا ایک طویل سلسلہ جو حد نگاہ تک پھیلتا چلا گیا۔

شاید ان کھیتوں کو آج ہی پانی دیا گیا تھا کیونکہ اسے اپنے قدم من من کے بوجھل محسوس ہو رہے تھے۔ چکنی مٹی اس کے ننگے پاؤں سے ٹخنوں تک لپٹی چلی گئی تھی۔ اس کا جو تا تو مندر کے مین گیٹ پر ہی پڑا رہ گیا تھا۔

رات سے اب تک کی اعصاب شکن بھاگ دوڑ اور زندگی بچانے کی جدوجہد نے گو کہ اسے تھکا کر رکھ دیا تھا۔

لیکن

اس نے ایک لمحے کے لیے بھی کسی کمزور جذبے کو خود پر غالب نہیں آنے دیا تھا۔ وہ کمانڈو تھا۔

اسے زندگی سے چومکھی جنگ لڑنے کی تربیت دی گئی تھی۔

اس نے کسی بھی مشکل ترین صورتحال میں ہتھیار ڈالنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ بے بس پرندوں کی طرح بے موت مرنے کے بجائے آخری دم تک بہادروں کی طرح لڑتے ہوئے مرجانے کا قائل تھا۔

جو سچوایشن بڑے بڑے بہادروں پر موت کا خوف طاری کر دیا کرتی تھی۔ وہ ایسی صورتحال سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ زندگی اور موت کے اس کھیل کو اس نے ہمیشہ پیشہ

ور کھلاڑیوں کی طرح کھیلا تھا اور یہی اس کی کامیابی کا راز بھی تھا۔

کیپٹن اشونی کمار جب اپنے آدمیوں کے ساتھ لنگر خانے میں پہنچا تو وہاں کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کرنل بخش کی صحبت میں اتنا عرصہ گزارنے کے بعد وہ بہت کچھ سیکھ گیا تھا۔ جب اس کے جوان کسی کے وہاں نہ ہونے کی خبر دے رہے تھے تو اس نے انہیں لنگر خانے کے دونوں گودام اور کمرے خالی کرنے کا حکم دیا۔

اس عمل میں بمشکل چھ سات منٹ ہی صرف ہوئے تھے۔ جب ان لوگوں کو دیوار میں تازہ شگاف دکھائی دیا۔

اشونی کمار نے اپنا دایاں ہاتھ زور سے اپنے بائیں کندھے پر مار کر اپنا غصہ خود پر نکالنا چاہا یہ ان لوگوں کی بے وقوفی تھی کہ انہوں نے پچھلے پندرہ بیس منٹ سے لنگر خانے کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

وہ تو اچانک ہی اسے خیال آگیا کہ ادھر بھی نظر دوڑا لے ورنہ شاید اس کے ساتھی اس طرف جانے کا تکلف ہی نہ کرتے۔ اس میں ان کا کوئی قصور تھا بھی نہیں۔ کیونکہ لنگر خانے کا واحد دروازہ مین ہال میں کھلتا تھا اور اسی طرف سے یہاں آنے جانے والے کو بہر حال اس ہال سے گزرنا پڑتا تھا۔ روشندان اتنے اونچے تھے جہاں تک کھڑے ہو کر کسی کے ہاتھ لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شاید ان لوگوں نے یہ سوچا ہو گا کہ وہ اس مندر کے ہال میں لوگوں کو چیک کرنے کے بعد لنگر خانے کا جائزہ بھی لے لیں گے۔

"باہر نکلو اور اسے ڈھونڈو اگر وہ بچنے میں کامیاب ہوا تو یہ ہم سب کے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔ اوہ! مائی گاڈ میں کرنل صاحب کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ انہیں کیا بتاؤں گا کہ اس طرح ہاتھ میں آئے شکار کو ہم نے بھاگنے کا موقع دے دیا ہے۔ اوہ! مائی گاڈ"

اس نے بے بسی اور غصے کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

ایک مرتبہ پھر تمام جوان مندر سے باہر نکل رہے تھے۔ وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے تھے اور اندھیری کی طرح باہر جا رہے تھے۔

لیکن

ان کی واپسی اب اتنی آسان نہیں رہی تھی کیونکہ وہاں "کالکا دیوی" کے پجاریوں کا نامی گورو پہنچ چکا تھا۔ جب اسے "ماتا کے پجاریوں" نے روتے ہوئے بتایا کہ ان کے ... ینک (فوجی) جوتوں سمیت اندر جا گھسے ہیں اور انہوں نے "کالکا مائی" کی "بھجن ... " روک کر اس کے پجاریوں کی بے عزتی کی ہے ان کو اس طرح چیک کیا ہے جیسے وہ ... ی "ایش دروہی" (غدار) ہوں تو گورو جی کا پارہ بھی آسمان کو چھونے لگا۔

"کلجگ گھور کلجگ"

انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ترشول ہوا میں لہرایا اور اپنے پجاریوں کے جلو میں مندر ... دروازے کی طرف بڑھے۔

گورو مہاراج دروازے کے اندر داخل ہو رہے تھے اور کیپٹن اشونی کمار کے مناسب میں اس کے جوان باہر نکلنے کے لیے کوشاں تھے جب دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔

"کون ہے وہ پاپی جس نے "کالکا ماں" کی پوجا کو نشٹ کرنا چاہا"

گورو مہاراج نے اپنے چیلوں سے دریافت کیا۔

سب نے اشونی کمار کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ وہی ان فوجیوں کی کمانڈ کرتا اندر ... داخل ہوا تھا اور اسی نے دستی لاؤڈ سپیکر پر سب کو "فال ان" ہونے کا حکم دیا تھا!

○○○

"ناستک ناستک (گناہگار)"

گورو مہاراج نے اس کی آنکھوں کے سامنے ترشول لہراتے ہوئے کہا تو اشونی کمار گڑ ... ا رہ گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس غلطی کی اتنی زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

اس نے چاہا کہ جھک کر گورو مہاراج کے چرن چھو لے۔

لیکن!

غصے سے بپھرے گورو مہاراج اچانک اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے۔

"خبردار جو گورو مہاراج کے پوتر چرنوں کو اپنے ناپاک ہاتھوں سے چھوا"

گورو مہاراج کے پہلو میں کھڑے ان کے محافظ نے چیتاونی دی۔

"دیکھیے مہاراج میں بھی براہمن ہوں۔ لیکن اس وقت ہم ایک انتہائی خطرناک گھس پیٹھئے کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اگر آپ کی "سیوا بھنگ" (عبادت میں خلل) ہوئی ہے تو بھگوان کے لیے ہمیں شما (معاف) کر دیجئے۔ ہم نے ارادۃً ایسا نہیں کیا۔ ہم تو ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

اشونی کمار نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی۔

"پاپی ایک براہمن کی اولاد ہو کر تجھے مندر میں اس طرح داخل ہوتے شرم نہیں آئی۔"

گورو مہاراج نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

اشونی کمار نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا۔

لیکن!

اس کی ہر بات پر دوسری طرف سے زیادہ سخت رد عمل ہوتا۔ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ ابھی تک اس نے کرنل بخش کو یہاں ہونی والی کارروائی سے آگاہ نہیں کیا تھا کیونکہ وائرلیس اس کی جیپ میں نصب تھا جو باہر کھڑی تھی۔

صورت حال بگڑتی دیکھ کر اس نے اپنے جوانوں کو اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے اپنی آٹومیٹک بندوقیں مہاراج کے چیلوں کی طرف سیدھی کر لیں۔

"خبردار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو گولی مار دیں گے۔"

"بلیک کیٹ" نے انہیں للکارتے ہوئے کہا۔

گورو مہاراج سمیت اس کے چیلے چانٹے سہم کر ایک طرف ہٹ گئے اور اشونی کمار اپنے ساتھیوں سمیت ان کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا باہر آگیا۔

مندر سے کچھ فاصلہ پر اس کی جیپ کھڑی تھی جس کے ساتھ دو جوان ایک کتے کو سنبھالے کھڑے تھے۔

اپنی جیپ کی حفاظت کے لیے اس نے دو جوانوں کو وہیں چھوڑا اور باقی جوانوں کے

[illegible] پلکر کاٹ کر مندر کی پشت پر آگیا۔ مزید دس پندرہ منٹ ضائع کرنے کے بعد وہ لوگ [illegible] دیوار تک پہنچ گئے تھے جس میں "وائیٹ فلاور" نے نقب لگائی تھی۔

اشونی کمار نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مفرور اور ان کے درمیان قریباً پون گھنٹے کا فاصلہ ہے اور "سفید پھول" ایسے خطرناک اور چالاک ایجنٹ کو اگر اتنا وقفہ مل گیا ہے تو اب وہ کسی [illegible] پر بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔

وہ قدرے مایوس ہو چلا تھا۔

لیکن!

اس نے اپنے جوانوں پر مایوسی طاری نہیں ہونے دی تھی اور ان کا حوصلہ بڑھاتے [illegible] انہیں کیچڑ میں اتار دیا تھا۔ وہ خود سب سے آگے تھا۔ بمشکل چند قدم چلنے پر ہی [illegible] احساس ہو گیا کہ اس نے سب سے بڑی حماقت کر دی ہے اور کیچڑ میں بننے والے [illegible] فلاور" کے قدموں کے نشان نظرانداز کر دیے ہیں۔

اب ان کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ کیپٹن اشونی کمار اور اس کے دس [illegible] ساتھیوں کے قدموں کے نشانات میں سلیم کے قدموں کے نشانات گڈمڈ ہو کر ختم ہو [illegible] تھا۔

دل ہی دل میں اس نے تین چار گالیاں اپنے آپ کو دیں اور اپنے جوانوں کو [illegible] ہٹ میں ادھر ادھر بھگانا شروع کر دیا۔ جلد ہی اس کے جوانوں نے محسوس کر لیا تھا کہ [illegible] اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

سانپ نکل گیا تھا وہ صرف لکیر پیٹ رہے تھے۔

○○○

تقریباً دو میل کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد وہ اس قصبے سے ملحق گاؤں کے نزدیک [illegible] تھا۔ اس نے چند لمحوں کے لیے رک کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی اور خواہ مخواہ ہنس [illegible] اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی۔ جس پر خود اسے بھی ہنسی آنے لگی تھی۔

اس نے گردن موڑ کر اپنے تعاقب میں دیکھا دور دور تک اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی تک دشمن کو اس کے فرار کا علم نہیں ہوا۔

لیکن

جلد یا بدیر بہرحال وہ نقب زدہ دیوار کے نزدیک پہنچ جاتے جس کے بعد انہیں علم ہو جاتا سلیم جانتا تھا کہ ان لوگوں کے پاس اس کا تعاقب کرنے کے لیے فوج کی کئی پلٹنیں موجود ہیں۔ اور "را" نے یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ وہ اسی علاقے میں موجود ہے یہاں کے چپے چپے پر پہرہ بٹھا دیا ہو تا گا۔

لیکن

ابھی دشمن کو دینے کے لیے اس کے پاس اور بھی "سرپرائز" تھے۔

وہ کرنل بخش کو ایک اور "سرپرائز" دینے جا رہا تھا۔

اگلے دس منٹ بعد وہ گاؤں کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔ ان دیہاتوں میں اکثر وہ لوگ قیام پذیر تھے جن کی یہاں زمینیں تھیں۔ اور اس کا حلیہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ گاؤں کا چکر کاٹ کر اس نے قدرے ویران راستے سے اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ اسی سمت آنے والے مکانات کے دروازے بند تھے جس کا مطلب یہی تھا کہ یہاں کے مکین اپنے کھیتوں میں ہیں اور اپنے کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنے گھروں کو تالا نہیں لگا کرتے تھے کیونکہ یہاں چوری چکاری کا خطرہ نہیں تھا۔

یوں بھی ان بے چاروں کے پاس لٹانے کے لیے تھا ہی کیا؟

ایک ایسا ہی خالی مکان تاک کر اس نے بڑے اطمینان سے مکان کی چھوٹی سی دیوار پھلانگی اور اس کے کمرے میں گھس کر اندر سے کنڈی لگا لی۔

یہ کمرہ کثیر المقاصد دکھائی دے رہا تھا۔ ایک کونے میں اناج کا ڈھیر لگا تھا دوسری طرف تین چارپائیاں بچھی تھیں اور اسی کمرے کے ایک کونے میں دو تین لوہے کے ٹرنک دھرے تھے۔ سب سے اوپر والے ٹرنک کو تالا نہیں لگایا گیا تھا۔

سلیم نے ٹرنک کھولا اور اوپر دھرا ایک مردانہ کپڑوں کا جوڑا پہن لیا۔ اس نے اپنے

[illegible] اسی ٹرنک میں رکھ کر اپنی کمر سے بندھی بیلٹ سے کچھ کرنسی نوٹ نکالے اور [illegible] پیسے وہاں رکھ دیئے جن سے گھر والے اسی طرح کے تین چار نئے جوڑے سلوا سکتے تھے۔ اسے امید تھی کہ جب شام کو یہ کسان گھر واپس لوٹے گا تو اس چوری کو بھگوان کا انعام ہی سمجھے گا۔

وہیں ایک کونے میں دھری مقامی طرز کی جوتی پہن کر وہ دیوار پھلانگ کر دوبارہ باہر آیا۔ اب وہ بالکل مقامی دیہاتی دکھائی دے رہا تھا۔ جس نے اپنے سر پر گلابی رنگ کی [illegible] سی پگڑی بھی باندھ رکھی تھی۔

حیرت انگیز طور پر بھارتی انٹیلی جنس کی توقعات کے بالکل برعکس وہ واپس اسی قصبے میں لوٹ رہا تھا۔ جہاں "کالکا دیوی" کا میلہ لگا تھا۔ اس قصبے میں دوبارہ گھسنے کا کم از کم [illegible] اشونی کمار تو تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔

اگلے پندرہ بیس منٹ کی مسافت اسے واپس اسی جگہ لے آئی۔ یہاں کسی نے اس کی شکل پر نہ پہلے غور کیا تھا اور نہ اب کسی کو اس کی طرف دیکھنے کی مہلت تھی۔ وہ لوگ اپنے کام میں جتے تھے اور تن من اور دھن سے اس میلے کی رونقیں لوٹ رہے تھے۔

شام تک کا وقت اس نے یہیں گزارا۔

دور دراز کے دیہاتوں سے آنے والے یاتریوں کے لیے مندر کے نزدیک آشرم اور سرائے موجود تھے۔

رات اپنے سائے دنیا پور پر پھیلا رہی تھی اور "کالکا ماں" کے پجاری بھنگ اور گھٹیا شراب کے نشے میں دھت ان آشرم اور سرائے کا رخ کر رہے تھے جہاں رات بھر کے لیے انہیں ایک چارپائی محض دو تین روپے کرائے پر میسر آ سکتی تھی۔

سلیم نے بھی ایک ایسے ہی سرائے کا رخ کیا۔ اسے جس کمرے میں جگہ ملی اس میں پانچ چارپائیاں لگی تھیں۔ جن میں سے چار پر پہلے ہی سے دہلی کی ایک فیملی قابض تھی۔ ابھی تک اس نے میلے ہی سے کچھ الم غلم کھایا تھا۔

رات ہونے پر جب اسے قدرے محفوظ ہونے کا اطمینان ہوا تو اس پر دن بھر کی

مشقت کے بعد ہونے والی تھکن غالب آنے لگی۔

کمرے میں موجود لوگ شاید باہر گئے ہوئے تھے۔

سرائے کے ناظم نے کمرے کا دروازہ کھول کر اس کی چارپائی کی نشاندھی کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اسے کوئی شریف زادہ جان کر اس کو یہاں جگہ دے رہا ہے اور امید کی تھی کہ وہ اس کی توقعات پر پورا اترے گا۔ چونکہ اس کے منہ سے بھنگ یا شراب کے بھبھوکے نہیں اٹھ رہے تھے اس لیے سرائے کے ناظم کو اس کی شرافت پر یقین آگیا تھا۔

"ہاں جب باہر جانے لگو تو مجھے بتا دینا۔ میں کمرے کو تالا لگا دوں گا۔ خبردار کسی اور کو کمرے نہ گھسنے دینا۔"

اس نے جاتے جاتے سلیم کو نصیحت کی۔

ناظم سرائے کی روانگی کے بعد اس نے کمرے میں نظر دوڑائی۔ یہ کمرہ پہلی منزل پر واقع تھا اور یہاں موجودہ پندرہ بیس کمروں میں سے شاید واحد کمرہ تھا جہاں سے کوئی ہنگامہ آرائی کی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ وگرنہ تو یہاں کے تمام کمروں سے بھنگ اور دیسی شراب کے نشے میں دھت "کالکاماں" کے پجاریوں کے زوردار قہقہے، فحش فقرے اور زوردار گالیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

سونے سے پہلے وہ اپنے کمرے کے ساتھیوں کی ایک جھلک دیکھنا چاہتا تھا۔

نیند اور بھوک نے اس پر یک لخت غلبہ کیا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بازار سے کچھ خرید کر اور کمرے میں بیٹھ کر کھانے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن

ابھی وہ بمشکل اٹھ کر کھڑا ہی ہوا تھا جب اچانک دروازہ کھلا اور ایک قدرے ڈھلتی عمر کے مہذب سے لالہ جی اپنی موٹی سی پتنی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ان کے عقب میں ایک پندرہ سولہ سال کا نوجوان تھا اور آخر میں جس شکل پر اس کی نظر پڑی اس نے تو ایک لمحے کے لیے سلیم کو مبہوت ہی کر کے رکھ دیا۔

سدرشنا

"جے کالکا مائی کی۔"

اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر اپنی مقامی روایات کے مطابق نمسکار کیا۔

"جے کالکا مائی کی۔"

جواب میں لالہ جی اور ان کی پتنی نے کہا جب کہ ان کا صاحبزادہ اور سپتری نے صرف لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

"کون ہو تم اور یہاں؟"

لالہ جی کی پتنی نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"ارے بھاگیوان ہمارے جیسا انسان ہے۔ تمہیں معلوم نہیں اس کمرے میں ایک چارپائی خالی تھی۔ آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ذرا سانس تو لینے دو۔"

سلیم کے بجائے لالہ جی نے جواب دیا۔

"بیٹا برا مت ماننا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ سلیم کی طرف مخاطب ہوئے۔

خاصا شریف آدمی دکھائی دے رہا تھا۔

"میرے خیال سے ماتا جی نے کچھ غلط سوال نہیں کیا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی سلیم کی نظریں بدستور لالہ جی کے پہلو میں آن کھڑی ہوئی ان کی سپتری سے ٹکرا گئیں جو بڑی دلچسپی سے اس کے سراپے کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

لالہ جی نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا۔

نام میں کیا رکھا ہی مہاراج ماں باپ نے راج کمار نام رکھا تھا۔ لیکن ان کی موت کے بعد سے ایک دن بھی راج دربار میں بیٹھنا یا دیکھنا بلکہ نصیب نہیں ہوا۔ کہاں نیروبی اور کہاں بھارت بس یہ جانئے کہ راج گدی کے چکر نے ہی مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔

اس نے مستقبل کی منصوبہ بندی میں اس کنبے کی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے بات بڑھائی۔

"واہ بھئی، بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

لالہ جی نے بے اختیار کہا۔

ان کی سپتری نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"خیر چھوڑیے میرے خیال سے اب ہم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کر ہی لیں تو بہتر ہے۔"

"ہاں یہ زیادہ اچھی بات ہے۔"

اس مرتبہ لالہ جی کی سپتری کی آنکھوں نے اس پر فسوں پھونکا۔

"میرا نام سدرشنا ہے اس کا راہول۔

اس نے اپنا اور اپنے بھائی کا نام بتا دیا۔

"میں ہوں دوار کا داس اور یہ ہے میری پتنی جانکی دیوی۔"

لالہ جی نے اپنا اور اپنی پتنی کا تعارف کروایا۔

"ہم لوگ دہلی سے آئے ہیں۔ اور آپ؟"

اس مرتبہ پھر سدرشنا نے اسے مخاطب کیا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں پانچ منٹ میں وہ کام کر آؤں جو آپ کر کے آگئے ہیں

[illegible] کے بعد ہی میرا تعارف مکمل ہو گا۔ کیونکہ آپ کے ہر سوال کا جواب میں آپ کی [illegible] بہت آسانی سے نہیں دے سکتا ہوں۔"

اس نے بڑے مہذب لہجے میں کہا۔

وہ کچھ مہلت چاہتا تھا تاکہ ان لوگوں کو اس درمیان کوئی کور سٹوری سنا کر مطمئن کر [illegible] کوئی ایسی کہانی جس میں ذرا سا بھی جھول نہ آنے پائے۔

"خاصے پراسرار بھی لگتے ہیں آپ۔"

وہ جس کی آنکھوں میں ایک جہان کے اسرار سمائے تھے اس سے مخاطب ہوئی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے رات بھی اچھی کٹ جائے گی۔"

اس کے بجائے لالہ دوار کا داس نے کہا۔

اور سلیم وہاں سے باہر آگیا۔

بازار سے پھل خرید کر واپس آنے تک اس نے ذہن میں ایک شاندار کہانی انہیں [illegible] کے لیے تیار کر لی تھی۔ ایسی دو تین کہانیاں اسے ازبر تھیں جن کا استعمال وہ موقعہ [illegible] مناسبت سے کرتا رہتا تھا۔ چونکہ اسے دہلی میں کچھ روز قیام کرنا تھا اور اس درمیان [illegible] ایک "پناہ گاہ" بھی درکار تھی سو اس نے اس گھرانے کو اسی مقصد کے لیے تاکا تھا۔

قریباً دس منٹ بعد وہ اتنے زیادہ پھل فروٹ کے ساتھ واپس لوٹا تھا کہ اس سے [illegible] کسی شک میں مبتلا ہونا ان لوگوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ کیونکہ اپنے کپڑوں کے [illegible] اس نے خاصی امارت کا مظاہرہ کیا تھا۔

پھلوں کے لفافے اس نے جانکی دیوی کے سامنے رکھ دیے اور ان کی طرف رخ [illegible] کر مخاطب ہوا۔

"میرا جنم نیروبی میں ہوا۔ ایک امیر کبیر بھارتی کے ہاں جس کی ساری زندگی بھارت [illegible] باہر بسر ہوئی اور جو...."

اس نے "رام کتھا" شروع کی اور ان لوگوں کو بتایا کہ وہ نیروبی کے ایک امیر آدمی کا [illegible] ہے جس نے پہلی شادی اس کی ماں سے کی اور اسے یہیں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ جہاں

اس نے دوسری شادی کرلی لیکن اپنے بیٹے راج کمار کو اپنے ساتھ لے گیا اسے سال میں ایک مرتبہ اپنی ماں سے ملانے کے لیے وہ بھارت آیا کرتا تھا۔ گذشتہ دنوں اس کی ماں مر گئی جس کے بعد سے راج کمار کو اپنے باپ سے شدید نفرت ہو گئی۔ وہ اسے چھوڑ کر چند ماہ پہلے ہی اپنی ماں کے پاس آگیا تھا جو اب بہت بیمار رہنے لگی تھی۔ اس کی ماں ایک "دھار مکر عورت" تھی جس نے ساری زندگی اپنے پتی کے خلاف ایک لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا اور اسے ہمیشہ اپنے بھگوان کی طرح پوجتی آئی تھی۔

لیکن

راج کمار جانتا تھا کہ اس کا باپ جو ایک بڑے ہوٹل اور نائٹ کلب کا مالک ہے پرلے درجے کا عیاش آدمی ہے۔ اور اس نے کبھی اس کی ماں کو اپنی جوتی کی نوک پر بھی نہیں لکھا تھا نجانے اسے راجکمار سے اتنی محبت کیوں تھی۔

"میری ماں بہت عظیم عورت تھی ہر بھارتی ناری کی طرح ساری زندگی اس نے اپنے پتی سے جوتے بھی کھائے اور اس کی سیوا بھی کرتی رہی۔ میں جب بھی یہاں آتا تو وہ مجھے "کالکا دیوی" کی پوجا پر لایا کرتی تھی۔ ان کپڑوں میں....."

اس نے اپنے تن پر پہنے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے دیش سے بہت محبت ہے۔ شاید میری روح ہمیشہ یہیں رہی ہے۔ جب کہ میرا جسم نیروبی میں رہتا تھا۔ میں نے گریجوایشن کی اور وہاں سے آگیا۔ میرا باپ میرے جیسے تین اور بیٹوں کا باپ بھی ہے۔ لیکن اسے مجھ سے بہت محبت ہے پر مجھے نہیں۔ میں اس سے نفرت کرتا ہوں' اس پر تھوکتا ہوں' اس نے میری ماں کو زندہ درگور کیے رکھا اور بالآخر وہ تپ دق سے مر گئی۔ مجھے اس کی دولت سے گھن آتی ہے۔ میں یہاں آگیا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے میں نے اپنی ماں کو مرتے سمے (وقت) وچن دیا تھا کہ اب کبھی بھارت ماتا کی مٹی کو نہیں تیاگوں گا۔ اس مٹی میں میری ماں کے وجود کی راکھ سمائی ہے"

اس نے خاصی جذباتی فضا پیدا کر دی تھی۔

کمرے میں سناٹا طاری تھا۔

بھاگی دیوی نے تو باقاعدہ آنسو بہانے شروع کر دیے تھے۔

سلیم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کا چلایا تیر نشانے پر لگا ہے۔

"لیکن اس کہانی میں کامیڈی بھی ہے"

اچانک اس کے منہ سے نکلا اور سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میرے تمام کپڑے اور کچھ کام کی چیزیں میرے بیگ سمیت کل ہی چوری ہو گئی ہیں۔ پیسے البتہ محفوظ رہے۔ کیونکہ میں انہیں خود سے الگ نہیں کرتا"

ان کے چہروں پر پھیکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

سلیم کے بند ہونے پر انہوں نے پھل زہر مار کرنے شروع کر دیے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو اتنی دردناک کہانی سنا دی تھی جس کے بعد ان کے دلوں میں راجکمار کے لیے سوائے ہمدردی اور محبت کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

سدرشنا کی آنکھوں میں آنے والی نمی نے اس کی آنکھوں کی چمک دو چند کر دی تھی۔ اور ان کا حسن سہ چند ہو کر اب سلیم کے اندر ہی اندر اترتا چلا جا رہا تھا۔ اس دھان پان سی سانولے رنگ کی لڑکی میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے سلیم کی روح پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔

سدرشنا کی طرف دیکھنے سے اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ساون بھادوں کے آغاز پر اپنے گاؤں میں لگے جامن کے درختوں کے نیچے کھڑا ہو اور بارش سے بھری ہوائیں جن کے ہمراہ میں جامن کے درختوں کی خوشبو بھی لپٹی ہوئی ہوں' اسے مسحور کرتی چلی جاتی ہوں۔ جانے کیوں اس کا جی چاہتا تھا کہ سدرشنا کو بہت دیر تک اس ہنگامے سے دور رات کی تاریکی اور سناٹے میں لے جا کر چاند کی روشنی کے نیچے کھڑا کر دے اور اس کے چاندنی میں اس کے جامنی رنگ کے سراپے کو دیکھتا رہے۔

"ویری سیڈ"

سدرشنا نے اظہار ہمدردی کیا۔

"دھتوار"

اس نے کیلے کا چھلکا اتارتے ہوئے جواب دیا۔

اپنے سامنے رکھے پھلوں پر وہ ہاتھ صاف کر ہی رہے تھے جب اچانک باہر ایک طوفان بدتمیزی آیا۔

پہلے تو سلیم نے بھی یہی سمجھا تھا کہ یہ معمول کی بات ہے کیونکہ کالکا مائی کے اتسو (میلے) پر یہ لوگ بھنگ پیا کرتے تھے۔ جب کہ مقامی لوگ اپنے گھروں میں تیار کردہ شراب ہی اس میلے میں فروخت کرتے تھے۔ جس کا ذائقہ خاصی شہرت رکھتا تھا اور یہاں دور دور سے آنے والے یاتری اس کو مقدس شراب سمجھ کر پی لیا کرتے تھے۔

ہر سال اس میلے پر دنگا فساد ضرور ہوا کرتا تھا۔ اور شام کے بعد تو ساری رات نشے میں دھت یہ لوگ چیختے چلاتے رہتے تھے۔

لیکن

یہاں چیخنے چلانے کی نوعیت ذرا مختلف تھی۔

دو عورتیں مسلسل مدد کے لیے چیخ چلا رہی تھیں اور ان کی چیخوں کے ساتھ زوردار قہقہے اس طرح بلند ہو رہے تھے جیسے کوئی ان کی بے بسی کا مذاق اڑانے پر تل گیا ہو۔

عورتوں کی آہ و بکا اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ ان کا نوٹس لینا شاید سدرشنا کے لیے ناگزیر ہو چکا تھا۔ وہ بے اختیار باہر کو لپکی۔ اس کے تعاقب میں اسے باہر جانے سے روکنے کے لیے لالہ دوارکا داس اور ان کی پتنی بھی باہر نکلے۔

سلیم کو بھی بادل نخواستہ باہر آنا پڑا۔

"کیا بات ہے۔ کیوں تنگ کر رہے ہیں۔"

اس نے سدرشنا کی آواز سنی اور دیکھا کہ وہاں شراب کے نشے میں دھت چھ سات غنڈوں نے دو لڑکیوں کو قابو کر رکھا تھا۔ انہیں گھیرے میں لے کر وہ ان کے ساتھ سرعام فحش حرکات کر رہے تھے اور کسی کو ہمت نہیں پڑتی تھی کہ انہیں روک دے۔

دونوں لڑکیاں بھی کالکا مائی کی "بھگت" دکھائی دیتی تھیں۔ شاید یہ لوگ انہیں بہلا پھسلا کر یہاں تک لائے تھے اور اب ان سے غیر انسانی سلوک کر رہے تھے۔

"تو بھی آجا سندری۔ تجھے بھی تنگ کرلیں۔"

سدرشنا کو ایک غنڈے نے فحش سا اشارہ کیا اور دوسرا اس کی طرف لپکا۔ اس دوران وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اور سدرشنا کا حسن و شباب دیکھ کر ان سب کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

دونوں لڑکیوں نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور غنڈوں کو سدرشنا کی طرف متوجہ پا کر وہ اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئیں۔

اب انہوں نے سدرشنا کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا اور اس سے دست درازی کی کوشش کر رہے تھے۔ جیسے ہی پہلا غنڈہ اس کی طرف بڑھا سلیم نے دیکھا کہ سدرشنا نے بڑی مہارت سے اس کی ہنسلی کی ہڈی پر زوردار ضرب لگائی اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گر پڑا۔

"سالی ہنٹر والی بنتی ہے۔"

زمین پر گرے غنڈے نے تلملا کر اسے گالی دی اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چاقو آگیا۔ ایسے چاقو یہاں کے غنڈے اکثر استعمال کرتے تھے۔ جو ایک بٹن دبانے پر کھلتے تھے۔

سدرشنا کے والدین کی حالت بگڑنے لگی تھی اور اس کا بھائی جب اپنی بہن کی مدد کو لپکا تو ایک غنڈے نے اتنی زور سے اس کے پیٹ میں لات ماری کہ وہ سیدھا دیوار سے جا ٹکرایا۔

سلیم کو اپنی تربیت کے مطابق یہاں سے چپ چاپ کھسک جانا چاہیے تھا کیونکہ ایسے ہنگاموں والی جگہ پر اس کی موجودگی اس کے لیے بے پناہ مسائل پیدا کر سکتی تھی۔

لیکن!

آج نجانے کیوں اس کی غیرت نے ایک لڑکی کو اتنے غنڈوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا گوارا نہیں کیا اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سدرشنا مارشل آرٹس سے آشنائی رکھتی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی عام قسم کی لڑکی نہیں ہے!!

اس نے راہول کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور لالہ دوارکا داس کو اپنی پتنی کو سنبھالے

رکھنے کا کہہ کر خود بھی اس جنگ میں کود گیا۔

سب سے پہلے چاقو بردار اس کی طرف لپکا تھا۔

لیکن

اس کے ساتھی آدھی جنگ تو اسی لمحے ہار گئے جب انہوں نے دیکھا کہ سلیم نے چاقو بردار کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس طرح ہوا میں اچھالا تھا کہ جب وہ زمین پر گرا تو اس کے بازو کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اور وہ ذبح کیے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے سدرشنا کی طرف بڑھتے غنڈے کی گردن پر ہاتھ جمایا اور وہ سیدھا دیوار سے جا ٹکرایا۔ مشکل سے چار پانچ منٹ کی لڑائی کے بعد ان میں سے کوئی غنڈہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہا تھا۔

آشرم کے سارے مکین ان کے پٹنے کا تماشا چھپ چھپ کر دیکھ رہے تھے۔ جب غنڈوں کو یقین آگیا کہ ان پر بلائے ناگہانی نازل ہو گئی ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح ہاتھ پاؤں کے بل گھسٹتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گئے۔

"ویل ڈن"

بے ساختہ سدرشنا کے منہ سے نکلا جس نے اس لڑائی میں اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

"وہاں نیروبی میں میرے پاس اور تو کوئی "آؤٹ لٹ" (Outlet) تھا نہیں۔ بچپن ہی سے یہ کچھ سیکھتا آرہا ہوں۔ میں نے تو مارشل آرٹس کو مشغلہ بنایا تھا لیکن بھارت آکر سمجھ آئی ہے کہ اس کے اور بھی بہت سے فائدے ہوتے ہیں"

اس نے سدرشنا سے ہنستے ہوئے کہا۔

"بیٹا تم نے تو کمال کر دیا۔ یار تم تو واقعی بڑے کام کے آدمی نکلے"

لالہ دوارکا داس نے تعریفی کلمات ادا کیے۔

"مہاراج' تعریف تو مس سدرشنا کی کیجئے جو ایک عورت ہونے کے باوجود غنڈوں سے ٹکرا گئی۔ مجھ سے بہتر تو مارشل آرٹس وہ جانتی ہیں"

اس نے سدرشنا کی طرف توصیفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے حال ہی میں پولیس سروس جوائن کی ہے۔ ابھی زیر تربیت ہوں لیکن آپ لوگ مانیئے اگر آج آپ نہ ہوتے تو نجانے ہمارے ساتھ کیا قیامت بیت جاتی"

سدرشنا نے احسان مندی سے آنکھیں جھکائیں۔

"بیٹا تمہارا بہت دھنواد"

جانکی دیوی نے کہا۔

"تھینک یو سر!"

اس مرتبہ راہول کی باری تھی۔

"آپ سب تو مجھے شرمندہ کرنے پر تل گئے ہیں۔ اگر میں کسی قابل ہوتا تو میرا بیگ ہی کیوں چوری ہوتا۔ اور ہاں شریمتی جی! میں پولیس والوں سے بہت ڈرتا ہوں خاص طور سے اپنے ہاں کی پولیس سے جس کے نزدیک گدھا گھوڑا ایک برابر ہے۔ اس لیے ان سے آپ ہی نمٹیئے گا"

اس نے پولیس کی آمد کے خطرے کو نظرانداز نہیں کیا تھا۔

"ارے ان سالوں کی ایسی کی تیسی اگر سارا تھانہ "سسپنڈ" (Suspend) نہ کروا دوں تو ریٹائرڈ ڈی ایس پی نہ کہنا کوئی بھڑوا سمجھنا' الو کے پٹھے' اب یہاں کیا کرنے آئیں گے۔۔"

لالہ دوارکا داس نے یہ کہتے ہوئے اپنا تعارف بھی کروا دیا تھا جس سے ایک مرتبہ تو سلیم کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

لیکن!

دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔

اس نے سوچا یقیناً اس میں ہی قدرت کی کوئی مصلحت ہو گی کہ اس کا پہلا تعارف ہی اس مرتبہ ایک "پولیس فیملی" سے ہوا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر گیا تو آدھی جنگ جیت جائے گا۔ کیونکہ ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی کے گھر کی طرف شکی نظروں سے دیکھنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو گی۔

"ٹھیک ہے' چلے گا"۔

اس نے اپنے آپ سے کہا پھر لالہ جی سے مخاطب ہوا۔

"چلنے پھرتو معاملہ فٹ بیٹھے گا۔ شاید یہ لوگ آپ کی زبان اچھی طرح سمجھ جائیں۔ ورنہ راجستھان کی پولیس سے تو یمراج (موت کا فرشتہ) بھی پناہ مانگتا ہو گا"۔

اس کی بات ابھی نامکمل ہی تھی کہ سامنے کی سیڑھیوں سے ایک انسپکٹر پولیس جس کا پیٹ اس کے سارے جسم پر حاوی تھا برآمد ہوا۔ اس کے تعاقب میں تین سپاہی اور ایک حوالدار بھی اوپر آگئے تھے۔

"تم لوگ بیٹھو میں ذرا ان حرام خوروں کا دماغ درست کرتا ہوں"۔

لالہ دوارکا داس یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔

سلیم کے لیے تو یوں بھی باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لالہ جی کے تعاقب میں جب ان کی صاحبزادی نے بھی باہر جانا چاہا تو سلیم بھی بظاہر غیرت کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

لیکن

سدرشنا نے اسے دوبارہ بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔

"آپ ان کے منہ کیوں لگتے ہیں"۔

اس کے مخاطب کرنے کا انداز ہی سلیم کو کھا گیا۔ جس اپنائیت سے اس نے یہ بات کہی تھی اس کے بعد تو سلیم کے لیے اس کے تصور سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔

کمرے کے باہر لالہ دوارکا داس اور ان کی صاحبزادی کی پولیس والوں کو ڈانٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سلیم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی سپتری کا تعلق عام پولیس سے نہیں ہے' ضرور وہ انٹیلی جنس سروسز سے متعلق تھی۔

وہ جانتا تھا کہ "سی بی آئی" اور "را" میں بڑی تعداد میں لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ان میں وہ لڑکیاں بھی شامل تھیں جنہیں خصوصی تربیت دے کر ملک سے باہر دوسرے ممالک میں بھیجا جاتا تھا اور ان ہی میں وہ لڑکیاں بھی موجود ہیں جو "تخریب کاری" کی

خصوصی تربیت حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں داخل کر دی جاتی ہیں جہاں کئی غداران کے لیے بانہیں پھیلائے موجود ہوتے تھے

○○○

سلیم کبھی کبھی یہ سوچ کر لرز کر رہ جاتا کہ غداروں کے لیے جتنی مردم خیز زمین "را" کو پاکستان میں میسر ہے' شاید دنیا کے کسی ملک میں میسر نہیں تھی۔

وہ جانتا تھا کہ پاکستانی عوام تو ملک کی بقا اور سالمیت کے لیے کسی بھی لمحے کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔

لیکن

اسے اس تلخ حقیقت کا بھی شدت سے ادراک تھا کہ پاکستان کے "خواص" اپنے معمولی اور گھٹیا مفادات کے لیے ملکی سلامتی کو داؤ پر لگانے کے لیے ہر لمحہ تیار رہتے تھے...!!

بس امید کی ایک کرن تھی جو اس کا حوصلہ بڑھائے رکھتی کہ ابھی تک ملک کی دفاعی افواج میں غداروں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی یا پھر اس ملک کے کروڑوں سیدھے سادے عوام تھے جن کا ایمان تھا کہ ان کا جینا مرنا پاکستان کے دم سے ہے۔ پاکستان کے لیے ہے۔

اور وہ جیتے جی اپنے ملک کو غیروں کے آگے گروی رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

سدرشنا کے غنڈوں سے ٹکرا جانے اور لڑنے کا انداز تو اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ انٹیلی جنس کی تربیت یافتہ ہے۔

لیکن

اس کا تعلق کس ایجنسی سے ہے؟

وہ انٹرنل (اندرونی) انٹیلی جنس سروسز سے متعلق ہے؟ یا بیرونی سروسز (ایکسٹرنل)

سے متعلق ہے؟

یہ سوالات ابھی جواب طلب تھے....!

ایک بات ضرور تھی کہ اگر ایک مرتبہ ان لوگوں کو اس بات کا اطمینان ہو جاتا کہ سلیم نے جو کہانی انہیں سنائی ہے وہ سچ ہے تو وہ ان کا اعتماد حاصل کر کے اپنے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر سکتا تھا....!

شاید پولیس والوں کو انہوں نے اپنی اہمیت جتلا کر "چالو" کر دیا تھا کیونکہ تھانیدار کا لہجہ بڑا معذرت خواہانہ تھا اور وہ اپنی بروقت آمد نہ ہونے کا سبب "کالکا مائی" کے میلے میں اپنی مصروفیات بتا رہا تھا۔ جب کہ ریٹائرڈ ڈی ایس پی لالہ دوارکا داس اور ان کی سپتری انسپکٹر سدرشنا پانڈے مسلسل اسے ڈانٹ پلا کر اس کی "کھچائی" کروانے کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے قریباً دس منٹ کی منت سماجت کے بعد پولیس والوں کی جان چھوٹی تھی اور پولیس انسپکٹر اپنے ماتحتوں کو نالائقی کے طعنے اور گالیاں دیتا ہوا واپس جا رہا تھا۔

"گدھے کا بچہ اب صفائیاں پیش کر رہا ہے۔ میں دہلی پہنچ لوں اس کی پیٹی نہ اتروا دی تو میرا نام بھی دوارکا داس نہیں۔"

لالہ جی کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔

"چھوڑیے انکل! آپ کس کس کی پیٹی اتروائیں گے یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ میں نے تو اب اس موضوع پر سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

سلیم نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔

"اور کیا! بھگوان جانے آپ کی یہ پولیس والی عادت کب جائے گی۔ ساری زندگی اس ڈیپارٹمنٹ میں گزارنے کے بعد بھی آپ کو علم نہیں ہوا کہ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوا کرتی۔ اور اب بیٹی کو بھی ادھر ہی جھونک دیا۔"

جانکی دیوی نے معمول کے مطابق لالہ جی کو سرزنش کر دی۔

"ایک تو تم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جس بات کی سمجھ نہ ہو اس میں ٹانگ ضرور

ہ ا ا گی"

لالہ جی بھی خاصا گرم تھے۔

دونوں کے درمیان تین چار طنزیہ جملوں کا تبادلہ ہو گیا۔ اس صورتحال سے سدرشنا اور راہول کے ساتھ ساتھ سلیم بھی قدرے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ الفاظ کی یہ جنگ شدت اختیار کرتی اچانک سدرشنا نے "سیزفائر" کروا دیا۔

"میرے خیال سے اس مسئلے پر ہم دہلی میں کافی دیر گفتگو کر سکتے ہیں۔ راجکمار جی کے سامنے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا اگر آپ اجازت دیں تو میں موضوع بدل دوں۔"

اس نے دونوں کے درمیان ریفری کی طرح کھڑے ہو کر کہا۔

"اپنے باپ کو سمجھاؤ' میں تو....."

ہاں ہاں میں تو پاگل ہوں۔"

لالہ جی نے اپنی مسز کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"مما نے یہ نہیں کہا۔ نہ ہی کسی اور نے یہ رائے قائم کی ہے۔"

راہول خاصا بگڑا ہوا لاڈلا بچہ لگتا تھا۔

"راہول۔ شٹ اپ' اب کوئی اس مسئلے پر نہیں بولے گا۔"

سدرشنا نے کمانڈر کے سے لہجے میں کہا اور واقعی سب نے اس کا حکم مان لیا۔ سلیم کے کہنے پر انہوں نے ایک دوسرے کے بجائے اس کے لائے ہوئے پھلوں پر غصہ اتارنا زیادہ مناسب جانا تھا اور اب فضا یکسر بدل گئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر ان کا مرکز گفتگو سلیم کی ذات بن چکی تھی۔ جس نے ٹسوے بہاتے ہوئے اپنے باپ سے مسلسل شدید نفرت اور ماں کے لیے بے پناہ مظلومیت کا احساس دلاتے ہوئے انہیں بتایا تھا کہ وہ اب واپس جانے والا نہیں اور جلد ہی دہلی میں کوئی بزنس کرنے کے لیے پر تول رہا ہے۔

اس کی یہ "اطلاع" لالہ جی اور ان کی پتنی کے لیے خاصی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ شاید لالہ جی بھی ریٹائرمنٹ کے بعد کوئی کاروبار کرنے کے لیے کوشاں تھے' مگر نالائق اولاد

یعنی اپنے پتر راہول پانڈے کی طرف سے مناسب تعاون نہ ملنے کے سبب ان کی دال نہیں گلی تھی۔ اب جو سلیم نے ان کی دکھتی رگ کو چھیڑا تو لالہ جی کی دلچسپی اس میں پہلے سے دوچند ہو گئی۔

"ارے واہ بیٹا۔ کیا عقلمندی کی بات کی ہے تم نے۔ واقعی اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ ان نوکریوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھ لو۔"

"اپنی مثال تو آپ نہ ہی دیجئے۔ وہ اپنی کالونی میں دیکھا ہے آپ نے ریٹائرڈ انسپکٹر کی بیوی اور بچوں کو' دہلی ہی میں پانچ کوٹھیاں بنالی ہیں انہوں نے۔ اور ایک یہ ہیں ڈی ایس پی صاحب ساری زندگی تنخواہوں پر گزار دی۔ حالانکہ دہلی میں دس سال سے زیادہ سروس ہے ان کی۔ ارے جس پولیس کے سپاہی نے بھی دہلی میں دس سال نوکری کی ہے دس کوٹھیاں اس نے بنالی ہیں اپنی۔ وہ تو بھگوان بھلا کرے میرے سورگیہ پتا جی کا جنہوں نے پیچھے پڑ کر آپ سے سر ڈھانپنے کے لیے ایک چھوٹا سا بنگلہ بنوالیا ورنہ تو کرائے کے مکانوں ہی میں دھکے کھا رہے ہوتے۔"

جانکی دیوی ایک مرتبہ پھر کودنے کے لیے پر تول رہی تھیں.....!

لیکن

دو تین فقروں کے تبادلے کے بعد انہیں شاید خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے موضوع بدل دیا۔

○○○

رات دیر گئے تک لالہ جی اس سے باتیں کرتے رہے۔ کبھی کبھی سدرشنا بھی اس گفتگو میں شامل ہو جاتی۔ سلیم نے اس درمیان مستقبل کی بہت سی سکیورٹیز حاصل کر لی تھیں۔ اس نے انہیں باور کروا دیا تھا کہ وہ ہندو دھرم کی الف بے بھی نہیں جانتا نہ ہی وہ کوئی دھارمک آدمی ہے۔ اس کے باپ نے اس کی تعلیم و تربیت خالص مغربی اور سیکولر انداز میں کی ہے۔ یہ تو اس کی ماں تھی جس نے اسے دھرم کی الف بے سے آگاہ کیا.....!

اس کی ماں کا سارا خاندان شاید "کالکا دیوی" کا بہت ماننے والا تھا اور اس کی ماں کی ...ائش تھی کہ جس طرح وہ اپنی زندگی میں راج کمار کو اپنے ساتھ "کالکا ماں" کے اتسو پر ...بایا کرتی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے.....!

"میں تو اپنی ماتا جی کے حکم کی پالنا کر رہا ہوں۔ شما کیجئے میرا دھرم میں زیادہ "وشواش" (یقین) نہیں۔"

اس نے کن اکھیوں سے سدرشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سب سے زیادہ راہول اور سدرشنا کو ہی اس کی اس اطلاع سے خوشی ہوئی تھی۔

"ارے یار۔ ہم بھی۔ بس اب جانے دو۔ پھر تمہاری آنٹی کو جوش آ گیا تو نئی مصیبت کھڑی کر دے گی۔ میرا بھی کوئی دماغ خراب نہیں جو دہلی سے اس کوٹھری میں ذلیل ...نے آتا۔ وہاں پوجنے کے لیے تھوڑے دیوی دیوتا نہیں پڑے۔ یہ تو ہماری مسز ہیں جن کے دماغ پر کوئی نہ کوئی بھوت سوار رہتا ہے۔ ہر سال ان کو خواب میں کوئی نہ کوئی دیوی اپنے ہاں بلا لیتی ہے۔ اس سال کالکا دیوی نے شریمتی جی کو طلب فرمایا تھا اور ہمیں ان کے ساتھ آنا ہی پڑا ہے"

لالہ جی نے یہ بات قدرے سرگوشی کے انداز میں کہی تھی کیونکہ ان کی پتنی سو گئی تھیں اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ جاگ کر نیا طوفان کھڑا کر دیں۔

"پپا! اب انہیں آرام بھی کرنے دیں۔ باقی باتیں صبح کر لیں"

شاید راہول کو سلیم کی حالت پر رحم آ گیا تھا جس نے باقاعدہ اونگھنا شروع کر دیا تھا۔

"ارے ہاں یار معاف کرنا بھئی۔ اچھا گڈ بائی' گڈ نائیٹ صبح ملتے ہیں"

لالہ دوار کا داس جس کے نزدیک راج کمار نامی معزز شخصیت بن چکا تھا' نے کہا اور سلیم نے اس پیشکش پر خدا کا شکر ادا کیا۔

صبح تک وہ لمبی تان کر سوتا رہا.....!

ساری رات خواب میں بھارتی فوج اور اس کے کتے سلیم کا تعاقب کرتے رہے اور وہ ...ہیں قدم قدم پر ڈاج دیتا رہا۔

○○○

صبح اس کی آنکھ کھلی تو روشن دان سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ فروری کی صبح کی دھوپ کی ساری ملائمت سدرشنا پر اتر آئی تھی۔ اس کی چارپائی ایسے زاویے پر بچھی تھی جہاں سے سورج کی کرنیں روشندان سے داخل ہوتے ہی اس کے وجود سے لپٹ گئی تھیں۔

سدرشنا نے اپنے جسم پر لپٹا کمبل اتار کر اپنے قدموں کی طرف رکھا ہوا تھا اور اس کا سانولا سراپا سورج کی ابتدائی کرنوں سے لپٹ کر روپہلا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی نرماہٹ اور سکون سے یوں لگتا تھا جیسے سورج دیوتا نے اپنی کسی داسی کو کچھ دنوں کے لیے زمین پر اتار دیا ہو۔

اپنی چارپائی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا سلیم بہت دیر تک اس کے سراپے میں کھویا رہا۔ شاید اس کی نظروں کی تپش یا پھر روح کی گہرائیوں سے سدرشنا کے دل پر ہونے والی دستک نے ہی سدرشنا کو بیدار کر دیا تھا۔

"رام۔ رام"

جیسے ہی اس کی نظریں سلیم سے ٹکرائیں اس نے کہہ دیا۔

"رام رام"

اس نے سارناتھ کے مندروں کی داسیوں کی طرح لیٹے لیٹے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پھر اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔

سورج کی کرنیں ابھی تک اس کے بدن سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔

"بہت دیر ہو گئی شاید۔ مما اور پپا تو مندر چلے گئے ہوں گے"

اس نے سلیم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں بھی ابھی بیدار ہوا ہوں۔ حیرت ہے مجھے کبھی اتنی گہری نیند نہیں آئی۔"

اس نے سدرشنا کی آنکھوں میں جہاں ہلکے ہلکے گلابی رنگ کے ڈورے تیر رہے تھے

اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو اٹھے گا نہیں جب تک اس کے سرہانے بہت دیر تک ڈھول نہ بجایا جائے"۔

سدرشنا نے راہول کی طرف اشارہ کیا جو اوندھے منہ گہری نیند سو رہا تھا۔

"سونے دیجئے۔ شاید بہت تھک گیا ہے"

سلیم نے کہا۔

"ہاں میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔ بیڈ ٹی لیتے ہیں ناں آپ"

سدرشنا نے اتنی اپنائیت سے کہا کہ وہ کٹ کر رہ گیا۔

"لیتا ہوں لیکن اچھا نہیں لگتا کہ آپ جائیں آپ بیٹھیں میں جاتا ہوں"

سلیم نے انکساری سے کہا۔

"ارے نہیں صاحب ایسے ہی موقعوں پر تو عقل مند لوگ "لیڈیز فسٹ" کہا کرتے ہیں"

سدرشنا نے اٹھ کر انگڑائی لی تو سلیم کو اپنے بدن میں اچانک سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ یہ سرسراہٹ جیسے اس کے رگ و پے میں اتر گئی تھی۔

سدرشنا اپنی جسمانی حالت سے یا تو بالکل لاتعلق دکھائی دے رہی تھی یا پھر اسے احساس ہی نہیں ہو پایا تھا کہ اس کی معصومیت نے "راج کمار جی" کے خون کا خمیر ہی بدل دیا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی"

سلیم نے بمشکل اپنی نظروں اور دل کی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا۔

"او کے"

سدرشنا نے گنگناتے ہوئے اپنا جوتا پہنا اور باہر نکل گئی۔ اس کی واپسی مشکل سے چار پانچ منٹ بعد ہی ہو گئی تھی۔ وہ شاید آشرم کے لنگر خانے سے چائے کے دو کپ بنوا کر لے آئی تھی...!

"چائے حاضر ہے راج کمار جی"

اس نے اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے ایک کپ اس کی طرف بڑھادیا اور اس کے سامنے اپنے باپ کی خالی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"ان حالات میں تو آپ کا واقعی بہت زیادہ شکر گزار ہونا چاہیے۔"

سلیم نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"چلیئے آپ کہتے ہیں تو مان لیا۔"

شاید اس نے سلیم کے اندر ہونے والی ہل چل کو محسوس کر لیا تھا اور اب اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

سلیم کے لیے کوئی بات کرنا فی الحال بہت مشکل تھا۔

اس کی زندگی میں آج تک درجنوں لڑکیاں آئیں اور چلی گئی تھیں۔

لیکن

راجستھان کے اس آشرم میں بیٹھی یہ جامنی رنگ والی لڑکی اس کی مردانگی کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔ اسے یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ یہاں سے ہزاروں میل دور سارناتھ کے گھنے جنگلوں میں کسی صدیوں پرانے مندر میں موجود ہے۔ اور یہ لڑکی جو اس کے سامنے بیٹھی ہے کوئی "وش کنیا" ہے جو ابھی اپنا سارا زہر اس کے جسم میں انڈیل دے گی یا پھر اس کے بدن سے سارا امرت نکال لے گی۔

شاید یہ اس کی زندگی کے کمزور ترین لمحات تھے جن میں سدرشنا کے حسن و شباب کی گرفت اس پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے سلیم کی روح کو سمندری آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا تھا۔ اور وہ سحر زدہ معمول کی طرح اس کے سامنے بیٹھا ایک ایک گھونٹ چائے اپنے حلق میں یوں انڈیل رہا تھا جیسے کسی دیوداسی کے ہاتھوں ملا "امرت جل" پی رہا ہو...!

"کیا محسوس کر رہے ہیں آپ؟"

اچانک ہی اسے اپنے کانوں میں سریلی گھنٹیوں کے بجنے کی آواز سنائی دی۔

"جی"

اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے لیے اپنی نظروں کو سدرشنا کے سراپے سے ہٹانا اس صورت ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

"میں اپنا سوال دھراؤں راج کمار جی؟"

سدرشنا نے اس کی جانب جھک کر شوخ سے لہجے میں کہا اور اس کے بدن کے خطوط میں بدن میں چنگاریاں دوڑا گئے۔

لین

دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔

اسے اپنی بزدلی پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ کبھی اتنا کمزور نہیں تھا۔ اس لڑکی نے جانے کون سا بنگال کا جادو پھونک دیا تھا جس نے سلیم کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی تھی۔

"سنا ہے پولیس والے تو دور اندر تک جھانک لیا کرتے ہیں۔ آپ سے کوئی اپنے جذبات کیسے چھپا سکتا ہے؟"

اس نے فی البدیہہ کہہ دیا۔

اب سدرشنا کے شرمانے کی باری تھی۔ اس کے دونوں گالوں پر جامنی رنگت سرخی میں بدل کر عجیب سا سحر انگیز تاثر پیدا کر رہی تھی۔

"آپ تو شاعری بھی کر لیتے ہیں؟"

سدرشنا نے سنبھل کر کہا۔

"نہیں۔ البتہ بعض لوگوں کی موجودگی بعض لوگوں کو شاعر بنا دیتی ہے"

سلیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا جہاں اسرار اور فسوں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"کس کو شاعر بنا رہی ہو دیدی؟"

اچانک ہی سدرشنا کی پشت پر راہول کی آواز سنائی دی۔ بیدار ہونے پر کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اٹھ گئے مہاشے جی۔ ابھی تو بارہ نہیں بجے؟"

سدرشنا نے اس طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا جیسے راہول نے اچانک اس کی چوری پکڑلی ہو۔

کچھ ایسی ہی حالت سلیم کی بھی ہو رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا حلیہ بدل آؤں۔"

اس نے اچانک کھڑے ہو کر کہا۔

"صرف اپنا یا.....؟"

راہول نے اس طرح اچانک اٹھ کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا کہ سلیم مخواہ شرما کر رہ گیا۔ سدرشنا بھی کچھ کنفیوز سی ہو رہی تھی۔

"نہیں اس گدھے کو بھی آدمی بنالائیے۔"

اس نے اپنی خفت مٹانے کو کہا۔

"ارے دیوی۔ تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے گدھا آدمی نہیں بن سکتا۔ آدمی گدھا بن سکتا ہے۔"

راہول اپنی بہن سے خاصا فری دکھائی دیتا تھا۔

"آپ لوگ آدمی اور گدھے کے فلسفے پر بحث کیجئے۔ امید ہے میری واپسی تک کوئی نتیجہ نکل آئے گا۔"

سلیم یہ کہہ کر اس کا جواب سننے سے پہلے باہر نکل گیا۔

○○○

اس کی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی اور وہ خود کو کچھ شرمندہ شرمندہ سا محسوس کر رہا تھا۔ باہر آکر اس نے مندر کی راہ لی جس کے گرداگرد مختلف سٹال سجے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں لدھیانہ اور دہلی کے ریڈی میڈ گارمنٹس کی دو تین دکانیں دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں.....!!

اس نے اپنے لیے ان دکانوں سے ایک خوبصورت سفری بیگ، کپڑے، شیو

کا سامان، ٹوتھ برش وغیرہ خریدے اور سیدھا آشرم میں آگیا۔

آشرم کے نہانے والے "سقاوے" خالی پڑے تھے۔

قریباً پندرہ بیس منٹ بعد جب وہ دوبارہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو بالکل بدلا ہوا انسان نظر آرہا تھا۔

لالہ دوارکا داس اور ان کی پتنی کالکا پوجا سے واپس آچکے تھے۔

اس درمیان سدرشنا نے بھی اپنا منہ دھولیا تھا۔ البتہ راہول جوں کا توں موجود تھا۔

"ونڈر فل۔"

اس کے سراپے پر نظریں دوڑاتے ہوئے سدرشنا نے کہا۔

"تھینک یو میم۔"

سلیم نے بالکل مغربی انداز میں جواب دیا اور سب مسکرا کر رہ گئے۔

اس کی شخصیت میں واقعی کوئی ایسی بات تھی جس سے اس کے مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد راہول نے "ناشتے" کی دھائی دینا شروع کر دی۔ سلیم بھی اب بھوک محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کے لیے یہ سب لوگ اٹھے باہر آئے تھے جہاں ایک "ڈھابے" (تنور نما ہوٹل) پر انہوں نے "بھیل پوری" کا ناشتہ کیا اور اب واپس اپنے کمرے میں لوٹ آئے تھے۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے بیٹا؟"

جانکی دیوی جس کے نزدیک سلیم واقعی اب سونے کی چڑیا بن چکا تھا۔ اس سے مخاطب ہو کر بولی۔

"میں اپنے کچھ کام نمٹا کر شاید دو تین روز بعد دہلی آؤں گا اس درمیان آپ بھی کچھ سوچ لیجئے۔ میں پرنٹنگ کا کام کچھ سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپ جو بھی پسند کریں۔ میرے لیے زندگی میں آپ لوگوں کی فیملی کا ایک ممبر بن جانے سے زیادہ خوش آئند بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب میرا ہے ہی کون؟ نہ ماں نہ باپ۔ ماں مرگئی باپ کو میں نے مار

ڈالا۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

ایسی اداکاری کا مظاہرہ وہ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ کر چکا تھا اور خاصا پختہ کار دکھائی دیتا تھا۔

اس نے راہول سمیت سب کی آنکھوں میں اپنے لیے بے پناہ ہمدردی کا رجحان موجزن دیکھ لیا تھا۔ سدرشنا کی آنکھیں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں...!

انہوں نے سلیم کو اپنا دہلی کا ایڈریس سمجھاتے ہوئے ایک کاغذ پر پورا نقشہ بنا دیا اور بار بار تاکید کی تھی کہ وہ ضرور ان کے ہاں آئے۔

دنیا پور سے گنیش گڑھ تک کا سفر انہوں نے اکٹھے ہی ایک ٹمپو کے ذریعے طے کیا تھا۔ اب تک سلیم نے ان کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہونے دیا تھا اور اپنے شاہ خرچ ہونے کا بار بار ثبوت دے رہا تھا۔

گنیش گڑھ کے بس سٹینڈ پر جیسے ہی ان کا ٹمپو کھڑا ہوا اس نے سرسری نظروں سے حالات کا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ ابھی تک یہاں سکیورٹی کے لوگ اس امید پر موجود تھے کہ شاید "وائیٹ فلاور" پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی گود میں آن گرے گا۔

ان پر کسی کے شک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

گنیش گڑھ سے ان سب نے اکٹھے گنگا نگر جانا تھا.....!!

اس مرتبہ سندرشنا نے اسے پہل نہیں کرنے دی تھی اور وہ خود اس سے پہلے سب کے لیے بس کے ٹکٹ کھڑکی سے خرید لائی تھی۔

"اگر آپ اس طرح خوش ہیں تو ایسے ہی سہی۔"

سلیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پانچوں بس میں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔

سلیم جانتا تھا کہ ابھی "را" نے ہمت نہیں ہاری ہو گی اور وہ اس کے انتظار میں

آنکھیں بچھائے اور دام پھیلائے بیٹھے ہوں گے۔

لیکن

قدرت نے ابتدا ہی میں اسے بڑا محفوظ "کور" فراہم کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر اس طرح اللہ کی مدد شامل حال رہی تو وہ سندرشنا کے سہارے شاید اپنے ٹارگٹ تک آسانی سے پہنچ جائے۔

راستے بھر وہ خوش گپیاں کرتے آئے تھے۔

یہ سفر بمشکل ڈیڑھ گھنٹے پر مشتمل تھا۔ لالہ دوارکا داس اور ان کی فیملی نے یہاں سے جدا ہو جانا تھا۔

انہوں نے گنگا نگر سے ابوہر اور ملوٹ کے راستے ایک پسنجر ٹرین کے ذریعے بٹھنڈہ تک جانا تھا۔

○○○

یہ ٹرین انہیں رات کو بٹھنڈہ پہنچاتی جہاں سے پھر "طوفان میل ایکسپریس" انہیں دہلی لے جاتی۔ سلیم اگر چاہتا تو دہلی تک کا سفر ان کے ساتھ ہی طے کر سکتا تھا۔

لیکن

یہاں ابھی اسے کچھ انتظامات کرنے تھے اور اپنے دیرینہ دوست پروہت کانشی رام سے ملاقات کے بغیر وہ آگے نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے جو کہانی سدرشنا کے گھر والوں کو سنائی تھی اسے حقیقت کا روپ دینے کے لیے ضروری تھا کہ وہ انکوائری کی صورت میں مکمل بندوبست کر کے آگے جائے۔

انہیں عموماً جو "کور سٹوری" دی جاتی تھی اس کے مطابق حالات اور واقعات بھی پیدا کیے جاتے تھے تاکہ "کاؤنٹر چیک" پر ایجنٹ کے خلاف کوئی شک نہ پیدا ہو جائے۔

دوپہر کا کھانا انہوں نے گنگا نگر میں کھایا۔ اس کا بل بھی بڑی پھرتی سے سدرشنا نے ادا کر دیا تھا۔

لیکن

ٹکٹ اس نے خود خریدے تھے کیونکہ ایسا کرنا اس کے لیے ناگزیر تھا۔ بظاہر تو اسے چار ٹکٹ خریدنے تھے مگر اس نے پانچ ٹکٹ خریدے تھے کیونکہ ایک ٹکٹ اس کے لیے تھا اسے یہاں سے ابوہر تک جانا تھا اور وہ اسی ٹرین سے جانا چاہتا تھا.....!!

لالہ جی اور ان کا پریوار ٹرین میں سوار ہو چکے تھے.....!!

کھڑکی کی طرف سدرشنا بیٹھی تھی اور وہ کھڑکی سے لگا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سدرشنا کچھ اداس سی دکھائی دے رہی تھی۔ شاید وہ سلیم کی توقعات سے بڑھ کر جذباتی ہو گئی تھی۔ خود اس کا بھی یہی عالم تھا۔

لیکن

اس کے لیے فی الوقت اپنے مشن سے زیادہ مقدس اور کوئی فریضہ نہیں تھا۔ ایک انسان ہونے کے ناتے وہ کسی بھی بشری کمزوری سے مبرا نہیں تھا۔ لیکن اس نے اپنے جذبات کو اپنے فرائض پر کبھی غالب نہیں آنے دیا تھا۔ وہ کوئی ایسا دل پھینک نوجوان بھی نہیں تھا۔ بھارت میں پہلی مرتبہ نہیں آیا تھا۔ اس نے اس مخلوط معاشرے کی ہر برائی کو بہت نزدیک سے دیکھا تھا۔

لیکن

یہ عجیب بات تھی کہ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی لڑکی سے اتنا متاثر ہوا تھا۔ ضرور سدرشنا میں کچھ ایسی بات تھی جس نے اس میں دلچسپی لینے پر سلیم کو مجبور کر دیا تھا.....!!

اس نے اپنی زندگی میں اپنے حسن و سراپے سے اتنی بے نیازی اور کہیں نہیں دیکھی تھی۔ وہ جانتا تھا بھارت میں اتنی خوبصورت لڑکی اپنے لیے کیا کچھ حاصل کر سکتی ہے۔

لیکن

اس کی جہاندیدہ نظروں نے سدرشنا کے بہت دور اندر تک جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ اس پر مشرقیت کا ابھی تک خاصا غلبہ تھا۔ اور وہ عام "بھارتی ناریوں" سے الگ تھلگ دکھائی دیتی تھی۔

"ہماری صبح کی گفتگو ادھوری ہی رہ گئی۔"

اس نے اچانک ہی کہہ دیا۔

"راج کمار جی۔ کبھی کبھی بظاہر ادھوری بات بھی بہت مکمل بات ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے وہ گفتگو آپ کے نزدیک ادھوری ہی رہی ہو۔ لیکن میرے نزدیک مکمل تھی۔"

سدرشنا نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے کہا۔

"پھر بھی نجانے کیوں جی چاہتا ہے آپ سے باتیں کرتا رہوں۔"

سلیم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"وعدہ کیجئے آپ اپنی گفتگو مکمل کرنے کے لیے دہلی جلدی آئیں گے۔"

اچانک ہی سدرشنا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"وعدہ۔"

سلیم نے اس کا ہاتھ گرمجوشی اور دھڑکتے دل سے دبا دیا۔

سدرشنا نے اس کے ہاتھ میں اس کے دل کی دھڑکن کو محسوس کر لیا تھا۔ گاڑی نے روانگی کا وسل دیا اور وہ سب کو نمستے کہہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

پلیٹ فارم پر خاصی بھیڑ تھی، لیکن جب تک وہ دکھائی دیتا رہا سدرشنا اس کی طرف ہاتھ ہلاتی رہی۔

جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی۔ برق رفتاری سے سلیم ٹرین کی طرف لپکا اور دوسرے ہی لمحے وہ رفتار پکڑتی ٹرین کے ایک ڈبے تک رسائی حاصل کر چکا تھا.....!

عین ان لمحات میں جب کیپٹن اشوٹی کمار اور اس کے ساتھی آخری داؤ لگانے کے لیے گنگا نگر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف آ رہے تھے وہ پسنجر ٹرین کے ایک ڈبے میں بیٹھا ابوہر کی طرف عازم سفر تھا۔

○○○

انوکھا ملاپ

اتوار کا دن کانتا پرشاد کو کبھی پسند نہیں آیا تھا...!

اس روز وہ لوگ بھی مندر میں چلے آتے تھے جو پورا ہفتہ مندر کے نزدیک سے گزرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کانتا پرشاد یہ ضرور چاہتا تھا کہ مندر میں رونق لگی رہے۔ یہی تو ایک صورت تھی جس سے اس کا ظاہری دھندہ چلتا رہتا۔ لیکن اتوار کو اسے صبح کے بعد جسم شام کو بھی رات گئے دیر تک مندر میں آنے والوں سے نمٹنا پڑتا تو وہ چڑ جاتا تھا۔ اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہی تھی کہ شام کے بعد سے اگلی صبح تک کوئی اس کے کاروبار حیات میں مخل نہ ہو۔

ایک تو اسے اٹھنا ہی صبح بہت جلدی ہوتا تھا کیونکہ وہ اس مندر کا پروہت تھا اتوار کو جب وہ رات دیر گئے سوتا اور صبح اٹھتا تو سب سے پہلے دیوی ماں اور اس کے پجاریوں کی شان میں لمبا قصیدہ الاپتا جس کے بعد ہی وہ مندر میں آیا کرتا تھا۔

کانتا پرشاد کو یہ "پروھتی" اپنے باپ سے اور اس کے باپ کو اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ اب تو وہ اس کا ایک طرح سے مالک بن کر رہ گیا تھا۔ اس کا دادا کیسا آدمی تھا اس کا علم اسے نہیں تھا کیونکہ کانتا پرشاد کی پیدائش سے پہلے ہی وہ مر گیا تھا۔

لیکن

اس کا باپ خدا کی پناہ۔ وہ تو یمراج تھا یمراج...!

کانتا پرشاد نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو اسے عیش و نشاط میں ڈوبے پایا۔ اس کی ماں کو دن میں ایک آدھ مرتبہ کسی نہ کسی بہانے مارنا اس کے باپ کا وطیرہ بن چکا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے وہ اپنی داشتہ بدل لیا کرتا تھا۔

جن راجپوتوں کا یہ خاندانی مندر تھا وہ بگڑے ہوئے رئیس زادے تھے!

اپنے علاقے کی بہو بیٹیوں کو وہ اپنی وراثت خیال کرتے تھے۔ ان کے لیے اپنے کسی زارع یا نوکر کی بہن' بیوی یا بیٹی کی آبرو ریزی معمول کی بات تھی۔ یہ بڑے طاقتور اور سیاسی اثر و رسوخ کے مالک راجپوت تھے۔

سرکاری دربار میں ان کی خوب چلتی تھی۔

مقامی تھانے کی تو حیثیت ہی کیا تھی۔ علاقے کے بڑے بڑے پولیس آفیسر انہیں سلام کرنے آیا کرتے تھے کیونکہ ان لوگوں کے تبادلے کروانا اور تبادلے نہ ہونے دینا دونوں ہی کام راجپوت آسانی سے کروالیا کرتے تھے۔ پولیس والے قدم قدم پر ان کے محتاج تھے۔ محکمانہ انکوائریوں میں بے گناہ کو گناہگار اور گناہگار کو بے گناہ ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

لیکن

ان راجپوتوں کو شاید اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان کی منکوحہ بیویوں سے کچھ ایسے بچے بھی ہیں جن کا حقیقی باپ دراصل کانتا پرشاد کا باپ تھا۔

کانتا پرشاد کے باپ کو اس خاندان میں روحانی سربراہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے شادی غمی کے موقعوں پر وہی ان کی نمائندگی کرتا تھا۔ آئے روز کسی نہ کسی بہانے اس کا آنا جانا حویلی میں لگا رہتا تھا اور اپنے بدمعاش خاوندوں کی عیاشیوں سے دلبرداشتہ راجپوتانیاں اس کا بہترین شکار ہوا کرتی تھیں۔

"پنڈت جی مہاراج" کے پاس اپنے دکھڑے بیان کرتے کرتے وہ اس کے شیطانی

شکنجے میں یوں جکڑی جاتی تھیں کہ پھران کے لیے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی۔!

پنڈت کانتا پرشاد نے اپنے سورگیہ پتا جی کی روایات کا بھرم کبھی نہیں ٹوٹنے دیا تھا۔ اس کے پاس ایک پنڈت زادہ ہونے کے ناتے جنسیات کا خفیہ علم بھی موجود تھا۔ اور اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے ایسے ایسے نسخے اس کے پاس موجود تھے جن کو بروئے کار لا کر وہ اپنے خاوندوں کی محبت کو ترسی ہوئی ان بیاہتا عورتوں کو اپنا گرویدہ بنالیا کرتا تھا۔

محبت کی متلاشی کوئی بھی عورت ایک مرتبہ اگر اس کی محبت میں آجاتی تو بار بار آنے کی خواہش کرتی تھی۔

وہ شیطان تھا۔

لیکن

پنڈت کے لبادے میں چھپے اس شیطان کو یہاں کے مکین آج بھی دیوتا کے سمان جانتے تھے' اس مندر کی تعمیر کو سو سال ہونے کو آئے تھے اور سو سال سے ہی کانتا پرشاد کا خاندان نسل در نسل یہاں کا پروہت چلا آرہا تھا۔

رات کے قریباً گیارہ بج رہے تھے جب وہ "بھگتوں" سے نمٹ کر اپنے کمرے میں آرام کرنے آیا تھا۔ گذشتہ ہفتے ہی اس کے حلقہ ارادت میں شیلا کماری داخل ہوئی تھی۔ جس کا آوارہ مزاج خاوند جس نے گذشتہ تین سال میں بمشکل تین راتیں اس کے ساتھ گزاری تھیں۔ اسے اولاد نہ ہونے پر طلاق کی دھمکیاں دیتا تھا اور وہ "اولاد جننے" کے لیے پنڈت کانتا پرشاد کے پاس آئی تھی۔

کانتا پرشاد نے حسب معمول پہلے تو اسے اناپ شناپ قسم کے "جاپ" بتائے پھر ایک روز اس کی ایک "خلیفہ" جسے سیکرٹری کی حیثیت بھی حاصل تھی نے شیلا دیوی سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اسے اپنی بیاہتا زندگی عزیز ہے تو وہ پنڈت جی مہاراج کے ساتھ کچھ راتیں گزارے۔ جس کے بعد کم از کم اولاد کے مسئلے سے بے نیاز ہو جائے گی۔ ورنہ اس کا عیاش خاوند اس بہانے اسے طلاق دے دے گا۔ دوسری صورت میں کم از کم اس

سے پاس گالیاں دینے کا یہ جواز تو باقی نہیں رہے گا۔

شیلا دیوی نے اس کی تجویز ماننے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگائی تھی لیکن پنڈت جی کی سیکرٹری نے منصوبے کے مطابق اب "پنڈت جی" کو بھی راضی کرنا تھا جس کی قیمت اس نے شیلا دیوی سے سونے کی دو چوڑیوں کی شکل میں وصول کی تھی۔ جب کہ پنڈت جس سے اپنی آبرو ریزی کے لیے اسے ان کے چرنوں میں اپنی حیثیت کے مطابق "نذر" رکھنی تھی نے اُلگ "دکھشا" وصول کی۔

آج کانتا پرشاد اپنی نئی داشتہ شیلا دیوی کے ساتھ رات گزارنے جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے آج مندر میں دیر تک رہنے والے بھگت بہت برے لگ رہے تھے!

شیلا دیوی بہت پہلے سے اس کے کمرے میں پہنچا دی گئی تھی اور پنڈت جی کے تمام "سیوا داروں" کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ ان کی "بھگتی" (عبادت) کو "بھنگ" (ختم) نہ کیا جائے اور کسی کو بھی صبح ہونے سے پہلے ان کے کمرے کے نزدیک نہ پھٹکنے دیا جائے۔ کیونکہ پنڈت جی آج "سوی واچن" کر رہے ہیں اور اس "جاپ" میں وہ کسی کی مداخلت برداشت نہیں کر پائیں گے۔ اگر کسی نے ان کی بھگتی بھنگ کرنے کی کوشش کی تو دیوی ماں کا شراپ اس پر پڑ جائے گا!

سیوا دار مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے اور پنڈت جی مہاراج بے چاری اولاد کی متلاشی اپنی سیوک (باندی) کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں مصروف تھے۔ جب اچانک کسی نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا....!

آج مدت کے بعد پنڈت جی کو اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے ایسا شاندار جسم میسر آیا تھا۔ اس دستک نے ان کا بھیجا گرم کر دیا۔ ان کا جی چاہا کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے کی بوٹیاں نوچ لیں۔

اس ارادے سے اٹھ کر انہوں نے انتہائی طیش کے عالم میں گالیاں بکتے ہوئے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا جب کہ شیلا دیوی اپنے کپڑے سنبھالتی ان کے اشارے پر ملحقہ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ جو ایسے ہی خطرناک مواقعے کے لیے پنڈت جی کے سوا گیہ پتا جی نے

تعمیر کروایا ہوا تھا۔ اس کمرے میں بڑے خوبصورت سونے کے زیورات سے مرصع دیوی رکھی ہوئی تھی۔ جہاں پجاری رات بھر بیٹھ کر "رام رام" کیا کرتے تھے اور بڑے قسمت والوں ہی کو یہاں پوجا کی اجازت دی جاتی تھی!!

کانتا پرشاد نے گالیاں بکتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

لیکن!

جیسے ہی اس کی نظر نووارد پر پڑی اس کی زبان گنگ ہو گئی!

"ارے راجکمار جی آپ"۔

بڑی مشکل سے اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

○○○

اس کے سامنے سلیم کھڑا تھا جو ابھی پیسنجر ٹرین سے اتر کر سیدھا ادھر آگیا تھا۔

"پنڈت یار برا مت ماننا مجھے علم ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ لیکن میں مجبور تھا گاڑی سالی بہت لیٹ ہو گئی اور تم جانتے ہو کہ تمہیں ملے بغیر میں آگے نہیں جا سکتا۔ بے فکر رہنا اس مرتبہ تمہارے لیے ایسا مال لایا ہوں کہ طبیعت خوش ہو جائے گی۔ تم اپنا دھندہ جاری رکھو۔ میں ساتھ والے کمرے میں آرام کرتا ہوں۔ صبح جب "پوجا" سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے جگا دینا"

یہ کہہ کر سلیم نے آگے بڑھنا چاہا۔

لیکن

پنڈت اس سونے کی چڑیا کو ایک لمحہ کے لیے بھی ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

"راج کمار ایک منٹ اندر تو آؤ"

اس نے قریباً زبردستی ہی راج کمار کو بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا۔

"آجا سالی۔ باہر آجا اپنے گورو جی آئے ہیں"

اس نے دوسرے کمرے میں چھپی شیلا دیوی کو مخاطب کیا جس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنی ساڑھی باندھی تھی اور خوف سے جس کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا۔

اگر وہ اتنے بڑے گھرانے کی بہو تھی۔ بھگوان نہ کرے اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو کیا کیا قیامت آجاتی۔

پنڈت جی کی آواز سن کر اس کے حواس قدرے بحال ہو گئے اور وہ سر جھکائے باہر آئی۔

"اری چرن چھوان کے دیکھ کیا رہی ہے؟"

اس نے راجکمار جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور

سلیم کے "ناں ناں" کرتے وہ اس کے پاؤں اور گھٹنوں کو چھونے لگی۔ اسے پنڈت کی ان حرکتوں سے وحشت ہوا کرتی تھی اور اب بھی وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ وہ دوسرے کمرے میں آرام کرے۔ جب کہ پنڈت اس "تازہ مال" سے اسے حصہ ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے دو تین مرتبہ زبردستی کوشش کی تھی کہ سلیم کو شیلا دیوی کے پاس کمرے میں بند کر جائے۔

لیکن

سلیم کی ضد کے سامنے بالآخر بادل نخواستہ اسے ہتھیار پھینکنے پڑے اور وہ دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

پنڈت کانتا پرشاد زیادہ جوش و خروش سے اپنے پہلے والے کام میں جت گیا۔

"سالی تو بڑی بھاگیوان ہے۔ پہلے روز آئی ہے اور آج ہی ہمارے "گورو جی" بھی اتنی مدت میں آگئے۔ تیرے من کی اچھیا (خواہش) ضرور پوری ہو گی"

اس نے درندوں کی طرح شیلا دیوی پر جھپٹتے ہوئے کہا۔

شیلا دیوی بے چاری اسے ہی اپنے "دھرم" کا حصہ مان کر اس کی ہوس کی آگ بجھاتی رہی۔ صبح مندر میں "کتھا" شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے پنڈت جی نے اسے اشنان

کرنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ "پوتر" (پاک) ہو کر مندر میں آگئی تھی جہاں پنڈت کانتا پرشاد دیوی کی مورتی کے سامنے لوبان سلگانے آنے والے بھگتوں کے ماتھے پر تلک لگاتا ہوا بڑے من سے دیوی کی پوجا میں مصروف تھا۔

اس کی طرف دیکھ کر کسی کو اس کی شیطانیت پر یقین نہیں آسکتا تھا۔

اپنے دو سیوادار اور سیکرٹری کو اس نے سلیم کی سیوا کے لیے وہاں چھوڑ دیا تھا۔ لوگ سلیم کو بطور "راجکمار جی" جانتے تھے اور ان کے نزدیک وہ تھا بھی کسی ریاست کا راجکمار کیونکہ اس نے کبھی کوئی نیچ حرکت نہیں کی تھی۔ ہر دفعہ جب وہ یہاں آتا تو واپسی پر ان لوگوں کو بڑے انعام دے کر جایا کرتا تھا۔

مندر میں بھجن کتھا جاری تھا۔

مندر سے منسلک پنڈت کانتا پرشاد کے قلعہ نما گھر کے مہمان خانے میں سلیم گہری نیند سو رہا تھا۔

صبح وہ جلدی بیدار ہو گیا!

اسے بیدار ہوتے دیکھ کر سیوادار اس کی طرف لپکے اور تھوڑی دیر بعد وہ پنڈت جی کے ذاتی باتھ روم میں اشنان کرنے کے بعد "بھوجن" کی تیاری کر رہا تھا۔

سلیم نے رات گیارہ بارہ بجے تک کا وقت ضائع نہیں کیا تھا۔

ٹرین تو اسے معمول کے مطابق 9 بجے ہی ابوہر پہنچا گئی تھی۔

لیکن

اسے ہمیشہ کی طرح کانتا پرشاد کے پاس جانے سے پہلے کچھ "ہوم ورک" کرنا پڑتا تھا۔

اس کے "ماسٹرز" نے بڑی کامیابی سے یہاں جاسوسی کا مکمل "نیٹ" بنایا ہوا تھا۔ ٹرین سے اتر کر وہ سیدھا سائیکل رکشا لے کر وسن سنگھ کے ڈیرے پر پہنچا تھا۔

وسن سنگھ یہاں کا مانا ہوا اسمگلر تھا۔

سرحد کے آر پار اس کا دھندہ ہمیشہ کامیابی سے جاری رہتا تھا۔

لیکن

وسن سنگھ کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ اس کے ڈیرے کا استعمال [illegible] "سیف ہاؤس" کی حیثیت سے بھی ہو رہا ہے۔ سلیم سے اس کا تعارف سرحد پار اس کے بزنس پارٹنر نے کروایا تھا اور کہا تھا کہ وہ جب بھی اس کے پاس آئے جس [illegible] کی بھی مدد اسے درکار ہو' وسن سنگھ اس کی مدد کا پابند ہے۔

وسن سنگھ نے جی جان سے اپنے بزنس پارٹنر کا کہا مانا تھا۔ سلیم سے یہ اس کی پانچویں [illegible] ملاقات تھی۔ وہ دو تین مہینے میں ایک دو مرتبہ ہی اس سے ملنے آیا کرتا تھا۔

اس نے کبھی وسن سنگھ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا تھا۔ وہ جب بھی آتا اس سے پاؤ ڈیڑھ [illegible] لے کر اپنی راہ لیتا۔ اپنے دھندے کے اصول کے مطابق وسن سنگھ نے کبھی اس [illegible] نہیں کی تھی۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی تھی کہ سلیم اس کا مہمان [illegible]

لیکن

سلیم نے کبھی ایک دو گھنٹے سے زیادہ وہاں قیام نہیں کیا تھا۔ آج بھی وسن سنگھ سے [illegible] ملاقات ہونے پر اس نے صرف چائے کا ایک کپ اور تھوڑی سی برفی کھائی تھی۔ اور اس [illegible] افیون لے کر اپنی راہ ناپی۔ وسن سنگھ نے اپنا ڈرائیور اور گاڑی ساتھ کرنا چاہی تو اس [illegible] حسب سابق اس کی پیش کش شکریہ کے ساتھ واپس لوٹا دی۔ اس کے اڈے سے [illegible] باہر نکل آیا جب تک اسے یقین نہ ہو گیا کہ وسن سنگھ کا کوئی ساتھی اس کا تعاقب [illegible] کر رہا وہ پیدل چلتا رہا پھر ایک سائیکل رکشا لے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

کانتا پرشاد سے اس کا تعلق قریباً دو برس پر محیط تھا!

ایک حادثاتی ملاقات میں وہ کانتا پرشاد سے ٹکرایا اور اسے اپنا گرویدہ کر لیا۔ بظاہر وہ [illegible] ہر ملاقات پر قریباً آدھ کلو افیون بطور تحفہ دے دیا کرتا تھا۔

لیکن

وہ جانتا تھا کہ اس افیون سے کانتا پرشاد نے الٹے سیدھے نسخے بنا کر ہزاروں اور [illegible] روپے تک کما لیا ہے۔ اس نے بڑے بڑے راجپوتوں کو اپنے باپ دادا کی طرح اپنا

مستقل گاہک بنا رکھا تھا اور اپنے کچھ خاندانی نسخوں کی مدد سے افیون کی طاقت کئی گنا کرانہیں ایسی چاٹ پر لگائے رکھتا تھا کہ وہ ساری زندگی اس کے محتاج رہیں۔

اپنی جنسی اور شیطانی طاقت بڑھانے کے لیے بھی کانتا پرشاد افیم کھاتا تھا۔ اور اس اس کمزوری کو سلیم نے اپنا ہتھیار بنا رکھا تھا۔

پہلے پہل تو اس نے کانتا پرشاد کو یہ تحفہ مفت ہی دیا تھا۔

لیکن

اس کے بضد ہونے پر اس سے کچھ پیسے لینے لگا تھا۔ کانتا پرشاد اسی افیم کو اپنے سیدھے محلول میں ملا کر اس سے قریباً ایک لاکھ روپیہ کمالیا کرتا تھا۔ اسے بیس پچیس ہزار سلیم کو دینا کیا مہنگا سودا تھا؟

اس کا خیال تھا کہ اس طرح سے سونے کی مرغی بھی اس کے قابو میں رہے گی۔ سلیم نے بھی کبھی تعرض نہیں کیا تھا اور اس رقم کو اپنے دوست کی طرف سے تحفہ جان کر قبول کر لیا کرتا تھا۔ اس نے کانتا پرشاد سے اپنا تعارف ایک ہندو جات کی حیثیت ہی سے کروایا تھا اور بتایا تھا کہ جس طرح وہ نسل در نسل پنڈتی کرتا آرہا ہے اسی طرح راجکمار بھی نسل در نسل سمگلنگ کے دھندے میں ملوث ہے۔

اس نے کانتا پرشاد کو بتایا تھا کہ اس کا باپ سرحد پر بی ایس ایف کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے میں مارا جا چکا ہے اور اب وہ اپنے باپ کے جانشین کی حیثیت سے یہ کام کر رہا ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ اس کی خاندانی روایات کے مطابق اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔

کانتا پرشاد کے نزدیک تو وہ ایک "دیوتا" کا روپ اختیار کر چکا تھا اسے اس بات سے کیا غرض کہ راجکمار کون تھا؟ کیا تھا؟

وہ تو اس بات پر حیران ہوا کرتا تھا کہ راجکمار اتنے خطرناک دھندے میں ملوث ہونے کے باوجود شراب اور شباب سے بھاگتا تھا۔

"پنڈت جی ہمارے بزرگوں نے کہا تھا کہ پرائی عورت، شراب اور جوا ہمارا سب سے

[illegible] ہے۔ ہمارے خاندان میں زیادہ موتیں پولیس مقابلے میں ہوتی ہیں اور حیرت کی [illegible] ہے کہ ہر مرنے والا ان میں سے کسی نہ کسی کمزوری کا شکار رہا۔ میرے قبیلے کے [illegible] اس مرد اس دھندے سے گذشتہ تیس چالیس سال سے وابستہ ہیں۔ اور ان کے اب [illegible] اندہ بچ جانے کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ان بیماریوں سے محفوظ ہیں۔"

اس نے ایک دن پنڈت کانتا پرشاد کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

اس نے بڑے نفسیاتی طریقے سے پنڈت کانتا پرشاد کو قابو کیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی [illegible] کے آغاز ہی میں کہہ دیا تھا کہ وہ سوائے اپنی ذات کے اور کوئی بات یا اپنا ٹھکانا کبھی [illegible] کو نہیں بتائے گا اور اس کی وجہ اس کے نزدیک یہ تھی کہ اپنے متعلق وہ زیادہ [illegible] زداری رکھنا چاہتا تھا۔

○○○

یہ سب باتیں پنڈت جی نے اپنے پرانے شاستروں میں پڑھی ہوئی تھیں اور وہ ان کی [illegible] کا بھی زبردست قائل تھا۔

لیکن

اس نے اپنی زندگی میں یہ پہلا نوجوان دیکھا تھا جو ان شاستروں میں لکھی ان گیان کی [illegible] پر عمل پیرا تھا۔ وہ تو اب کانتا پرشاد کے لیے بڑا ہی محترم بن چکا تھا۔

اب بھی وہ جلدی جلدی پوجا سے جان چھڑا کر اس کے پاس آگیا تھا۔

اس اثنا میں سلیم اشنان سے فارغ ہو کر تازہ دم ہو چکا تھا۔ جس کمرے میں اس نے [illegible] ارام کیا تھا۔ یہ کمرہ بطور خاص اس کے لیے مخصوص تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں شاید ہی [illegible] پنڈت کانتا پرشاد کے علاوہ کوئی اور یہاں جایا کرتا تھا۔ اس کمرے میں ایک اٹیچی کیس [illegible] اس کے لیے کچھ مقامی کپڑے تیار رہتے تھے۔ اب بھی اس نے یہاں سے ایک جوڑا [illegible] کر زیب تن کیا تھا۔

ڈھیلے سے پاجامے اور کرتے میں وہ بالکل مقامی ہندو دکھائی دے رہا تھا۔

پنڈت کانتا پرشاد نے اپنے لوگوں میں اس کا تعارف ایک مہمان گرو کے بیٹے کی حیثیت سے کروایا ہوا تھا۔ اور مندر کمیٹی سے متعلق لوگ اور یہاں سے کچھ راجپوت اسے کسی پیر کے بیٹے جیسا درجہ ہی دیا کرتے تھے۔

پنڈت جی کی سیوک اور سیکرٹری اوما دیوی اپنے تمام جسمانی خطوط بے شرمی کی حد تک نمایاں کرتے ہوئے اس کی سیوا میں جتی تھی۔

لیکن

اس بات کا اسے بھی علم تھا کہ راج کمار جی مہاراج کے لیے اس کی یہاں موجودگی بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ بہت گہری عورت تھی۔ عمر تو اس کی چالیس سے کچھ اوپر ہی تھی۔

لیکن

اس کے جسمانی خدوخال دیکھ کر کوئی بھی اس کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ اس کی جنسی کشش ہی تھی جس نے اسے گذشتہ دس سال سے پنڈت کانتا پرشاد سے جوڑ رکھا تھا۔ ورنہ تو وہ آئے روز اپنی داشتہ بدل لیا کرتا تھا۔

پنڈت کانتا پرشاد نے اس کے لیے بڑا پر تکلف ناشتہ منگوایا تھا۔ حالانکہ وہ ایک پنڈت ہونے کے ناتے کبھی کسی کے ساتھ کھانے یا ناشتے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن

یہاں اس نے تمام آداب بالائے طاق رکھ دیے تھے اور اپنے ہاتھ سے حلوہ پوری اس کی طرف بڑھا رہا تھا جب کہ کمرے کے باہر دونوں سیوادار کسی بھی اگلے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے سلیم کے اشارے پر مکمل تخلیہ کر لیا تھا۔ اور اب سلیم اس کے لیے اپنے بیگ سے وہ مخصوص تحفہ نکال رہا تھا جسے دیکھ کر پنڈت اس دیوتاؤں کی طرح پوجنے لگا تھا۔ جیسے ہی اس نے پلاسٹک کے لفافے میں رکھی اعلیٰ قسم کی قریباً آدھ کلو افیون اس کی طرف بڑھائی پنڈت کانتا پرشاد نے جوش جذبات سے بے قابو

ہو کر اس کا منہ چوم لیا!

اس کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ سلیم کے سامنے "ڈنڈوت" (سجدہ ریز ہونا) شروع کر دیتا اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے پہلو میں رکھی چھوٹی سی سیف کھولی اور وہاں دھرے نوٹوں کے بڑے بنڈل "ناں ناں" کرتے سلیم کو زبردستی تھما دیے۔ یہ کم و بیش پچاس ہزار روپے تھے۔

پچھلی مرتبہ بھی تم کچھ نہیں لے کر گئے تھے۔ میرے ساتھ ایسی زیادتی نہ کیا کرو۔ اس "آب حیات" کی قیمت تو لاکھوں میں ہے۔ میں بھلا اس کی کیا قیمت ادا کر سکتا ہوں"

یہ کہتے ہوئے اس نے ندیدے بچوں کی طرح افیون کے پیکٹ کو چوما اور اسی سیف میں بند کر دیا۔

دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ گپیں ہانکتے رہے۔ حسب روایت سلیم نے "اپنے خاندان" کے "بزرگوں کے کارنامے" سناتا رہا اور پنڈت کانتا پرشاد دم سادھے اس کی کہانیاں سنتا رہا۔

اس کے لیے ان کہانیوں میں دلچسپی کا بڑا مواد موجود تھا۔

"پنڈت جی ایک ضروری فون یاد آ گیا۔ لندن فون کرنا تھا"

اس نے اچانک ہی کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

پنڈت جانتا تھا کہ ساری دنیا میں اس شخص کے رابطے موجود ہیں اور وہ ہر ملاقات پر ایک آدھ فون کسی بھی غیر ملک میں ضرور کیا کرتا تھا۔

"ٹھیک ہے تم فون کرو۔ میں دوپہر کو تمہارے بھوجن کا بندوبست کروں"

یہ کہہ کر پنڈت جی باہر چلے گئے۔ انہیں دو تین ضروری کام کرنے تھے اور واقعی اس کے لیے بھوجن کا بندوبست بھی کرنا تھا۔

سلیم نے پنڈت جی کے کمرے میں رکھے فون سے مقامی ایکسچینج کے ذریعے پنڈت کانتا پرشاد کے نام پر لندن کے لیے کال بک کروا دی۔

پنڈت جی کوئی معمولی ہستی تو نہیں تھے بمشکل چار پانچ منٹ بعد ہی لائن مل گئی اس

نے دوسری طرف سے اگر وال سے بات کی اسے پنڈت جی کا فون نمبر دے کر جوابی
کے لیے کہا۔

اور فون بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف کوئی مسٹر اگر وال موجود تھے جنہوں
نے اس کا نام سنتے ہی خوشی کا نعرہ بلند کیا اور اس کی خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے
انہوں نے بتایا کہ سرحد کے پار اس سے متعلق تشویش ہو گئی تھی کیونکہ سرحد کے ا
طرف ہونے والے واقعات کی بازگشت دوسری طرف بھی گونج پیدا کرتی ہے۔

راجکمار نے اسے مختصر الفاظ میں اپنی خیریت سے آگاہ کرتے ہوئے کرنل صاحب
لیے پیغام چھوڑ دیا تھا کہ وہ "نیروبی والی کورسٹوری" کو مضبوط کر لیں۔

"بے فکر ہو جاؤ پیارے اگر اب تک تمہارا کچھ نہیں بگڑا تو آئندہ بھی بھگوان کی
سے کچھ نہیں ہو گا۔"

دوسری طرف بے تکلفی سے کہا گیا دوسری طرف سے بات کرنے والا اس کا ہی کو
ساتھی لگتا تھا۔

مزید کوئی گفتگو کیے بغیر اس نے رام رام" کہہ کر فون بند کر دیا اور مطمئن ہو کر
رہا۔

OOO

وہ جانتا تھا چند منٹ بعد اس کا پیغام سرحد کے دوسری طرف پہنچ جائے گا اور اب
لالہ دوار کا داس یا "را" کی طرف سے اس کی سنائی ہوئی کہانی کے متعلق تحقیقات شر
ہو گئی تو سب کچھ چڑھتے سورج کی طرح سچ ثابت ہو جائے گا اور اس پر شک کرنے
معمولی سی گنجائش بھی باقی نہیں بچے گی۔

پنڈت جی کی واپسی ٹھاکر دیا سنگھ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ٹھاکر جی سے اس کا تعارف
خاصا پرانا تھا وہ بھی پنڈت کانتا پرشاد کی طرح پرلے درجے کے عیاش اور بدکار آدمی تھے۔

اس کی اور پنڈت کی دوستی کی بنیاد تھی۔ ٹھاکر جی کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم
نہیں تھا کہ ان کی اپنی بہو بیٹیاں پنڈت کے خاندان کی ہوس کا شکار ایک مدت سے ہوتی
آ رہی ہیں۔

انہوں نے بڑی گرم جوشی سے سلیم سے مصافحہ کیا اور اس کے "ناں ناں" کرنے کے
باوجود زبردستی اسے اپنے ساتھ حویلی میں جانے پر آمادہ کر لیا۔

"ٹھاکر جی مہاراج سے میں نے پچھلی مرتبہ وعدہ کیا تھا کہ آپ جب بھی پدھاریں
ٹھاکر جی کے ہاں بھوجن کریں گے۔ اب مہاراج خود ہی چلے آئے ہیں۔"

پنڈت نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"میرا سوبھاگیا (خوش قسمتی) ہے کہ ٹھاکر جی نے مجھے اس قابل جانا۔"

اس نے انکساری سے کہا۔

سلیم جانتا تھا کہ کانتا پرشاد نے اس کا امیج ٹھاکر خاندان میں بڑا اونچا بنا رکھا ہے۔ اور وہ
لوگ اسے دیوتا کے سمان مانتے تھے اسے کسی بہت بڑے گورو کا بیٹا خیال کرتے تھے۔

ٹھاکر دیا سنگھ کی حویلی میں اس کا استقبال ایک وی آئی پی شخصیت کی طرح ہوا۔ ٹھاکر
صاحب حویلی کے بڑے ڈرائینگ روم میں جس کی دیواریں ان کے آباؤ اجداد کی بڑی بڑی
پینٹنگز سے بھری پڑی تھیں اسے بٹھایا گیا۔

پنڈت جی اس کے ساتھ ہی آئے تھے!

کمرے میں بطور خاص لوبان سلگائے گئے تھے۔۔۔۔۔ شاید اس کی "دھارمک
شدھیت" کے مدنظر یہ اہتمام کیا گیا تھا۔ ابھی اسے بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ سامنے کا
دروازہ کھلا اور ایک درمیانی عمر کی زیورات سے لدی پھندی عورت اندر آ گئی۔

"ٹھکرائن جی۔"

پنڈت کانتا پرشاد اسے دیکھتے ہی مبہوت ہو گیا۔

"رام رام پنڈت جی رام رام مہاراج۔"

ٹھاکرائن نے دونوں کو باری باری پرنام کیا اور جواب میں سلیم نے بھی اس کو پرام کیا

اور مودب ہو کر بیٹھ گیا۔

پنڈت نے اس سے متعلق نجانے کیا کیا کہانیاں سنا دی تھیں کہ یہ لوگ اس سے اتنے گرویدہ ہو رہے تھے۔ پھر اسے خود سے ہی اس سوال کا جواب بھی مل گیا۔ ٹھاکروں پنڈت کے دادا پردادا نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا وہ جو بھی کہتا ٹھاکر اسے مان لیتے زیورات سے لدی ہوئی ٹھاکرائن نے بڑے ادب سے اسے پرنام کیا اور اس کے نزدیک میں آکر بیٹھ گئی۔

OOO

سلیم اس کی طرف متوجہ ہی تھا جب اچانک ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ سب کی گردنیں اس کی طرف گھوم گئیں۔

"ارے اشونی بیٹا تم! بھئی یہ چاند کدھر سے نکل گیا"۔

ٹھاکر جی نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

سلیم نے بھی بے اختیار چونک کر اس طرف دیکھا۔ بھارتی فوج کے کیپٹن کی وردی میں ملبوس ایک نوجوان سے اس کی نظریں ٹکرائیں اور وہ دوبارہ ٹھاکرائن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بس انکل کچھ نہ پوچھیے دو دن سے مسلسل بھاگ رہا ہوں۔ اب ذرا جان چھڑا کر آیا ہوں"۔

اشونی کمار نے ٹھاکر دیا سنگھ کی طرف دیکھا اور ایک آرام دہ صوفے پر اس طرح ڈھیر ہو گیا جیسے کئی میل کا پیدل سفر طے کر کے آیا ہو۔

"کیا ہوا بھئی۔ خیریت تو ہے؟"

ٹھاکر اس سے یوں احترام سے بات کر رہا تھا جیسے وہ اس کے نزدیک کوئی اہم شخصیت ہو۔

"تین دن سے ایک تخریب کار کا پیچھا کر رہے ہیں سالا دو مرتبہ ہاتھوں میں آکر نکل

گیا۔ کرنل صاحب کو غصے سے زیادہ اس بات کا صدمہ ہے اور میں۔ مجھے تو انکل اب علم ہوا ہے کہ میں پرلے درجے کا گدھا ہوں۔ ڈیم اٹ"۔

اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"میرے خیال سے تم کافی وغیرہ پی کر نارمل ہو جاؤ پھر اس موضوع پر بات کرتے ہیں"۔

ٹھاکر صاحب کے لیے واقعی اس کی یہ حالت قدرے تشویشناک سی تھی۔

"ارے یہ ذات شریف کون ہیں؟"

اچانک ہی اشونی کمار کو اس کا خیال آگیا۔ شاید اس نے پہلی مرتبہ اس حویلی میں کسی اجنبی کو دیکھا تھا۔ پنڈت کانتا پرشاد البتہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا کیونکہ اس نے ٹھاکر صاحب کی طرف سے فراغت پاتے ہی سب سے پہلے پنڈت جی کو پرنام کیا تھا۔

"ارے ہاں ان کا پرچے تو میں کرانا ہی بھول گیا"۔

ٹھاکر دیا سنگھ نے چونک کر کہا۔

"یہ میرے گورو مہاراج کے پُتر ہیں"۔

ٹھاکر کے بجائے پنڈت کانتا پرشاد نے سلیم کا تعارف کروایا۔ شاید اس نے صورتحال کی نزاکت کا احساس کر لیا تھا اور وہ کیپٹن اشونی کمار کو پہلے سے جانتا تھا۔

"پھر تو یہ بڑی مہان ہستی ہیں۔ کیا شبھ نام ہے مہاراج کا"۔

اشونی کمار نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"درس (نوکر) کو راجکمار کہتے ہیں"۔

سلیم نے بالکل نارمل رہتے ہوئے کہا۔

"مہاراج جی یہ ہمارے جمائی (داماد) ہیں۔ کیپٹن اشونی کمار بیٹا چرن چھوؤ مہاراج کے"۔

اس مرتبہ ٹھاکرائن نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

اس کی بات ابھی نامکمل ہی تھی جب اشونی کمار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے جھک کر

سلیم کے چرن چھو لیے۔

اچانک ہی اس نے سلیم میں دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔

"مہاراج میرا ایک کام ہو جائے تو ساری زندگی آپ کے پاؤں دھو کر پیتا رہوں گا۔"

اشونی کمار نے اسے مخاطب کیا۔

"آپ حکم دیجئے۔ میرے بس میں جو بھی ہو گا کروں گا۔"

سلیم نے حیرت انگیز حد تک خود کو نارمل رکھا ہوا تھا۔ حالانکہ اسے ساری بات سمجھ آگئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جس "تخریب کار" کا ذکر ہو رہا ہے وہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ٹھاکر دیا سنگھ کا جمائی کیپٹن اشونی کمار "را" کی اس خصوصی سکیورٹی برانچ کا کوئی آفیسر ہے جس نے اس کی گرفتاری کا ذمہ اٹھا رکھا ہے۔

"بے چارہ۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"مہاراج میں ایسی باتوں پر وشواش (یقین) تو نہیں رکھتا' لیکن ایک براہمن ہونے کے ناتے وشواش رکھنا بھی پڑتا ہے"

"کپتان صاحب پہلے اپنے من کو صاف کیجئے۔ اگر تو آپ کا وشواش ہے تو کام ہو جائے گا۔ اور اگر کام ہی کروانے کے لیے وشواش رکھنا ہے تو ہم اسے وشواش گھات (دھوکا) کہیں گے۔ اس طرح آپ کو کبھی مراد نہیں ملے گی۔"

اس نے بڑے دھارمک لہجے میں اشونی کمار کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چلیئے وشواش ہی سمجھ لیجئے۔ میں گذشتہ تین دن سے ایک شکار کے پیچھے ہوں جو دو مرتبہ ہاتھ میں آکر نکل گیا۔ ہر دفعہ ایسے ہی ہوتا ہے۔ آخر کب وہ ہمارے جال میں پھنسے گا۔"

"کیا نام ہے اس کا؟"

اس نے اشونی کمار کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"آپ اس کا نام سفید پھول سمجھ لیں۔ میرا مطلب ہے "وائیٹ فلاور"۔

اشونی کمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا نام ہوا؟"

سلیم نے بظاہر حیرانگی سے دریافت کیا۔

"شما کیجئے مہاراج ہمارے نام ایسے ہی ہوتے ہیں" یہی ہے اس کا نام جو ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ افسوس مجھے اس کے اور کسی نام کا علم نہیں۔"

اشونی کمار نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ہوں ں ں"

سلیم نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے لمبی "ہوں" کی پھر اشونی کمار سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کاغذ پر یہ نام اپنا نام اپنی والدہ کا نام لکھ کر دے۔

ٹھاکر ائن کی منگوائی ہوئی کاپی اب اشونی کمار نے سنبھال لی تھی اور اس پر ہندی میں سارے نام لکھ کر اس نے کاپی سلیم کے حوالے کر دی۔

سلیم نے پنسل ہاتھ میں لے کر اس پر الٹے سیدھے اعداد لکھے پھر کچھ لکیریں کھینچیں اور آنکھیں بند کر کے مراقبے کی حالت میں چلا گیا۔

قریباً چار پانچ منٹ تک اس کا یہ اعصاب شکن ڈراما جاری رہا۔ اس درمیان اس نے مٹی کے ایک پیالے میں پانی بھی منگوا لیا تھا اور اب اس پیالے میں کچھ گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"کتنے عرصے سے آپ اس کا پیچھا کر رہے ہیں؟"

اس نے بالآخر زبان کھولی۔

"مہاراج تین دن سے۔"

اشونی کمار نے کہا۔

"جھوٹ میرے حساب سے تو آپ لوگ تین سال سے زیادہ عرصے سے اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

سلیم نے کہا اور اشونی کمار کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا۔

"آپ تو بڑے انتریامی (دل کا حال جاننے والا) ہیں مہاراج آپ تو۔"

اشونی کمار حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کلیان ہو۔ کلیان ہو۔ سب ہمارے بھگوان پتا جی کی دین ہے۔ ہم کس قابل ہیں کپتان صاحب!"

سلیم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کے چہرے پر اتنی معصومیت اور سنجیدگی دکھائی دے رہی تھی کہ اشونی کمار کو وہاں کھوجنے پر بھی کچھ حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

"مہاراج کب یہ موذی ہمارے ہاتھ لگے گا۔ اس نے دیش کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ آدمی کیا بس درندہ ہے درندہ۔"

اشونی کمار نے نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"نامکمل معلومات پر کچھ کہا تو نہیں جا سکتا کیونکہ آپ کو اس کے صحیح نام ہی کا علم نہیں۔ لیکن برا مت مانیئے آپ کا برج برچک ہے۔ جس پر ابھی کچھ عرصہ گردش رہے گی۔ ممکن ہے آپ کی پتنی کا برج آپ کی مدد کر سکے۔ لیکن آپ کے لیے فی الحال اس مسئلے میں کامیابی دکھائی نہیں دے رہی۔"

سلیم نے کہا۔

اور

کیپٹن اشونی کمار کے اعصاب تن گئے۔

"ارے میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ ہماری پتری بڑی بھاگیوان ہے۔"

ٹھاکر جی نے شاید حالات کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا اس نے بے بسی سے پنڈت کانتا پرشاد کی طرف دیکھا جس نے سلیم کی طرف دیکھ کر آنکھ دبا دی۔

اور

سلیم سمجھ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

"کیا نام ہے آپ کی منگیتر کا۔ یہاں لکھ دیجئے۔ پیدائش کا سمے (وقت) اور ان کی ماتا

ا نام بھی۔"

اس ۔ دوبارہ وہی ڈراما دہرایا اور جب کاپی اس کی طرف منتقل ہوئی تو مزید پانچ منٹ اعصاب شکن انتظار کے بعد اس نے بڑے ڈرامائی انداز سے اپنا چہرہ کیپٹن اشونی کمار کی طرف گھمایا۔

"کپتان صاحب آپ بڑے بھاگیوان ہیں۔ سب کچھ بھول جائیے اور جتنی جلدی ممکن ہے اپنی منگیتر کو بیاہ کر لے جائیے۔ اس شادی کے صرف دس روز بعد سے آپ کو قدرت کی طرف سے ایسے ایسے انعامات ملیں گے کہ آپ خود حیران رہ جائیں گے۔"

اس کے منہ سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے ٹھاکر اور ٹھاکرائن کے چہرے خوشی سے پھول گئے۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں مہاراج۔"

اشونی کمار نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل سچ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔"

اس نے اشونی کمار کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے زندگی میں سوائے اپنے افسران کے کسی کا حکم تو آج تک نہیں مانا۔

لیکن آپ کی بات نہ جانے کیوں مان لینے کو جی چاہتا ہے۔"

اشونی کمار نے ہتھیار ڈال دیے۔

"پنڈت جی۔ مہورت نکالیے۔"

اس مرتبہ سلیم نے مڑ کر پنڈت کانتا پرشاد کی طرف دیکھا اور آنکھ دبا دی۔

اچانک ہی وہاں کی فضا بدل گئی تھی۔

ٹھاکر اور ٹھاکرائن تو "مہاراج" کے صدقے واری ہو رہے تھے۔ سلیم کے "ناں ناں" کرنے کے باوجود انہوں نے زبردستی دو تین مرتبہ اس کے پاؤں چھو لیے تھے۔ پنڈت کانتا پرشاد حیرانگی سے سارا ڈراما دیکھ رہا تھا۔

وہ بے چارہ تو خود چکرا کر رہ گیا تھا۔

واقعی "راجکمار جی" اس کی توقعات سے بڑھ کر ہی کچھ ثابت ہوئے تھے۔ گذشتہ ۱۱ سال سے کیپٹن اشونی کمار کی سگھائی (منگنی) اس کے گھر والوں نے ٹھاکر دیا سنگھ کی پتری روپ رانی سے کی ہوئی تھی۔

لیکن

جب بھی اسے شادی کے لیے کہا جاتا وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹرخا دیتا۔ اس مسئلے پر اس کے پتا جی نے گذشتہ تین چار ماہ سے اس سے ناراض ہو کر ایک طرح سے بات چیت ہی ختم کر دی تھی۔ خود اشونی کمار ہی انہیں مخاطب کیا کرتا تھا وہ اسے نہیں بلاتے تھے۔

آج جب اچانک اپنے گلے عذاب اتارنے اور کسی ممکنہ مصیبت سے بچنے کے لیے سلیم نے بغیر سوچے سمجھے یہ بات کہہ دی تو جیسے اندھوں کے ہاتھ بٹیرا لگ گیا۔ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

"میں سماں کہتا تھا کہ مہاراج جب بھی آپ کسی حویلی میں پدھاریں گے یہاں خوشیوں کا سماں ہو گا۔"

پنڈت کانتا پرشاد نے چاپلوسی سے ٹھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے دانت نکالے۔

"واہ پنڈت جی۔ آپ نے ساری زندگی میں یہ سب سے بڑا کام کیا۔"

ٹھاکر جی نے اسے داد بھرے لہجے میں کہا۔

پنڈت کانتا پرشاد کے لئے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا وہ تو نجانے کب سے ٹھاکر اور ٹھاکرائن کو طفل تسلیاں دے کر ان سے کیسے کیسے "بھوگ" کروا چکا تھا۔

لیکن

ان کی مراد بر نہیں آتی تھی۔

وہاں تو جیسے جشن برپا ہو گیا۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح حویلی اور پھر گرد و نواح میں پھیل گئی کہ روپ رانی کے "وواہ" کا مہورت نکل آیا ہے اور اگلے مہینے کی پندرہ تاریخ شادی کے لیے طے پا گئی ہے۔

لماکروں کی حویلی کے باہر ان کے سارے کمی (ملازم) اکٹھے ہو گئے تھے اور ہنگامی ا،،ں پر وہاں سینکڑوں لوگوں کے لیے کھانا تیار ہو رہا تھا!!

"آپ وعدہ کیجئے کہ ہماری شادی میں ضرور آئیں گے۔"

کیپٹن اشونی کمار نے کہا۔

"جوگیوں سے وعدہ نہیں لیا جاتا کپتان صاحب۔ اگر ادھر کا پھیرا ہو تو ہم ضرور آشیر ،،، دینے آئیں گے۔ آپ پنڈت جی کو ہی سب کچھ سمجھ لیجئے۔ یہ ہمارے اپنے ہیں۔ ،،ں ہم نہ ہوں وہاں پنڈت جی ہماری نمائندگی کرتے ہیں۔"

اس نے کہا۔

کیپٹن اشونی کمار نے بالآخر اس کے منہ سے اتنا کہلوا لیا کہ وہ یہاں ہوا تو ضرور ان کی ،،ی میں شرکت کرے گا۔

رات دیر گئے تک اشونی کمار اس سے باتیں کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں سلیم نے کئی کام کی باتیں بھی معلوم کر لی تھیں۔

ان کا ملاپ ہو تو گیا تھا۔

لیکن

کن حالات میں؟

اس کا تو دونوں میں سے کسی نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

ٹھاکر دیا سنگھ نے اسے زبردستی اپنا مہمان رکھا حالانکہ وہ پنڈت کانتا پرشاد کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

تیسرے روز وہ ان لوگوں کو "ناراض" کر کے ان سے رخصت ہو کر دہلی کی طرف ،،زم سفر تھا۔ جہاں اسے اپنی زندگی کا اہم ترین معرکہ لڑنا تھا۔

○○○

کرنل جوشی

اس نے دہلی جانے کے لیے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ بظاہر وہ اب محفوظ ہو چکا تھا۔ یہاں اس کے پاس بڑے مضبوط سہارے موجود تھے۔

لیکن

اس کی کامیابی کا راز ہی یہی تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ سلیم نے کبھی تصویر کے منفی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور ہمیشہ اپنی منصوبہ بندی میں اس پر نظر رکھتا تھا۔ اس نے ایک عام سے نوجوان کی حیثیت سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ اس وقت اس کے پاس کرنسی نوٹ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان میں زیادہ رقم وہی تھی جو کانتا پرشاد کی طرف سے اسے ملی تھی۔

گنگا نگر سے بٹھنڈہ تک کا سفر اس نے ایک بس کے ذریعے طے کیا تھا۔ جہاں سے دوسرے روز دوسری بس کے ذریعے وہ "سرسہ" چلا آیا تھا اور اسی شام ایک اور بس نے اسے سرسہ سے "حصار" پہنچا دیا تھا جہاں سے ایک ٹرین کے ذریعے وہ روہتک سے ہوتا ہوا دہلی پہنچا تھا...!

اس کی عادت تھی اس نے کبھی اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا تھا اور ہمیشہ گھومتا گھماتا ہوا وہاں تک پہنچتا تھا۔ اس طرح ایک تو وہ تعاقب کرنے والوں سے بے نیاز ہو جاتا تھا اور دوسرے اپنے لیے بچھائے گئے ممکنہ جال سے بھی محفوظ رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد ٹرین نے اسے دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیا.....!!

سلیم نے اسٹیشن پر بنے ایک ٹی سٹال ہی سے چائے کے دو تین کپ یکے بعد دیگرے پیے کیونکہ سردی اچانک زور پکڑ گئی تھی۔

وہ صبح ہونے کا منتظر تھا۔ کیونکہ رات دیر گئے اپنے محسنوں کو جگانا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ یوں بھی وہ بہت عرصے کے بعد دہلی میں آیا تھا اور یہاں کے ماحول سے آشنائی کے لیے اسے ریلوے اسٹیشن سے زیادہ موزوں جگہ اور کوئی نظر نہیں آتی تھی جہاں نگر نگر کے لوگ اور بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو ملتی تھیں۔

ڈی ایس پی لالہ دوارکا داس نے دہلی کے مغرب میں قطب مینار کے نزدیک دہلی ایجوکیشنل اتھارٹی کے بنائے ہوئے ماڈرن فلیٹس جنہیں ڈی ڈی اے فلیٹس کہا جاتا تھا میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ جدید اور قدیم کا بڑا خوبصورت امتزاج تھا۔

زندگی بیدار ہو رہی تھی جب اس نے لالہ دوارکا داس کے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجائی۔

قریباً ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھلا اور سدرشنا کے شگفتہ چہرے پر اس کی نظر ٹھہر گئی.....!

وہ شاید باتھ روم سے تھوڑی دیر پہلے ہی باہر آئی تھی۔ اس کے گیلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور "زلفیں" وہاں سے قریباً بھیگی ہوئی دکھائی دے رہی تھی.....

شاید وہ کوئی خاص قسم کا سپرے استعمال کرتی تھی کیونکہ اس کے بدن سے لپٹیں اٹھ کر سلیم کے دل و دماغ میں سما رہی تھیں۔

ایک پراسرار سی روحانیت اس کے سانولے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کی

آنکھوں کا سحر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

"میرا من کہتا تھا یہ آپ ہی ہوں گے۔"

اس کے نمسکار کے جواب میں سدرشنا نے کہا۔

"اور میرا من چاہتا تھا کہ یہ آپ ہی ہوں۔"

سلیم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو سدرشنا بے اختیار ہنس دی۔ اس کے مو
ایسے دانت اور زندگی سے بھرپور ہنسی بھی جاذبیت کا ایک عجب انداز لیے ہوئے تھی
سلیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

"چلیئے ہم دونوں کے من کی بات پوری ہو گئی۔ لیکن آپ نے اتنے دن کہاں
دیے"

اس نے دروازے سے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہو
کہا۔

"چھوٹا موٹا کاروبار بھی سمیٹنا ہو تو آپ جانتی ہیں کتنا وقت لگ جاتا ہے۔ میں
کاروبار حیات سمیٹنا تھا۔ ماتا جی کی برسی کرنی تھی اور کچھ دوسرے معاملات بھی تھے"

اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کون آیا ہے بیٹی"

دوسرے کمرے سے جہاں تھوڑی دیر پہلے گھنٹیاں بج رہی تھیں اس کی مما کی آوا
سنائی دی۔

شاید وہ صبح صبح پوجا کر رہی تھی۔

"خود ہی آکر دیکھ لیجئے ناں"

سدرشنا نے بھی وہیں سے اونچی آواز میں کہہ دیا۔

"ضرور راجکمار ہو گا"

اس کی ماں کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے وہ "آرتی" کی تھالی پکڑے اندر
آگئی۔

"ہاں لاگوں مسوسی جی"

لیتے ہوئے سلیم نے اس کے گھٹنوں کو چھو لیا۔

جانکی دیوی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے آشیرواد دیا اور کھڑے ہونے پر تھالی
می الم غلم چیزوں میں سے تلک اس کے ماتھے پر لگا کر برفی کا ایک ٹکڑا اس کے منہ
دیا۔ یہ "دھرمی ماں" کا پرشاد تھا۔

"انکل کا کیا حال ہے۔ کہاں ہیں وہ"

سلیم نے آرام دہ صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ۔ سیر کرنے گئے ہوں گے۔ اب بڑھاپے میں جوانی کا شوق چرایا ہے بے
ہے کو۔ ساری زندگی تو کرسی پر بیٹھ کر گزار دی اب ریٹائرمنٹ کے بعد اتھلیٹ بننے لگا
"

جانکی دیوی نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"اوہ مما! کیوں اتہاس (تاریخ) کا بیڑہ غرق کرنے پر تلی ہیں آپ۔ ریکارڈ تو درست
رکھا کیجئے۔ پپا شروع ہی سے سیر اور ورزش کے عادی ہیں اب نہیں ہوئے"

سدرشنا نے ہنس کر کہا۔

"چچی باپ کی۔ ہے ناں پولیس والی۔ باپ بھی اور اب اولاد بھی۔ بھگوان نہ کرے
کہ میرے بیٹے کا بھی تمہاری طرح دماغ خراب ہو"

"اچھا باقی لڑائی پھر کر لیں گے۔ راجکمار جی اتنی سردی میں آرہے ہیں میں ان کے
لیے کافی تو لے آؤں"

یہ کہہ کر وہ رسوئی کی طرف چل دی۔

"کیا حال ہے بیٹا۔ ہمیں تو تمہارا بہت انتظار تھا۔ اس کے پتانے تو جگہ بھی دیکھ لی۔
بھگوان کرے تمہاری وجہ سے ہی کسی کام سے لگ جائیں۔ میں تو سارا دن گھر میں ان
لوگوں کی دھما چوکڑی سے تنگ آگئی ہوں"

بیٹی کے جاتے ہی اس نے اپنی "پوجا" بھلا کر سلیم کے سامنے ہی ڈیرہ لگا لیا تھا۔

"بس موسی جی وہاں بہت سے معاملات نمٹانے تھے اس لیے کچھ دن لگ گئے۔ آپ بے فکر ہو جائیے۔ میں آگیا ہوں اب سب کو کام سے لگا دوں گا۔"

"بھگوان تجھے میری عمر بھی لگا دے بیٹا۔ اچھا تو بیٹھ کر ٹی وی دیکھ میں اس نکھٹو راہول کو جگا دوں اور تمہارے لیے ناشتہ بھی تیار کر لوں۔"

یہ کہہ کر وہ راہول کی طرف چلی گئی اور سدرشنا کافی کا مگ پکڑے اندر آگئی۔

"شما کیجئے مہاراج میں نے آپ سے پوچھے بغیر کافی میں کریم ڈال دی ہے اور ایک چمچ شوگر بھی"

اس نے مگ سلیم کے سامنے دھری ایک میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔ میں کبھی کبھی کریم والی کافی بھی پی لیتا ہوں۔ لیکن وہاں بلیک کافی کی عادت پڑ گئی تھی ناں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ مجھے گھر کی بنی ہوئی انڈین چائے سب سے زیادہ پسند ہے"

اس نے سدرشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو اپنے سامنے کافی رکھے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سنوارتے ہوئے باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلیم کے لیے اس کے سراپے پر زیادہ دیر نظریں جمائے رکھنا قدرے مشکل تھا.....!!

اس نے اپنی توجہ ٹی وی کے خبرنامے کی طرف مبذول کر لی۔

بھارتی ٹی وی پر کشمیر میں پکڑے گئے مجاہدین کو "دہشت گردوں" کے روپ میں دکھایا جا رہا تھا اور ایک نوجوان بڑے زور شور سے مائیک کے سامنے کھڑا بیان دے رہا تھا کہ اسے کس طرح پاکستان انٹیلی جنس نے تربیت دی وغیرہ وغیرہ۔

یہ روزانہ کا معمول تھا۔

اگر وہ خاموش بھی رہتا تو بھی سلیم کو علم تھا کہ وہ کیا کہے گا۔ ایسے گھسی پٹی کہانیاں "را" کی طرف سے ان لوگوں کو پڑھائی جاتی تھیں۔

وہ جانتا تھا کہ یہ غدار شروع ہی سے "ڈبل کراس" ہوتے ہیں اور موقعہ ملتے ہی اپنا کام کر دکھاتے ہیں۔ اب کبھی کبھی اس صورتحال پر بہت دکھ ہوتا تھا کہ ایک آدمی کی

بزدلی کی وجہ سے اس کے چار پانچ ساتھیوں کی زندگی جہنم بن جاتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ایک مرتبہ زندہ "را" کے ہاتھ لگنے کا مطلب تھا۔ زندہ درگور ہو کر زندگی بسر کرنا۔

یہ لوگ اپنے شکار کو مرنے تو نہیں دیتے تھے۔

لیکن

اس کی زندگی ایسی اذیت ناک کر دیا کرتے تھے کہ وہ موت کی تمنا کرتا۔ لیکن مر نہیں سکتا تھا۔ اسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جانور کی طرح باقی زندگی جینے پر مجبور کر دیا جاتا تھا تاکہ اس کی حالت دیکھ کر دوسرے عبرت پکڑیں۔

اس بات کا "را" کو بھی علم تھا کہ کشمیر میں آزادی کی جو لہر آئی ہے اسے اب ایسے گھٹیا اور گھناؤنے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔

لیکن

وہ لوگ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھے۔

وہ صدیوں سے غلام تھے جنہیں کچھ عرصے سے حکومت مل گئی تھی۔ اب وہ اپنی صدیوں کی غلامی کا انتقام لے رہے تھے۔

وہ بزدل تھے۔

اور

بزدل کبھی بہادر نہیں ہوتے۔ البتہ ظالم بہت ہوتے ہیں۔

"میرے خیال سے انکل کے آنے سے پہلے مجھے بھی اپنا حلیہ بدل لینا چاہیے"

اس نے کافی کا ایک لمبا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ آف کورس آیئے میں آپ کا کمرہ آپ کو دکھا دوں"

اس نے ڈرائینگ روم سے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھولا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"اب یہ آپ کا کمرہ ہے۔ پپا نے آپ کے لیے سیٹ کروا دیا تھا۔ اگر آپ کو اس کی سیٹنگ پسند آگئی ہو تو مجھے داد دیجئے۔ اگر نہیں تو مما سے شکایت کر کے اپنی مرضی کے

مطابق تبدیلی کر لیجئے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ونڈر فل۔ بھئی مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے باپ کے لندن والے گھر آگیا ہوں۔ ایک دم شاندار آپ کی حس لطافت کا تو جواب نہیں۔"

اس نے دیوار پر لگی خوبصورت پینٹنگز کی طرف دیکھتے ہوئے سدرشنا سے کہا۔

"تھینک یو۔ آپ واقعی باذوق ہیں۔ ورنہ اس گھر میں تو تھانے جیسا ماحول ہی بنا ہوا ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور "کورنش" بجالاتے ہوئے باہر چلی گئی۔ کمرے سے ملحقہ باتھ روم میں ٹیسن سے لے کر سب چیزیں بڑے سلیقے سے سجی ہوئی تھیں جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ واقعی ان لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکا ہے۔

لیکن

اسے اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ابھی کیا کیا پاپڑ بیلنے تھے۔ اس کا اندازہ اس نے لگا لیا تھا۔ اسے اس ضمن میں اپنی صلاحیتوں سے متعلق نہ کوئی خوش فہمی تھی نہ ہی کوئی غلط فہمی۔ وہ جانتا تھا کہ جس تیزی سے بھارتی معاشرہ انحطاط پذیر ہے اور ان لوگوں نے جس طرح اپنی روایات کا جنازہ نکال کر مغرب سے دو ہاتھ آگے بڑھ کر مغرب کی نقالی شروع کی ہے۔ اس کے بعد سے اس معاشرے کا طرہ امتیاز دولت اور سیکس (Sex) ہی رہ گیا تھا۔

یہ لوگ جنسیت اور دولت کمانے کی ہوس میں بہے چلے جا رہے تھے۔ اور ایسے مادیت پرست معاشرے میں آدمی کے باطن سے زیادہ اہمیت اس کے ظاہر کو دی جاتی ہے۔ سلیم نے اپنا ظاہر بڑا شاندار رکھا ہوا تھا۔

اس نے پندرہ بیس منٹ میں نہا کر خود کو تازہ دم کیا۔ یہاں آنے کے بعد وہ اپنے چہرے پر مقامی فیشن کے مطابق چھوٹی سی داڑھی سجائے رکھتا تھا۔ یہاں کی لڑکیوں کو شاید وہ نوجوان زیادہ پسند آتے تھے جن سے قدیم دور کے انسان کی درندگی کی کوئی جھلک چھلکتی

یہی وجہ تھی کہ یہاں نوجوان بے ترتیب اور الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ بال ان کے سر اور منہ پر ہی نہیں سارے جسم پر موجود ہوتے تھے۔ اور وہ اپنے اندروں کے سے حلیئے پر نازاں ہوا کرتے تھے۔

جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلا دوسرے کمرے میں موجود لالہ دوارکا داس نے "اوہ میرا بیٹا آگیا" کا نعرہ بلند کیا اور اس سے بغل گیر ہو گئے۔ ان کے بعد قدرے بے دلی سے یہی حرکت راہول نے بھی دہرائی جسے شاید اس کی ماں نے زبردستی اس کے معمول سے کچھ گھنٹا پہلے ہی نیند سے بیدار کر دیا تھا.....!

"میرے خیال سے اب تم بھی منہ دھو لو"

لالہ جی نے راہول کی طرف دیکھتے ہوئے طنز کیا۔

"ارے نہیں پپا شیروں کے منہ دھلے ہوتے ہیں"

سدرشنا نے جو باہر آرہی تھی آواز لگائی۔

"اور کیا۔ آپ کو ابھی تک علم ہی نہیں ہوا کہ دیدی آج بھی جنگل میں رہ رہی ہیں"

راہول نے کہا اور سب قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ناشتے کی میز پر اکٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ اس ناشتے کے دوران ہی راجکمار نے انہیں اپنے گذشتہ ہفتے کی مصروفیات کی جعلی کہانی سناتے ہوئے بالآخر یہ خوشخبری ان تک پہنچا دی کہ وہ لاکھ روپیہ سے زیادہ کا کیش حاصل کر چکا ہے۔ جس سے کاروبار شروع کیا جا سکتا ہے۔ اگلے دو تین ماہ میں اسے کم از کم پانچ لاکھ روپیہ اور مل جائے گا۔

اس خبر نے یہاں خاصے خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے۔ لالہ جی نے اسے بتایا کہ اس کی مرضی کے مطابق انہوں نے ایک چھوٹا سا پریس ٹھیکے پر لینے کی کارروائی بھی قریباً مکمل کر لی ہے اور وہ اپنے اثر و رسوخ سے پولیس کی طرف سے پرنٹنگ کا آرڈر بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جایا کریں گے۔ کیونکہ یہاں دہلی کی پولیس میں یوں بھی ان کی

خاصی آؤ بھگت کی جاتی تھی.....!

"میرے خیال سے اگر ہمیں اس طرح پولیس اور سکیورٹی والوں کے پرنٹنگ ملتے رہا کریں تو ایک سال میں ہم اپنے دو تین پریس لگالیں گے۔ میرا اس کام میں ہے۔ میں نے اس کا ڈپلومہ لندن سے حاصل کیا تھا"

اس نے نئی بڑہانک دی۔

اور

ان لوگوں نے اس کی گذشتہ باتوں کی طرح اس بات پر بھی آمنا صدقنا کہہ دیا۔

"آج چھٹی ہے اور دو روز بعد پھر دیوالی کی چھٹی آجائے گی۔ میرے خیال سے تم تین چار دنوں میں گھوم پھر کر دہلی کی سیر کر لو۔ تم کہہ رہے تھے ناں کہ یہاں پہلی آئے ہو۔ اس سے تمہیں یہاں کے حالات کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ اور دیوالی کے بعد ہم کام کا بھی آغاز کر دیں گے"

لالہ دوارکا داس نے اپنی رائے پیش کی۔

"آپ کا شکریہ انکل ویسے میرا خیال تھا کہ پہلے کام پھر آرام"

"آپ کا خیال غلط ہے مہاراج۔ جیسے پپا کہہ رہے ہیں ویسے ٹھیک ہے"

سدرشنا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور کیا"

راہول نے بھی ہامی بھری۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد لالہ جی نے شاید اس کے چہرے سے عیاں تھکاوٹ کے آثار نوٹ کر لیے تھے اور اسے آرام کرنے کی ہدایت بھی کر دی تھی۔ سلیم نے بھی ان کی ہدایت پر جی جان سے عمل کیا اور اپنے کمرے میں جا کر آرام دہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

دوپہر تک وہ لمبی تان کر سوتا رہا۔

دو تین دن کے مسلسل سفر نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ دوپہر تک سونے کے بعد وہ خود کو

"ہارہ سے تازہ دم محسوس کرنے لگا تھا.....!!

دوپہر کا کھانا اس نے راہول اور اس کی ماں کے بضد ہونے پر کھایا تھا۔ کیونکہ وہ عموماً "پہر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔

موسم خوشگوار تھا۔

تین بجے تک سدرشنا بھی واپس لوٹ آئی۔ وہ شاید اپنے آفس سے سیدھی اس طرف ہی آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سلیم اور راہول کو اپنی چھوٹی سی گاڑی میں بٹھا کر وہ دہلی کی سیر کروا رہی تھی۔

راہول اس کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کا ہمسفر بن گیا تھا اور سلیم نے محسوس کیا تھا کہ سدرشنا کو اس کی یہ حرکت قطعاً پسند نہیں آئی تھی۔

لیکن

راہول کے لیے شاید اس کا ردعمل غیر متوقع نہیں تھا۔

دونوں بہن بھائی خاصے بے تکلف دکھائی دیتے تھے اور ایک دوسرے پر طنز کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اب وہ کناٹ پیلس پہنچ گئے تھے جہاں راہول کو اپنا شاید کوئی دیرینہ دوست نظر آگیا تھا جونہی وہ اپنے دوست کی طرف متوجہ ہوا اچانک ہی سدرشنا نے سلیم کا ہاتھ پکڑ کر کار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ پھر سلیم کے "ناں ناں" کرنے کے باوجود وہ راہول کو وہیں چھوڑ کر کار بھگا کر لے آئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس کی "ماروتی" (کار) دہلی کے پوش ایریا کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اسے اپنے ساتھ لیے وہ سیدھی یہاں کے بہترین ہوٹل "اشوکا" میں آگئی.....!!

اس کے رویے سے اب سلیم کو قدرے الجھن ہونے لگی تھی یا تو سدرشنا مختلف اوقات میں مختلف کیفیات کی شکار رہتی تھی یا پھر اس نے جان بوجھ کر سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی۔ کیونکہ اس کی طرف سے جس گرم جوشی کی توقع سلیم کو تھی اس کا اظہار اس نے ابھی تک کیا نہیں تھا۔ سلیم کا اندازہ تھا کہ وہ اس کے تئیں اس طرح کے جذبات رکھتی ہے جس کا اس نے اظہار گنگا نگر سے روانگی پر کیا تھا۔

لیکن

ابھی تک ابن نے سوائے ہنسی مذاق کے اور کوئی بات نہیں کی تھی۔ شاید راہول کی موجودگی نے اس کا موڈ بگاڑ دیا تھا۔

"اب ہم دیر تک یہیں وقت گزاریں گے؟"

اس نے بے تکلفی سے سلیم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

دونوں ہوٹل کے "بار" میں آگئے تھے۔

"جو بھی پسند کریں بلا تکلف منگوالیں۔ میری بالکل پروا نہیں کرنی۔"

اس نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔

سلیم نے مسکراتے ہوئے بیرے کو اپنے لیے "سافٹ ڈرنک" لانے کا آرڈر دیا تھا۔ جب کہ سدرشنا اس سے پہلے یہی آرڈر کر چکی تھی۔ بیرے نے جلد ہی ان کے سامنے گلاس لاکر رکھ دیے۔

"کمال ہے میں تو آپ کی طرف سے شمپین وغیرہ کی امید کر رہی تھی اور آپ شاید تکلف کر رہے ہیں۔"

بالآخر اسے ٹٹولنے کے انداز میں سدرشنا نے کہہ ہی دیا۔

"نہیں سدرشنا۔"

سلیم نے اپنے چہرے پر زمانے بھر کی سنجیدگی اور یاسیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

"شاید تمہارے لیے یہ بہت چونکا دینے والی بات ہو کہ میں شراب نہیں پیتا۔ میں تو سگریٹ تک نہیں پیتا۔ معلوم نہیں مجھے شروع ہی سے ان سب چیزوں سے نفرت کیوں ہو گئی تھی۔ شاید میری ماں میرے اندر ہمیشہ ہی موجود رہی۔ اب بھی ہے' وہ مجھے ساری زندگی ان چیزوں سے روکتی رہی۔ میرے دوست کالج لائف میں حیران ہوتے تھے کہ میں کیا پاگل ہو گیا ہوں۔"

"ونڈر فل راجکمار۔ مجھے زندگی بھر ایسے ساتھی کی تلاش رہی جو اس سوسائٹی میں رہے اور شراب کا عادی نہ ہو۔ میرے خیال سے ہماری دوستی خوب نبھے گی۔"

اس نے دوبارہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

"ارے کیوں نہیں' آف کورس' بھلا آپ ایسی خوبصورت خاتون کی دوستی پر کس کو فخر نہیں ہو گا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہو گی۔"

سلیم نے اس سے زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔ جہاں انہوں نے "بوفے ڈنر" کیا

لیم نے اس درمیان ایک بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ سدرشنا مختلف حیلے بہانوں سے اس کے جذبہ حب الوطنی کا امتحان لے رہی تھی۔ وہ بھارت سے متعلق اس کے خیالات جاننا چاہتی تھی۔

اور

سلیم اس کا منشا جان کر خود کو "بھارت ماتا" کا سب سے بڑا پجاری ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے سدرشنا کو باور کروا دیا تھا کہ اتنی رنگین اور آرام دہ زندگی چھوڑ کر وہ بھارت میں آیا ہی اس لیے ہے کہ اسے بھارت سے بہت محبت ہے۔ اور وقت آنے پر وہ اس کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہے۔

"کمال ہے آپ ساری زندگی بدیش میں رہے اور....."

سدرشنا نے کچھ کہنا چاہا

لیکن

سلیم نے اس کے منہ کی بات چھین لی۔

"نہیں سدرشنا انسان کہیں بھی رہے۔ وہ تو نیویارک یا لندن تھا اگر انسان چاند پر بھی رہے تو بھی اپنے روٹس سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ لوگ جو بدیش میں رہ کر اپنی "جنم بھومی" کو بھول جاتے ہیں وہ مصنوعی درختوں کی طرح مصنوعی زندگی گزارتے ہیں۔ میں تو انہیں زندہ اور نارمل انسان ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔"

"میرے خیال سے کافی منگوالی جائے۔"

سدرشنا نے حسب روایت گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑنا چاہا۔

"ارے کیوں نہیں، بھئی ضرور۔ یہ تو میری زبردست کمزوری ہے۔ لیکن بلیک کافی"

سلیم نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانا چاہا۔

لیکن

اس کا چہرہ جذبات سے عاری اور بالکل سپاٹ تھا۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں ہانکتے اب ہوٹل سے باہر جا رہے تھے۔ اچانک ہی سدرشنا ٹھٹھک کر اپنی جگہ رک گئی۔

OOO

دونوں ہال کے اس دروازے کی طرف جا رہے تھے جس سے انہیں باہر نکلنا تھا۔ اس دروازے سے ایک لمبا تڑنگا درمیانی عمر کا آدمی اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کی گھنی مونچھ میں شاید ہی کوئی سیاہ بال دکھائی دے رہا تھا۔

لیکن

اس کی شخصیت بہت بارعب اور شاندار دکھائی دیتی تھی۔

"جے ہند سر!"

اس سے نظریں ٹکراتے ہی سدرشنا نے فوجیوں کی طرح ایڑیاں جوڑتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔ کدھر آوارہ گردی ہو رہی ہے بھئی"

نووارد اس سے بڑا بے تکلف دکھائی دیتا تھا۔

"سر۔ یہ میرے فرینڈ ہیں مسٹر راجکمار۔ اور آپ کرنل جوشی۔ میرے سر!"

اس نے دونوں کا تعارف کروایا۔

سلیم نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے "جے ہند" کیا تھا اور دوسرے ہی لمحے اسے یاد آ گئی کہ اس شخص کی شکل اسے کیوں جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

ممکن ہے اس کا نام کرنل جوشی ہی ہو۔

لیکن

اس کے ملک کی انٹیلی جنس کی فائلوں میں اس کا نام کرنل بھیم سین تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس کے دو تین نام تھے۔ وہ مختلف اوقات میں اپنے مختلف نام استعمال کرتا تھا۔ لیکن کرنل اس کے نام کا حصہ بنا رہتا تھا۔

سلیم کو فوراً یاد آ گیا کہ اس شخص کی تصویر تو اسے اس کے "باس" نے درجنوں مرتبہ دکھائی تھی۔ کرنل جوشی اس کے ملک میں تخریب کاری کروانے والے "را" کے خصوصی سیل کا انچارج تھا۔ وہ پاکستان میں تباہی پھیلانے کے بڑے خطرناک منصوبے بنانے اور ان پر عمل کرنے کا ماہر خیال کیا جاتا تھا اور "را" کے مقامی "پاکستانی سیل" کا انچارج تھا۔

ایک بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ سدرشنا کا تعلق "را" سے ہے اور اگر کرنل جوشی اس کا "سر" ہے تو پھر ضرور اس کا تعلق "را" کے خصوصی سیل سے ہے جو پاکستان کے معاملات کے متعلق ہے۔

ایک لمحے کے لیے تو اس کا دل زور سے دھڑکا۔ یہ کرنل جوشی ہی تھا جس کے تربیت یافتہ تخریب کاروں نے حال ہی میں اس کے ملک کے ایک بڑے شہر کے معروف چوراہے پر بم چلایا تھا جس سے درجنوں بے گناہ مارے گئے تھے اور کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔

چند روز پہلے ہی جب اس کے "باس" نے دو بھارتی نوگرفتار ایجنٹوں کی تفتیش کے لیے اس کی مدد حاصل کی تو انہوں نے یہ انکشافات کئے تھے کہ کرنل جوشی نے اب تک اپنے پندرہ کامیاب دھماکے اس کے ملک میں کئے ہیں اور پاکستان کی ایک بڑی مذہبی جماعت کے سربراہ کو دھماکا کر کے ہلاک کرنے کا بھی وہی ذمہ دار تھا۔ بعد میں "را" نے اس دھماکے کے ڈانڈے ایک اور فرقے سے ملا کر اس کے ملک میں اچھے خاصے مذہبی فسادات کی بنیاد رکھ دی تھی.....!

کرنل جوشی "ان بدبخت پاکستانی نوجوانوں کو جنہیں "را" اپنے جال میں پھنسا کر غداری پر آمادہ کر لیا کرتی تھی تربیت دیا کرتا تھا۔

اس کے شیطانی منصوبہ کے تحت کئے جانے والے حالیہ دھماکے میں تو ایک سکول کے درجنوں بچے بھی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اس کے تربیت یافتہ درندوں نے عین اس

مرحلے پر دھماکا کیا تھا جب اس سکول کے بچوں کو چھٹی ہوئی تھی۔

ایسے ہی دو معصوم بچوں کی لاشیں دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ ،، اس واقعہ کے ذمہ داروں کو ایسے خطرناک انجام تک پہنچائے گا جس کا وہ تصور بھی نہ ! سکیں.....!

کرنل جوشی کی تصویر اس کے افسران نے گرفتار ہونے والے مختلف ایجنٹوں سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر سکیچ کی تھی اور اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہو رہی تھی کہ اس کے افسران کے تیار کردہ سکیچ اور کرنل جوشی کی شکل میں کتنی مطابقت تھی۔

"ہیلو"

کرنل جوشی نے اس پر سرسری سی نظر دوڑائی اور او کے "ینگ لیڈی" کہہ کر سدرشنا کے گال کی چٹکی لی اور آگے بڑھ گیا۔

"بھئی بڑا زبردست سر ہے تمہارا!"

اس نے بے تکلفی سے سدرشنا سے کہا۔

"راجکمار۔ کرنل جوشی بڑا گریٹ آدمی ہے۔ بہت بہادر اور شاندار ارے اس کے کارنامے آپ کو سناؤں گی تو حیران رہ جاؤ گے"

سدرشنا نے اپنے گال سہلاتے ہوئے کہا۔

"ایک تو ابھی بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا ہے کرنل صاحب نے"

اس نے سدرشنا کے گال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہائے راجکمار جی۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں۔ میرے گروپ میں دس لڑکیاں ان کی شاگرد ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کرنل کے ساتھ کم از کم ایک نائیٹ ضرور گزارے.....!"

اس نے بھی جوابی وار کر دیا۔

"بائی دی وے۔ اب تک کتنی خوش نصیب لڑکیاں یہ سعادت حاصل کر سکی ہیں"

سلیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"صرف تین..."

سدرشنا نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا۔

"باقی دو کون ہیں حضور!"

اس نے بے تکلفی سے سدرشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس جل گئے ناں۔ ارے بابا' ان تینوں میں میرا نام شامل نہیں۔ ہائے ہماری ایسی قسمت کہاں"

اس نے آخری فقرہ ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور دونوں بے ساختہ ہنس دیے.....!!

رات وہ دیر گئے گھر پہنچے۔

لیکن

کسی کو ان کے دیر سے آنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

لالہ دوارکا داس اور ان کی پتنی نے ان کی آمد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا اور امید ظاہر کی تھی کہ دونوں کا وقت بڑا اچھا کٹا ہو گا۔

"کیسا لگا ہمارا شہر..."

جانکی دیوی نے پوچھا۔

"ارے موسی جی دہلی اور دہلی والے دونوں کا جواب نہیں....."

سلیم نے مسکراتے ہوئے سدرشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں جی یہ تو ہے"

سدرشنا نے فی البدیہہ جواب دیا۔

راہول کی واپسی ان کی آمد کے بعد ہوئی تھی۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سدرشنا نے اس پر چڑھائی کر دی تھی کہ وہ کنات پیلس میں انہیں چھوڑ کر کہاں بھاگ گیا تھا۔

"وہ آ گئی ہو گی ناں۔ وہ پرکٹی۔"

اس نے شاید راہول کی کسی دوست کا ذکر کیا۔

"ہاں دیدی۔ آخر پولیس والی ہو ناں۔ اپنی لات اوپر ہی رکھو گی۔ اچھا بھئی میں تو چلا

سونے اور مما پلیز مجھے صبح دس بجے تک نہ جگائیے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے میرے لیے دس گھنٹے کی نیند لازمی ہے۔ ورنہ مجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑ سکتا ہے...!!"

راہول یہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"نالائق"۔

لالہ جی کے منہ سے صرف ایک شبد نکل سکا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اپنے اپنے کمرے میں آرام کرنے چلے گئے۔

صبح کی نیند کا اثر تھا یا پھر کرنل جوشی سے ملاقات اس کی وجہ تھی کہ وہ رات گئے دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔

صبح ہونے کے نزدیک اس کی آنکھ لگی تو دھماکے میں ہلاک ہونے والے بچے سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

ان کے معصوم اور خون میں لت پت لاشے اس سے اپنے قاتل کو سزا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ گھبراہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

صبح ہو چکی تھی۔

اس کے سامنے والے کمرے سے گھنٹیاں بجنے کی ہلکی ہلکی سی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ جانکی دیوی اپنے کام میں مصروف ہے۔ شاید اس گھر میں وہ واحد "دھارمک عورت" تھی۔ باقی سب لوگ قدرے سیکولر مزاج کے تھے۔ سلیم کو بعد میں علم ہوا تھا کہ "کالکا مائی" کے اتسو پر بھی وہی اپنی ساری فیملی کو زبردستی ہر سال لے جاتی تھی۔

تھوڑی دیر بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے باتھ روم کا رخ کیا اور تازہ دم ہونے کے بعد باہر آگیا۔

جانکی دیوی اپنی عبادت سے اور سدرشنا شاید اپنی معمول کی یوگا ورزشوں سے فارغ ہونے کے بعد باتھ روم میں جا چکی تھی۔

گزشتہ روز کی طرح آج بھی اس نے مقامی روایات کے مطابق جانکی دیوی کے چرن

[illegible]ے اور ڈرائنگ روم میں پہلے سے رکھے اخبار پر نظریں دوڑانے لگا۔ پہلے ہی صفحے کے [illegible]نے میں اس نے سندھ میں کسی ٹرین میں بم دھماکے کی خبر پڑھ لی تھی جس نے اس [illegible]ن کھولا دیا تھا۔

یہ شاید کرنل جوشی کا تازہ کارنامہ تھا.....!

"کرنل۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ تمہیں میرے وطن پر لائی ایک ایک [illegible]ں کا حساب دینا ہو گا ہاں کرنل ایک ایک تباہی کا حساب"۔

اس نے دانت پیستے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور اخبار ایک طرف پھینک [illegible]۔ میں ان ہی لمحات میں لالہ دوارکا داس نے اطلاعی گھنٹی بجا دی۔ سلیم نے اپنا چہرہ نارمل کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"ہیلو ینگ مین۔ بھئی اگر تم اتنی جلدی اٹھ جانے کے عادی ہو تو ہمارے ساتھ سیر کے لیے چلا کرو"۔

لالہ دوارکا داس نے کہا۔

"ضرور انکل آپ مجھے کل سے ساتھ لے جایا کریں۔ میں نے کہا ناں کہ میں کوئی [illegible]ارمک آدمی تو ہوں نہیں۔ نہ ہی مجھے صبح اٹھ کر کوئی پوجا کرنی ہوتی ہے۔"

اس نے دوبارہ صوفے پر بڑھتے ہوئے کہا۔

"یار پوجا کے لیے یہ بڑھیا جو ہم نے رکھی ہوئی ہے وہ کیا کم ہے۔ تم کس چکر میں پڑ گئے"

لالہ جی نے اپنی پتنی کی طرف اشارہ کیا جو "پوجا" کا تھال لیے اس طرف آرہی تھی۔ [illegible]تو خیریت گزری کہ اس نے لالہ جی کی آواز نہیں سنی ورنہ وہیں بحث شروع ہو جاتی۔

اب وہاں سدرشنا بھی آگئی تھی!

لالہ جی اخبار پر نظریں دوڑا رہے تھے اچانک ہی وہ اپنی سپتری کی طرف متوجہ [illegible]ئے۔

"بھئی سدرشنا بیٹا مبارک ہو۔ تمہارے کرنل صاحب نے ایک اور کارنامہ کر

دکھایا۔"

انہوں نے کسی خبر پر نظریں جماتے ہوئے اپنی بیٹی کو متوجہ کیا۔

"کہاں پپا؟"

سندر شنا نے بے چینی سے پوچھا۔

اور

اس کے سوال کے جواب میں لالہ دوارکا داس نے اسی خبر کی تفصیلات پڑھنی شروع کر دیں جس نے تھوڑی دیر پہلے اسے جذباتی کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس کا خون کھو اٹھا۔

لیکن

بڑی ہمت سے اس نے خود کو نارمل کیے رکھا۔

"ویل ڈن۔ یہ ہوئی ناں بات۔ ارے میں نے تو پہلے کہا تھا کہ اپنے کرنل صاحب کو جواب نہیں۔"

سندر شنا نے خوشی سے نعرہ بلند کیا۔ تو سلیم کے بدن کو زوردار جھٹکا لگا۔

"بھئی تمہارا کرنل ہے بڑا نڈر آدمی۔ ان سالے مسلوں کا دماغ یہی ٹھیک کرے گا۔ چلے ہیں کشمیر آزاد کروانے۔ بیٹا! پہلے اپنے گھر کی خیر تو مناؤ۔ پھر لے لینا کشمیر بھی۔"

اس کی بات پر باپ بیٹی دونوں نے قہقہہ بلند کیا۔

دل پر جبر کر کے سلیم بھی بیوقوفوں کی طرح مسکرا دیا۔

"اے مہاشے جی۔ جانتے ہو ہم کس کی بات کر رہے ہیں۔"

سندر شنا نے اسے گفتگو میں شامل ہونے کی دعوت دی۔

"کس کی؟"

سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے لاعلمی کے انداز میں کہا۔

"کرنل جوشی کاجن سے آپ رات ملے تھے۔"

سندر شنا نے بڑے جوش سے کہا۔

"اچھا کیا کوئی اور چھکا مارا ہے انہوں نے میرا مطلب ہے چار....."

اس نے طنزیہ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا اور سندر شنا بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دی

نارمل ہو کر بولی۔

"راجکمار جی آپ غلط سمجھے۔ مہاراج کرنل صاحب نے چھکا ضرور مارا ہے لیکن اس

مال نہیں بلکہ سرحد کے اس پار۔ انہوں نے دشمن کی ایک ٹرین دھماکے سے تباہ کروا

دی ہے۔ اسے کشمیر میں آزادی کی تحریک چلانے کا مزہ چکھانے کے لیے۔"

لالہ دوارکا داس باتھ روم کی طرف چلے گئے تھے اور وہ صوفے پر اس کے ساتھ آکر

بیٹھ گئی تھی۔

"راجکمار جی! میں نے آپ کو سب کچھ کہاں بتایا ہے۔ یہ جو آپ کی "داسی"

(داسی) ہے ناں: شریمتی سندر شنا دیوی یہ کوئی معمولی لڑکی نہیں۔ بھارت کی سب سے

بڑی اور مایہ ناز انٹیلی جنس ایجنسی "را" میں انسپکٹر ہے۔ اور میرا تعلق اس خصوصی سیل

سے ہے جو پاکستان سے ڈیل کرتا ہے۔ آج کل ہم لوگ ان پاکستانیوں کا دماغ درست

کرنے کے لیے وہاں پھلجڑیاں چلاتے رہتے ہیں اور اپنے کرنل جوشی اس پراجیکٹ کے

انچارج ہیں۔ پاکستان سے جب بھی کسی دھماکے کی خبر آئے تو سمجھ لو اپنے کرنل صاحب

نے ہاتھ دکھا دیا۔"

"ارے یہ کہو ناں اب تو بات سمجھ آگئی۔ بیا تم انٹیلی جنس کے لوگ ہوتے ہی بہت

اداکار ہو۔"

اس نے اپنے ہونٹوں پر جبری مسکراہٹ جماتے ہوئے کہا۔

"ابھی سے کیسے اندازہ ہو گیا مہاراج۔ ابھی تو شروعات ہیں۔"

سندر شنا نے بالکل فلمی ہیروئنوں کی طرح اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

سلیم اس کی اس حرکت سے بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ اس کے کانوں کی لویں سرخ ہو رہی

تھیں۔ اور سندر شنا اس کی اس حالت سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہی تھی جب لالہ

جی نے دوسرے کمرے سے "ناشتہ تیار ہے" کی آواز لگائی۔

"معلوم ہوتا ہے تم مجھے کچھ کرنے سے پہلے ہی مار ڈالو گی"
سلیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں آپ کو ایک بھرپور اور شاندار زندگی دوں گی۔ بس کچھ دن انتظار کیجئے"
اس نے عجیب سی بات کہہ دی۔

ناشتے کی میز پر راہول قریباً بھاگتا ہوا گیا تھا۔ اس کی ماں نے زبردستی اس سے ریا کروا کر اسے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے پر مجبور کیا تھا۔

سلیم کی عجب حالت ہو رہی تھی۔

اس نے بمشکل خود کو نارمل رکھا ہوا تھا۔ ناشتہ بھی اس نے بددلی سے کیا۔

لیکن

کیا مجال جو اس کی اس حرکت سے بھی اس کا "ابنارمل" ہونا ظاہر ہوا ہو۔ وہ ان کی ہر بات پر بادل نخواستہ ہی سہی ان کے ساتھ ہی ہنس رہا تھا۔

"پہلے ذرا ٹیلی گراف آفس تک ڈراپ کرتی جانا' میں نے ایک اوورسیز کال کرنا ہے"

اس نے کسی گیت کی دھن گنگناتی سندرشنا سے کہا۔

"کہاں کرنی ہے؟ بیٹا گھر پر فون ہے ناں"
لالہ جی نے کہا۔

"ارے چھوڑیے پپا جب اپنے پاس ڈائریکٹ لائن ہے تو کیوں بل دیں"
سندرشنا نے کہا اور لالہ جی مسکرا دیے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کی "ماروتی" میں جا رہا تھا۔

سندرشنا اسے اپنے گھر سے قریباً دو ڈھائی کلو میٹر دور ایک جدید پلازہ میں لے آئی تھی۔ جہاں ایک پرائیویٹ کال آفس کے سامنے اس نے گاڑی روکی۔ یہ کال آفس ایک میڈیکل سٹور میں بنایا گیا تھا۔ سندرشنا کی شکل پر نظر پڑتے ہی سٹور میں موجود ایک درمیانی عمر کے سکھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

[illegible] کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ یا تو یہ شخص "را" کا کوئی "سورس" ہے یا پھر یہ "را" کا [illegible] ہاؤس" ہے۔ عموماً انٹیلی جنس کے لوگوں کا کام کرنے کا طریق کار ایسا ہی ہوتا

[illegible] سری کال بہن جی"

[illegible] نے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے بے شرمی سے دانت نکالے۔

"اوں اں اں"

[illegible] رشنا نے جواب میں بڑی رعونت سے کہا۔

اس وقت وہ واقعی "را" کی آفیسر دکھائی دے رہی تھی۔

"اندر فون ہے ناں۔ انٹرنیشنل لائن چاہیے"

اس نے سردار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یس میم آیئے پدھاریے"

سردار نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ڈائریکٹ کوڈ کا تو علم ہے ناں"

اس نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آف کورس۔ بھئی ساری زندگی اور کیا ہی کیا ہے؟"

سلیم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اوکے' اندر جا کر بات کر لو۔ اطمینان سے بات کرنا۔ کہیں ٹائمنگ کے چکر میں نہ پڑ

[illegible]"

اس نے سلیم کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارے بغیر فون کا کیا مزہ آئے گا"

سلیم نے اس کی طرف دیکھ کر فلمی انداز میں کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ چلو بھئی" سردار جی جوس اندر ہی بھیج دینا"

اس نے چھوٹے سے بغلی کمرے کی طرف جاتے ہوئے سردار سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم اس کے سامنے انٹرنیشنل لائن پر لندن کا ایک نمبر ملا رہا تھا۔ ا
نے دوسری طرف کسی پرکاش کو مخاطب کیا اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا۔ بظاہر ا
نے دہلی میں اپنا ایڈریس اور فون نمبر لکھوایا تھا اور پیسوں سے متعلق بات کی تھی لیک
سندرشنا کے فرشتوں کو بھی سمجھ نہ آسکی کہ اس نے کرنل جوشی کی موجودگی کا میسج دوسری
طرف "پاس" کر دیا تھا۔

سات آٹھ منٹ بعد اس نے فون بند کر دیا تھا!!

"اوہو۔ اتنی جلدی کیا ہے"

سندرشنا نے اس کی طرف دیکھ کر گلہ کرنے کے انداز میں کہا۔

"کیوں بے چارے کی حجامت کرنے پر تلی ہو انسپکٹر صاحبہ"

اس نے جواب دیا۔

"ہونہہ یہ بے چارہ نہیں۔ قصائی ہے قصائی ایجنسی سے دوستی کی آڑ میں ہر سال لاکھوں کا فائدہ اٹھالیتا ہے۔ اگر ہم نے کمبخت کا چار پانچ سو لگا دیا تو کیا قیامت آگئی۔ اور تمہیں یہ کیا ہر وقت پیسے اکٹھے کرنے کا جنون سوار رہتا ہے۔

سندرشنا نے دکان سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"تم ابھی نہیں سمجھو گی سندرشنا دیوی۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے جی چاہتا ہے جلد از جلد اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاؤں۔ میرا مطلب ہے لالہ جی کو کچھ کر کے دکھادوں"

سلیم نے ذومعنی سی بات کی اور سندرشنا کے چہرے پر یکدم لالی سی پھیل گئی۔

"اچھا تو یہ ارادے ہیں حضور کے۔ چلیئے ہم بھی دیکھتے ہیں"

اس نے سلیم سے آنکھیں ملائے بغیر کہا۔

دونوں گاڑی کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔

"تم اب جاؤ۔ میں خود چلا جاؤں گا"

سلیم نے کہا۔

"تکلف بھی کرنے لگے حضور"

سندرشنا نے اس کے انداز میں جواب دیا۔

"نہیں سندرشنا تمہاری ڈیوٹی کا تقاضا یہی ہے کہ تمہیں زیادہ ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ مجھے بھی اکیلے گھوم پھر کر میلہ دیکھنے دو ناں"

اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاشے جی۔ لیکن اس میلے میں کہیں کھو نہ جایئے"

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

سلیم نے محسوس کیا تھا کہ وہ اسے بادل نخواستہ ہی چھوڑ کر جا رہی تھی۔ شاید اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

سندرشنا چلی گئی۔

○○○

وہ پیدل چلتا دور تک آگیا۔ جہاں ایک اور پرائیویٹ کال آفس سے اس نے لندن فون کیا اور اپنے الفاظ میں آٹھ دس منٹ میں اب تک کی ساری رام کہانی سنادی۔ اب اسے دوسری طرف سے ہدایات کا انتظار تھا۔

تھوڑی دیر سڑکوں پر مٹرگشت کرنے کے بعد وہ گھر لوٹ آیا۔

دیوالی کی آمد آمد تھی۔

دہلی کو اس کے باسیوں نے دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ ہر طرف رنگ و نور کا ایک طوفان سا امڈ آیا تھا۔ صبح کے واقعہ کا اس کے دل نے خاصا گہرا اثر قبول کیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے دل ہی دل میں کرنل جوشی کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم دہرایا اور مختلف راہوں کے ذریعے سفر کرتا گھر تک پہنچ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لالہ جی کے ساتھ تیار ہو کر وہ مشینیں دیکھنے جا رہا تھا جو انہوں نے کرایے پر لینے کا عزم ظاہر کیا تھا۔

پرنٹنگ کا تھوڑا بہت کام وہ سمجھتا تھا۔ اس پیشے میں آنے کے بعد اس نے دو تین کام

خواہ مخواہ سیکھ لیے تھے۔ خدا جانے کب' کہاں اور کون سا بہروپ بھرنا پڑ جائے۔

سلیم نے تھوڑی دیر تک تنقیدی نظروں سے مشینیں دیکھنے کی اداکاری کرنے کے بعد لالہ جی کو "ہاں" کہہ دی اور انہوں نے اس وقت اپنے جیب سے پانچ سو روپے نکال کر مالک کے ہاتھ پر بطور ایڈوانس رکھ دیے۔

تھوڑی دیر بعد لالہ دوارکا داس اسے دہلی کی مشہور مٹھائیوں کی دکان پر لے جا رہے تھے اس "ڈیل" کی خوشی میں انہوں نے وہاں سے مٹھائی کا ایک ڈبہ خریدا اور شام ڈھلنے پر گھر پہنچ گئے۔ جہاں سدرشنا پہلے ہی سے ان کی منتظر بیٹھی تھی۔

سب نے مل کر اس خوشی کو "سیلی بریٹ" کیا اور دیوالی کی تیاریوں میں جت گئے۔ کیونکہ پرسوں دیوالی تھی۔ دیوالی کی شاپنگ کے لیے سدرشنا سلیم' اپنی ماں اور باپ کو اپنی گاڑی میں لے آئی تھی۔

راہول حسب سابق غائب تھا۔

رات گئے دیر تک وہ لوگ دیوالی کی شاپنگ کرتے رہے۔ سلیم نے ایک بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ ہندو گھرانوں کی لڑکیوں کے برعکس سدرشنا کا ہاتھ بڑا کھلا تھا۔ وہ خرچ کرتے ہوئے سوچنے کی قائل نظر نہیں آتی تھی۔

دوسرے روز دیوالی تھی....!!

سلیم کو نہ چاہتے ہوئے بھی بادل نخواستہ دیوالی کی خوشیوں میں ان کا ساتھ دینا تھا۔ شام تک وہ لوگ شہر کی سڑکیں چھاننے کے بعد گھر آ گئے تھے۔ انہوں نے سارا دن اکٹھے گزارا تھا۔ سلیم محسوس کر رہا تھا کہ سدرشنا آج اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن کہہ نہیں پا رہی۔ اس نے آج خلاف معمولی بڑے بھڑکیلے کپڑے پہن رکھے تھے۔

سب لوگ گھر کی چھت پر آتش بازی میں مصروف تھے۔ جب وہ سلیم کا بازو پکڑ کر نیچے آ گئی۔ سلیم بھی اس کے ساتھ ہی کھنچتا چلا آیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کہاں بھگا کر لے جاؤ گی اس بے چارے سیدھے سادے لڑکے کو؟"

اس نے نیچے پہنچنے پر کہا۔

"ارا پیدل چلتے ہیں۔ مجھے رات کو سڑکوں پر گھومنے کا بہت مزا آتا ہے۔ پھر تمہارے ہوئے یہ بات بھی ذہن میں رہتی ہے کہ کوئی مجھے چھو بھی نہیں سکتا۔ جس کا ایسا دوست ہو اسے اور کیا چاہیے۔ راج! میں سوچتی ہوں بھگوان نے تمہیں اگر مجھ سے ملایا ہے تو ضرور اس میں اس کی مرضی شامل ہو گی۔ میں کوئی دھارمک لڑکی نہیں۔ لیکن تمہارے ساتھ ملاقات اور اس طرح تمہارا ہمارے ہاں چلے آنا بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ میں کچھ سمجھ نہیں پائی۔"

پہلے تو سلیم حیران ہوا کہ آج اس کمبخت کو کہاں سے یہ بات یاد آ گئی۔

"دیکھو سدرشنا میرے بھی ایسے ہی جذبات ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میرا بھگوان پر بھی وشواش نہیں ہے۔ ہے' اور میرا من کہتا ہے کہ ضرور اس نے مجھے تمہارے ہاں بھیجا ہے۔ جہاں تک میری بات ہے پہلے میرے من میں بھی یہی سوال اٹھے لیکن مجھے ان کا جواب مل گیا ہے۔ شاید بھگوان نے مجھے کوئی بڑا انعام دینے کے لیے یہاں بھیج دیا ہے۔ اور' اور شاید وہ بڑا انعام تم ہی ہو....."

اس نے جی کڑا کر کے بالآخر اندھیرے میں تیر چلا ہی دیا جو سیدھا نشانے پر لگا۔

"واقعی تم ایسا سوچتے ہو راج؟"

سدرشنا نے اس کا بازو گرم جوشی سے دباتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں سدرشنا۔ اور یہ کوئی جذباتی سوچ نہیں۔"

اس نے جواب میں سدرشنا کا ہاتھ بھی اتنی ہی زیادہ گرم جوشی سے دبایا تھا۔

"لیکن تم نے زیادہ زندگی ولایت میں گزاری ہے وہاں....."

"چھوڑو اس بات کو آئندہ کبھی نہ دہرانا۔ مغرب کبھی میری کمزوری نہیں رہا۔ اگر ہوتا تو میں یہاں نہ آتا۔ سدرشنا جب سے مجھے تمہاری سروسز کا علم ہوا ہے میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرنے لگا ہوں۔ مجھے سہمی ہوئی خوفزدہ بھارتی ناری کبھی پسند نہیں رہی۔ میں تم جیسی بہادر اور وطن دوست لڑکیوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

اس نے سدرشنا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"صرف عزت ہی"

سدرشنا نے اپنی لانبی پلکیں اٹھائیں۔

"نہیں۔ اس سے آگے بھی بہت کچھ جو میں نہ بھی کہوں، لیکن تم سمجھ جاؤ گی"

"اوہ راج"

اس کا جملہ ابھی مکمل ہوا ہی تھا کہ بے ساختہ سدرشنا نے چلتے چلتے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ کر اپنا سارا بوجھ اس پر لاد دیا۔

سلیم کو اپنے خون میں چنگاریاں دوڑنے کا احساس ہوا۔ کافی دور تک وہ اس پوزیشن میں چلتے آئے تھے۔

سدرشنا اسے گھر کے نزدیکی پارک میں لے آئی تھی۔ جہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ بمشکل انہیں ایک کونہ خالی دکھائی دیا۔ گھاس پر ہلکی سی نمی کا احساس ہو رہا تھا۔

لیکن

دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

سدرشنا نے اپنا سر اس کے زانوں پر رکھ دیا تھا اور خود لیٹ گئی تھی۔ وہ بہت پر سکون دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے کوئی جذباتی حرکت نہیں کی تھی۔ سلیم کے بار بار وقت گزرنے کا احساس دلانے کی پرواہ کیے بغیر وہ قریباً آدھی رات تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ ان باتوں میں اس نے اپنا سارا ماضی اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ اپنی نوکری کے سارے "بھید بھاؤ" بتا دیے تھے اور سلیم نے اس گفتگو کے نتیجے میں اپنا اگلا لائحہ عمل بھی طے کر لیا تھا۔

رات ڈھلے وہ گھر پہنچے تو راہول نشے میں دھت ڈرائنگ روم کے صوفے پر ہی خراٹے لے رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے لالہ جی نے بھی ایک دو پیگ لگا لیے تھے کیونکہ وہ بھی وہیں قالین پر خلاف معمول لمبی تان کر سو رہے تھے۔

سدرشنا نے اپنے پاس موجود چابی سے گھر کا تالا کھولا تھا۔ دونوں اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے۔

OO

درندے

صبح اس کی آنکھ فون کی گھنٹی کی آواز سے کھلی تھی جو مسلسل بج رہی تھی۔ پھر شاید سدرشنا نے ہی ہمت کر کے ریسیور اٹھایا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی۔

"راج۔ تمہارا فون ہے لندن سے"

اس نے باہر ہی سے پیغام دیا اور سلیم چھلانگ لگا کر بستر سے باہر نکل آیا۔

"کوئی مسٹر پرکاش ہیں"

دروازہ کھلنے پر جیسے ہی اس کی نظر پرنام کے لیے ہاتھ باندھے سدرشنا پر پڑی اس نے ورا ہی اگلا پیغام دیا۔

"اوہ! کمبخت نے کس وقت تمہاری نیند خراب کر دی۔ اسے کیا ابھی آنا تھا۔ اپنی ماں سے تھینک یو"

اس نے سدرشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بے وقوفوں والی کوئی بات فون پر نہ کرنا"

سدرشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈرائنگ روم میں دھرے فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ سدرشنا کو اس نے رسوئی کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ شاید وہ چائے بنانے چلی گئی تھی کیونکہ آج

خلاف توقع اس کے ماتا' پتا بھی ابھی تک گہری نیند سو رہے تھے۔

"ہیلو"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیوالی مبارک"

دوسری طرف سے آنے والی آواز کو وہ ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ یہ اس کے "باس" تھے اور اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ کال لندن سے نہیں کسی اور جگہ سے کی جا رہی تھی۔

"دیوالی مبارک بڑی جلدی خیال آگیا۔ ابھی پانچ دس دن اور ٹھہر جاتے"

اس نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔

دوسری طرف سے معمول کی دو چار باتیں کرنے کے بعد اس سے مطلب کی گفتگو شروع ہو گئی۔ اسے کرنل جوشی سے ملاقات پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا جا رہا تھا کہ اس مرتبہ "را" کو اس کا سارا قرضہ لوٹانا ہے۔ اور یہ واپسی سود سمیت ہونی چاہیے۔ لیکن سختی کے ساتھ اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ "وائیٹ فلاور" کو ہرگز ہرگز آنچ نہیں آنی چاہیے!!

اس کے باس نے بتایا تھا کہ شمسی کا سب سے نزدیکی دوست یہی کرنل جوشی ہے جس نے حال ہی میں سندھ میں ٹرین میں دھماکہ کروا کر کئی بے گناہوں کی جان لینے کے بعد اس کے ملک کی انٹیلی جنس کو باقاعدہ للکار کر کہا ہے کہ اگر وہ اس کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو بگاڑ کر دکھائیں!!

"اوکے ڈیئر! جلدی کرنا۔ مجھے سخت ضرورت ہے"

اس نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"سدرشنا اس کے نزدیک بھی موجود ہوتی تو اس کے پلے کچھ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ سلیم کی طرف سے جو بھی بات کی گئی تھی وہ حساب کتاب سے متعلق تھی۔

لیکن

اسے سارا منصوبہ سمجھا دیا گیا تھا اور اس یقین کے ساتھ کہ اگر اس کال کو کوئی "ٹیگ" بھی کر رہا تھا تو اس کے پلے کچھ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

سلیم کو "گرین سگنل" مل چکا تھا۔

اسے اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اب اسے روبہ عمل ہونا تھا۔

صبح حسب معمول ناشتے کے بعد وہ لالہ جی کے ساتھ اسی پریس کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنی ساری رقم لالہ جی کو اپنی آمد کے دوسرے ہی روز تھما دی تھی۔ اور لالہ جی اپنی سپتری کے ساتھ بھی وہاں آئے تھے۔ ان لوگوں نے بیٹھ کر معاہدہ لکھ لیا۔ فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے اور پریس کی چابیاں انہوں نے لالہ دوارکا داس کو پکڑا دیں۔

دوسرے روز اس نے لالہ دوارکا داس پر ثابت کر دیا کہ کم از کم اس ملک میں اس جیسا محنتی اور کوئی نہیں۔ رات گئے تک اس نے لالہ جی کے بھرتی کردہ دو مشین مینوں کے ساتھ مل کر خود ساری مشینوں کی صفائی کی تھی اور انہیں چلا کر دکھا دیا تھا۔

لالہ جی اس کی صلاحیتوں پر دنگ رہ گئے تھے!!

انہوں نے شاید اس لمحے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا تھا۔ سلیم کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیونکہ اس سے زیادہ شریف اور محنتی داماد انہیں سارے بھارت میں کہیں مل سکتا تھا!

ایک ہفتے کے اندر اندر لالہ دوارکا داس نے اپنے اثر و رسوخ سے مقامی پولیس ہیڈ کوارٹر سے ایک بڑا پرنٹنگ آرڈر لے لیا تھا۔ جسے ان کی توقعات کے برعکس وقت سے پہلے ہی سلیم نے مکمل کر دیا تھا۔

اس درمیان وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہا تھا!

اس نے حیلے بہانوں سے متعدد مرتبہ سدرشنا سے اس کی نوکری' فرائض اور آج کل ہونے والی کارروائی سے متعلق باتیں کی تھیں۔

لیکن

کیا مجال جو کبھی سدرشنا کے دماغ میں دور دور تک اس سے متعلق کوئی شائبہ بھی پیدا ہوا ہو۔ وہ ایسی فضا پیدا کر دیتا تھا جس میں سدرشنا اسے انتہائی رازداری سے بہت سی کی باتیں بتا دیا کرتی تھی۔ یہ تمام باتیں اس کے دل پر ہی نقش نہیں ہو رہی تھیں بلکہ اس کے ملک تک بھی برابر پہنچ رہی تھیں!!

اس درمیان دو مرتبہ سدرشنا نے اسے اپنے آفس آنے کی دعوت دی تھی۔ نہ اس نے جان بوجھ کر کام کا بہانہ کر کے ٹرخا دیا تھا۔

لیکن

آج اسے سدرشنا کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

"ایسی تیسی میں گیا تمہارا پریس اور تم۔ آج مجھے اگر اغوا کر کے بھی لے جانا پڑا تو میں تمہیں لے جاؤں گی۔"

اسی روز سدرشنا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اچھا یار تم بھی کیا یاد کرو گی کس سخی سے پالا پڑا تھا۔ چلو آج تمہارے آفس کی یاترا بھی کر ہی لیں۔"

اس نے سدرشنا سے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا تعارف اپنے پتاجی کے سورگباش دوست کے بیٹے اور اپنے بوائے فرینڈ کی حیثیت سے کراؤں گی۔ آج کل تم ہمارے ساتھ بزنس پارٹنر ہو اور بڑے زبردست وطن دوست بھی۔ میرے خیال سے یہ تینوں باتیں صحیح رہیں گی؟"

اس نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

"بھئی جو فیصلہ تم نے کیا ہے ٹھیک ہی ہو گا۔ بے فکر رہو میری وجہ سے تمہیں شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ تمہارا کرنل جوشی ہو گا وہاں؟"

سلیم نے پوچھا۔

"ان سے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔ آج کل ہمارے ہاں سرحد پار سے کچھ گدھے آئے ہوئے ہیں۔ ان سے ملاقات ہو جائے گی۔

والی زبانی وہاں کے حالات بھی سن لینا اور دیکھنا کہ ہم نے کتنی کامیابی سے ان کے دماغوں میں اپنی ہی دھرتی ماتا کے خلاف زہر بھرا ہے۔ راج یہ سب لوگ ہمارے ٹائم بم ہیں۔ وہاں جہاں یہ پہنچیں گے' دشمن کو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ بس تم ایک بات کا خیال رکھنا ان سے زیادہ سوالات نہ کرنا۔ صرف ان کی باتیں سننا اور دیکھنا کہ ہم نے انہیں کیا سے کیا کر دیا ہے۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ ہمارے کرنل جوشی کتنے زبردست آدمی ہیں۔"

سدرشنا نے اسے بریفنگ دینے کے انداز میں کہا۔

"اچھا بابا۔ اب کچھ وہاں کے لیے بھی چھوڑ دو سب کچھ کیا یہیں بتا دو گی۔"

سلیم نے بظاہر لاپرواہی سے کندھے اچکتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اندازہ نہیں راج تم کتنے خوش قسمت ہو۔ جہاں تم جا رہے ہو وہاں تو چڑیا پر نہیں مار سکتی۔ یہ تو پیسا کی وجہ سے وہ لوگ ہمارے خاندان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ورنہ کسی کی مجال نہیں۔ بس تم سے پہلے دو مرتبہ راہول میرے ساتھ یہاں آیا ہے۔ لیکن وہ بیوقوف ان باتوں کی اہمیت کو کیا سمجھے گا۔ تمہاری تو بات ہی اور ہے ناں۔"

اس نے راج کے زانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

قریباً ایک گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد وہ دہلی کے مشرق میں دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد ایک مضافاتی علاقے میں پہنچے تھے جس کا نام "شکار پور" تھا!

شکار پور یوں تو دہلی کا حصہ ہی تھا۔

لیکن

یہ اس کے لیے بھی بالکل نئی دریافت تھی۔ سلیم کو آج علم ہوا تھا کہ "را" نے یہاں بھی کوئی تخریب کاری کی تربیت کا کیمپ بنا رکھا ہے۔ اس نے یہاں داخل ہونے پر پہلی ہی نظر میں اندازہ کر لیا تھا کہ اس علاقے کے چاروں طرف سکیورٹی انتظامات بہت مضبوط ہیں۔

جیسے ہی وہ اس مخصوص بلڈنگ کی طرف بڑھے جس پر دہلی کے کسی ریسرچ سنٹر کا بورڈ لٹک رہا تھا۔ انہیں پہلے ہی گیٹ پر روک لیا گیا۔ روکنے والے حالانکہ اس جگہ کے

چوکیدار دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن

سلیم اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ تربیت یافتہ کمانڈوز تھے۔

"ہیلو گرپوال"

"ہیلو سدرشنا جی"

سدرشنا نے روکنے والے کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا جواب میں اس نے بھی سدرشنا کو تعظیم دی۔

"یہ کون ذات شریف ہیں"

گرپوال نے جو تیس پینتیس سال کا نوجوان دکھائی دے رہا تھا بے تکلفی سے پوچھا۔

"مجھے تو شرم آتی ہے۔ آپ ہی بتا دیجئے ناں"

سدرشنا نے سلیم کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"تم تو جانتی ہو میں پچپن ہی سے بہت شرمیلا ہوں"

سلیم نے بھی ماحول کی شگفتگی کو برقرار رکھا۔

"اچھا دیوی جی۔ نہ بتائیے ہم آپ دونوں کو شرمندہ نہیں ہونے دیں گے۔ ویسے بائی دی وے بڑی زبردست اسامی ماری ہے"

گرپوال نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔ شاید وہ اس کا کوئی قریبی ساتھی تھا۔

"تھینک یو گرپوال"

سدرشنا یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

○○○

گرپوال نے اپنے ہاتھ میں پکڑے واکی ٹاکی پر شاید وہاں کوئی پیغام دیا تھا کیونکہ جیسے ہی وہ عمارت کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ وہاں گارڈ روم سے ایک نوجوان باہر آیا جس نے سدرشنا کو پہچان کر پرنام کرتے ہوئے ایک پلاسٹک کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

جس پر انگریزی میں "وزیٹر" لکھا تھا۔

"اسے اپنے کوٹ کی جیب پر لگا لو یا جہاں دل چاہے لگا لو تمہیں مکمل آزادی ہے"

اس نے ہنستے ہوئے وہ پلاسٹک کارڈ سلیم کی طرف بڑھایا اور گاڑی آگے لے گئی۔

باغات کے ایک سلسلے سے جس کے درمیان سڑک اور پیدل چلنے کا راستہ بنایا گیا تھا وہ بڑے گیٹ تک پہنچ گئے۔

یہ گویا ایک بڑی چاردیواری کے اندر دوسری چار دیواری تھی۔ جس میں ان لوگوں کے رہائشی کوارٹر تھے۔ سلیم نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہاں سکیورٹی کا بالکل وہی انداز اپنایا گیا ہے جو کسی خطرناک قیدیوں والی جیل میں ہوتا ہے۔ لکڑی اور لوہے کا وہ بڑا دروازہ خود بخود کھل گیا۔

سلیم نے کنکھیوں سے جائزہ لے لیا تھا کہ گیٹ کے دونوں کناروں پر دیوار میں بڑے بڑے برج بنے ہوئے تھے۔ جہاں مستعد پہرے دار موجود تھے۔ شاید ان لوگوں نے اسے پہچان لیا تھا یا پھر انہیں گارڈ روم سے ہدایت مل چکی تھی۔

گیٹ کے اندر ایک کوتے پر وسیع پارکنگ موجود تھی اور دوسری طرف کمروں کی طویل قطار جس کے پیچھے پھر خالی قطعہ دکھائی دیتا تھا اور اس کے آگے اونچی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ شاید دوسری طرف کوئی چھوٹا سا میدان موجود تھا۔

کار پارکنگ کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر وہ سلیم کا ہاتھ پکڑے جیسے ہی بڑے سے ہال نما کمرے میں داخل ہوئی وہاں پہلے سے موجود چار پانچ لڑکیوں نے "ہیلو" کا نعرہ بلند کیا اور باری باری دونوں سے گرم جوشی سے مصافحہ کرنے لگیں۔ تمام لڑکیوں نے حسب توفیق ایک دو جملے محترمہ سدرشنا پر سلیم کے حوالے سے کس دیے تھے۔ جیسے ہی اس نے سلیم کا تعارف راجکمار کی حیثیت سے کروایا بس سب کورس کی شکل میں ایک گانا گانے لگیں۔ جس میں راجکمار کا ذکر آتا تھا پھر درباریوں کی طرح کورنش بجالاتے ہوئے انہوں نے راجکمار کو وہاں ایک کونے میں رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کے لیے کہا اور وہ مسکراتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

کروانے کی ترغیب دینے کے طریقے شامل تھے۔

ان لوگوں کی تربیت کا انداز بتا رہا تھا کہ یہ صرف پیسوں کے لیے نوکری نہیں کر رہے بلکہ ان کے دلوں میں پاکستان کے خلاف زہر بھرا گیا ہے اور یہ اپنا زہر اب پاکستان اور موجود آستین کے سانپوں کے ذریعے پاکستانی قوم میں منتقل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

قریباً ایک گھنٹے تک وہ ان نوجوانوں سے جو اس کی باتوں سے زیادہ دلچسپی اس کے جسم میں لے رہے تھے بڑے دوستانہ انداز میں باتیں کرتی رہی۔ اس کا تربیت دینے کا انداز اتنا دلنشین تھا کہ سلیم کے اندازے کے مطابق اس کے شاگرد اس کے اشارے پر اپنی جان بھی دے سکتے تھے!!

سلیم بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا اس درمیان اس نے اپنے ذہن کے کمپیوٹر میں ان کی تصاویر اتارنا شروع کر دی تھیں۔ اس نے ان کے نام ازبر کر لیے تھے۔ ان سب کا تعلق ایک ہی شہر سے تھا اور سلیم بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ سب ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ جو غدار وطن فروش شمسی کی پارٹی کے سوا اور کون سی پارٹی ہو سکتی تھی!!

تھوڑی دیر بعد اس نے ایک لڑکی کو ان کمروں سے برآمد ہوتے دیکھا جس کے ہاتھ میں چھوٹی سی گھنٹی پکڑی ہوئی تھی اور وہ مسخروں کی طرح ہر میز کے نزدیک رک کر گھنٹی بجانے لگتی تھی۔

آخر میں وہ ان کے نزدیک بھی آئی۔

چائے تیار ہے صاب"

اس نے گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

"چلو بھئی چائے پی لیں"

سدرشنا نے کہا اور سب اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

باقی سب لوگ بھی اس طرف جا رہے تھے۔ سلیم نے نوٹ کیا سدرشنا کے علاوہ قریباً سب ہی لڑکیوں نے اپنے دونوں بازو دو دو نوجوانوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے اور وہ

وہ قسم کا ہنسی مذاق کرتے اس طرف جا رہے تھے۔

سب لوگ ایک اور ہال نما کمرے میں پہنچ گئے جہاں چائے اور سنیکس بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ ان غداروں کے ساتھ "را" کا سلوک ایسا تھا جیسے وہ ان کے "آقا" ہوں۔ سلیم نے یہاں ایک بات بطور خاص محسوس کی تھی کہ اس کی طرح پانچ چھ اور لڑکے لڑکیوں نے بھی "وزیٹر" کا کارڈ اپنے سینوں پر سجا رکھا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اکیلا یہاں وزیٹر نہیں ہے اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ "را" کے اس "تخریب کار ٹریننگ مرکز" میں کسی کو بلا مقصد نہیں لایا جا سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی سلیم کی طرح صرف شوق شوق میں یہاں چلے آئے ہوں۔

لیکن

اس کا دماغ یہ بات تسلیم نہیں کرتا تھا کہ محض یہ کچھ دیکھنے کے شوق میں ہی ان لوگوں کو یہاں لایا گیا ہو۔ ضرور ان کا "را" نے کوئی اور استعمال بھی سوچا ہو گا۔

اچانک ہی سامنے والا دروازہ کھلا اور اس مرتبہ جن شخصیات پہ اس کی نظر پڑی اسے دیکھ کر سلیم دم بخود ہی رہ گیا۔

○○○

یہ شمسی تھا۔

جس کے ساتھ قریباً دس اور لوگ بھی تھے۔ ان میں سے بیشتر وہ چہرے تھے جن سے اخبارات کے ذریعے ایک پاکستانی ہونے کے ناطے سلیم کی شناسائی تھی۔ اس کے لئے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ ان لوگوں میں دو ایسے چہرے بھی موجود تھے جن کی اپنے ملک میں شناخت شمسی کے مخالفین کی حیثیت سے کی جاتی تھی یہ لوگ وہاں ایک دوسرے کے خلاف اخبارات میں بیانات جاری کرتے رہتے تھے۔ سلیم کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اپنی آمد سے چند روز پہلے ہی جس عشرت بیگ کا بیان شمسی کے خلاف پڑھا تھا وہ شمسی کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اندر داخل ہوا تھا۔

"خدایا۔۔۔۔۔ میرے وطن کو ان موذیوں سے بچانا"۔

اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔

ان لوگوں کی آمد کرنل جوشی اور اس کے دو ماتحتوں کے ساتھ ہوئی تھی ان کی
پر نظر پڑتے ہی یہاں موجود سب لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کر دی تھیں۔ سشمی نے
پیشہ ور بندروں کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر ان کا شکریہ ادا کیا تھا پھر اس نے اپنی جگہ کھڑے
کھڑے تقریر شروع کر دی۔ سب سے پہلے تو اس نے عشرت بیگ کو مبارک باد دی کہ
اس پارٹی کے نوجوانوں نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے اور سندھ میں مسافر ٹرین میں
ہونے والی تخریب کاری کی تفصیلات بیان کرنے لگا جس کے بعد اس نے کرنل جوشی کا
شکریہ ادا کیا جس کی تربیت اور محنتوں کے نتیجے میں ان لوگوں نے یہ "کامیابیاں" حاصل کی
تھیں۔

سشمی وہاں موجود نوجوانوں کو مستقبل کے سنہرے خواب دکھلاتے ہوئے بندروں کی
طرح اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا کہ اگر وہ اس طرح مستقل مزاجی سے اپنے کام میں لگے
رہے تو وہ دن جلد ہی آنے والا ہے جب وہ ساحل سمندر کے کنارے ایک ایسے آزاد ملک
کے باشندے ہوں گے جہاں کا ہر شہری شہزادوں والی زندگی بسر کرے گا۔۔۔۔۔

اس نے مستقبل کی ایسی شاندار تصویر کھینچی تھی جسے سن کر ہر خواہشات کے غلام
کے منہ میں پانی آ جاتا تھا۔ اس نے ان نوجوانوں کو بتایا تھا کہ ان کا ملک یورپ کی طرح
آزاد اور "سیکس فری" ملک ہو گا جہاں مولوی کا وجود بھی برداشت نہیں کیا جائے گا اور
جہاں نوجوانوں کو اپنی مرضی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت ہو گی۔

پندرہ بیس منٹ تک اس کی لاف گزاف جاری رہی جس کے بعد اس نے بازو پکڑ کر
کرنل جوشی کو وہاں کھڑا کر دیا۔

OOO

ایک مرتبہ پھر زوردار تالیاں بجنے لگیں۔۔۔۔

اب کرنل جوشی زہر اگل رہا تھا۔ اس نے سشمی سے دو ہاتھ آگے بڑھ کر بات کی تھی
ان لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ وقت آنے پر وہ بھارتی فوج کو اپنے شانہ بشانہ پائیں گے
اور اب بھی بھارت کے دروازے ان کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ اس نے یہاں موجود
لوگوں سے کہا تھا کہ وہ اپنے زیادہ سے زیادہ ساتھیوں کو بھارت میں لائیں تاکہ انہیں
تربیت دے کر صف آرا کیا جا سکے۔ اس نے سشمی کی پارٹی کے تین آدمیوں کے نام لے
کر کہا تھا کہ وہ جب بھی اپنے کسی عزیز کو بھارت بھیجنا چاہیں ان سے رابطہ کریں۔

سلیم کو تینوں شیطانوں سے متعلق پہلے بھی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

لیکن

ان کی نئی واردات کا علم اب ہوا تھا۔ سلیم نے بطور خاص یہ بات نوٹ کی تھی کہ
عشرت بیگ جتنی دیر وہاں رہا وہ للچائی ہوئی نظروں سے وہاں موجود سم برہنہ لڑکیوں کو دیکھتا
رہا۔ شاید اس کے لئے یہاں سب سے زیادہ دلچسپ چیز وہی تھی۔

اب وہ لوگ یہاں موجود باقی لوگوں میں گھل مل گئے تھے۔

سشمی تو بطور خاص ہر لڑکے سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کر کے اس کا حال احوال
دریافت کر رہا تھا اور عشرت بیگ زیادہ توجہ حسب عادت لڑکیوں پر دے رہا تھا۔

کرنل جوشی اور اس کے دونوں ماتحت بھی یہیں موجود تھے جب اس نے ایک لمبے
تڑنگے سیاہ فام کو سیدھا اپنی طرف آتے دیکھا۔

"ہائے سدرشنا۔۔۔۔۔"

اس نے اچانک ہی سدرشنا کے سرہانے پہنچ کر کہا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔"

سدرشنا نے اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر کہا اور سلیم نے اس کے لہجے سے اندازہ کر
لیا کہ وہ اس شخص سے شدید نفرت کرتی ہے۔

"ہیلو۔۔۔۔۔ آئی ایم کیپٹن "شرما"

اس نے سلیم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔ آئی ایم راجکمار۔۔۔۔۔"

سلیم نے بھی قدرے بے رُخی سے ہاتھ ملایا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔۔۔۔۔ سدرشنا جی ہماری پرانی دوست ہیں۔؟"

"یہ میرے منگیتر ہیں۔"

اچانک ہی سدرشنا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا مذاق کر لیتی ہو بھئی"

کیپٹن شرما نے قہقہہ لگایا۔

لیکن

اس سے پہلے کہ وہ دوسری کوئی بات کہے۔ سدرشنا سلیم کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے دوسری طرف چلی گئی جہاں کرنل جوشی لڑکیوں کے درمیان راجا اندر بنا کھڑا تھا۔

"ہائے۔۔۔۔۔ ینگ لیڈی۔ کیسی ہو بھئی۔۔۔۔۔ اور یہ سمارٹ لڑکا کون ہے۔ اچھا وہی راجکمار جس سے اس روز ملاقات ہوئی تھی۔۔۔۔۔ ویل ڈن۔۔۔۔۔ بڑی فاسٹ جا رہی ہو بھئی۔۔۔۔ مبارکباد۔۔۔۔۔"

کرنل جوشی نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں کہہ دیں۔

"تھینک یو سر۔"

سدرشنا نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔

وہ کرنل جوشی سے بڑی متاثر دکھائی دیتی تھی۔

کرنل نے ہنستے ہوئے اس کی خیریت بھی سلیم سمیت دریافت کر لی تھی اور اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کی شاگرد سلیم کے فن مارشل آرٹس سے بہت متاثر ہے۔

"کسی روز دیکھیں گے۔۔۔۔۔"

کرنل نے اس کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سر! ضرور۔۔۔۔۔ لیکن آج کل تو میں پریکٹس نہیں کر رہا۔۔۔۔۔"

سلیم نے بھی انکساری دکھائی۔

"تو کرو ناں مہاشے۔۔۔۔۔ ہم تو تمہیں اپنی ٹیم کا ممبر بنانے کی سوچ رہے ہیں۔۔۔۔"

کرنل نے مسکراتے ہوئے اسے ٹٹولنے کے انداز میں کہا۔

"میرا سوبھاگیا ہو گا سر! اگر میں اپنے دیش کی کوئی سیوا کر سکوں۔"

سلیم نے قدرے گرم جوشی دکھائی۔

"ویل۔۔۔۔۔ ویل۔۔۔۔۔ دیکھیں گے۔ وقت آنے پر دیکھیں گے۔"

یہ کہہ کر کرنل جوشی آگے بڑھ گیا۔

"یہ کون سا طریقہ تھا جناب تعارف کروانے کا۔۔۔۔۔"

سلیم کو اب موقعہ ملا تھا اور اس نے کیپٹن شرما سے سدرشنا نے اس کا جس طرح تعارف کروایا تھا اس بات کو دہراتے ہوئے کہا۔

سدرشنا نے اس طرح جارحانہ انداز میں اس کو منگیتر کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا کہ وہ چند لمحوں کے لئے گڑبڑا کر ہی رہ گیا۔

یہ تو اچانک کرنل جوشی کی آمد نے اس کی توجہ ہٹا دی تھی ورنہ وہ ابھی تک اس "مادھاتی تعارف" سے سنبھل نہیں پایا تھا۔

"سالا! عاشق بنتا ہے بڑا۔۔۔۔۔ گدھے کی اولاد۔ کرنل جوشی کا اسسٹنٹ کیا ہوا ہر لڑکی کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتا ہے اور کرنل صاحب بھگوان جانے انہیں اس میں کیا دکھائی دے رہا ہے۔۔۔۔۔ ویسے بائی دے وے۔ آپ کو کیا تعارف کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔۔۔۔۔"

اس نے سوالیہ انداز سے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے دوبارہ گیند اسی کے کورٹ میں واپس پھینک دی۔

"سدرشنا اگر تم نے یہ سب کچھ مذاق میں کہا تھا تو بھی مجھے بہت اچھا لگا۔۔۔۔۔"

اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"بس۔۔۔۔ بس اب زیادہ جذباتی نہیں ہونا ہمیں ابھی ایک اور مہم سر کرنی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اس کا بازو تھامے دوسرے کمرے کی طرف مڑ گئی جہاں اس کے شاگرد موجود تھے۔ یہ لوگ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں کا تعلق پاکستان کے معروف شہروں سے تھا۔

یہ وہ نوجوان تھے جنہیں یونیورسٹیوں سے فراغت کے بعد نوکریاں نہیں ملی تھیں اور جو اپنے گھرانوں کی اُمید تھے جن کی ماؤں نے اپنی جوانیاں اس انتظار میں تیاگ دی تھیں کہ ان کے بچے جوان ہو کر ان کا سہارا بنیں گے اور ان کی ساری محرومیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

لیکن

ان نوجوانوں کے شاندار تعلیمی کیریئر کے باوجود انہیں نوکریاں نہیں مل سکی تھیں۔ ہر مرحلے پر ان کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور بے اعتنائیوں نے ان کی سوچ کو منفی بنا دیا تھا۔ وہ گمراہ ہو گئے تھے اور جرائم کی دنیا میں داخل ہونے کے بعد انسان سے درندے بن گئے تھے۔

ایسے "فرسٹریٹڈ" نوجوان ہی "را" کا بہترین شکار ہوا کرتے تھے۔

انہیں ترغیب دلا کر پہلے "را" کا پہلے سے موجود کوئی ایجنٹ عیاشی کے بہانے بھارت میں لے آیا کرتا تھا۔ جہاں ان پر لذت کام و دہن کی ساری راہیں وا کر دی جاتی تھیں اور انہیں بتایا جاتا تھا کہ اگر وہ "را" کے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے معاشی اور جسمانی مسائل ضرور حل ہو جائیں گے۔

سدرشنا جیسی لڑکیاں حادثاتی طور پر دہلی میں ان سے ٹکرا جاتی تھیں جو اپنی جسمانی لذت کی ایسی چاٹ لگا دیتی تھیں کہ گمراہی کی اس دلدل سے پھر ان کا واپس لوٹ آنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

اپنی سیاسی قیادت کے گھناؤنے کردار دیکھ کر یہ نوجوان پہلے ہی بہت بدظن ہو چکے تھے۔ ان کے نزدیک حب الوطنی کا کوئی معیار ہی نہیں رہ گیا تھا۔۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ

ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جاتی ہے اور درندوں کی اس بستی میں انسانی لاشوں کے ساتھ جینا جہالت کے علاوہ کچھ نہیں کہلاتا ہے۔

"را" کے ماہرین نفسیات ان کے کچے ذہنوں میں اپنے ملک و قوم کے خلاف ایسے زہریلے نظریات انجکٹ کر دیتے تھے کہ پھر ساری زندگی وہ انہی کے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے رہتے تھے۔

سدرشنا کی گاڑی یہیں رہ گئی تھی۔

وہ اپنے پانچوں شاگردوں کو "را" کی ایک خوبصورت اور آرام دہ ویگن میں سیر کرانے اور لنچ کھلانے لے جا رہی تھی۔

یہ اس کی آج کی ڈیوٹی تھی۔

اس نے ان لوگوں کو شاپنگ بھی کروائی تھی اور انہیں اپنی مہمان نوازی کا اتنا گرویدہ کر لینا تھا کہ پھر بار بار اس سے ملنے کی تمنا کریں۔

سلیم اور سدرشنا ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور پانچوں گدھے ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ان کی طرف دیکھ دیکھ کر خوامخواہ مسکرا رہے تھے۔

ان نوجوانوں کو جو بظاہر میں عام سے نوجوان نظر آ رہے تھے سلیم بخوبی پہچان کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ آج انہوں نے جن خطرناک دھماکوں کی تربیت حاصل کی ہے ان میں سے اگر ایک دو بھی کامیاب ہو گئے تو ملک میں افراتفری پھیل جائے گی۔

اسے ہر ممکن کوشش کرنی تھی کہ ان لوگوں کو کسی بھی گھناؤنے منصوبے پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے اور یہ سب کچھ اتنے معصومانہ طریقے سے ہو کہ "را" کا دھیان اس کی طرف جا ہی نہ سکے۔"

وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب اچانک اسے اپنے بازو پر سدرشنا کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا "کہاں کھو گئے مہاراج جی۔"

اس نے سلیم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے حسن میں"

سلیم نے اس کے کان میں جھکتے ہوئے سرگوشی کی اور اس کے کانوں کی لوئیں لگیں۔

○○○

کبھی کبھی اسے حیرانگی ہوتی تھی کہ "را" کی تربیت یافتہ ہونے کے باوجود ابھی سدرشنا میں نسوانیت اور مشرقیت زندہ کیسے رہ گئی تھی پھر وہ خود ہی ایک نتیجے پر پہنچ مطمئن ہو جاتا کہ انگریزی کے مقولے کے مطابق گنجائش ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔

کناٹ پیلس آگیا تھا۔

ویگن ایک فور سٹار ہوٹل کے لان میں پارک ہو رہی تھی۔

شاید ان کے لئے سیٹ پہلے ہی سے ریزرو تھی۔ ڈرائیور باہر ہی رہ گیا تھا اور وہ سا اندر چلے آئے۔

سدرشنا کی شکل پر نظر پڑتے ہی ہوٹل کا مینجر جو اس وقت ڈائننگ ہال میں ہی موجود تھا قریباً بھاگتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

"دس وے میڈم"

اس نے مودب لہجے میں ایک طرف اشارہ کیا۔

ہوٹل کے شاندار ہال کے ایک کونے میں ایک بڑی میزان کے لئے مخصوص تھی۔ یہاں بطور خاص شاید دہلی کی خوبصورت ترین ویٹرس کو "سروس" کے لئے رکھا گیا تھا۔ ایک خوبصورت ویٹرس نے ان سے آرڈر وصول کیا۔

سلیم کو ان میں سے ہر ایک پر شک گزر رہا تھا کہ یہ لوگ ضرور کسی نہ کسی حوالے سے "را" سے تعلق رکھتے تھے اور "را" کے مہمانوں کو بھی "را" ہی کے میزبان ڈیل کیا کرتے تھے۔

سدرشنا نے پانچوں کے لئے پہلے پیٹیز منگوائی۔ شاید وہ اب تک اس کے عادی ہو چکے تھے اور مدیدے بچوں کی طرح اس پر جھپٹے تھے۔

بڑا پر تکلف لنچ تھا۔

تین کورس دیئے گئے تھے۔

لنچ پیش کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بہت بڑے "وی آئی پی" ہوں۔ سلیم نے ایک اندازہ بخوبی لگا لیا تھا کہ "را" نے ان بد قسمت نوجوانوں کو گمراہ کر کے اپنے ملک و قوم کے خلاف غداری کروانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ان کے چاؤ چونچلے ایسے اٹھا رہے تھے جیسے ہندو معاشرے میں دامادوں کے کئے جاتے ہیں۔

لنچ کے بعد وہ لوگ کناٹ پیلس میں گھومتے رہے۔ اس دوران انہیں سدرشنا نے شاپنگ بھی کروائی تھی اور انہوں نے بلا جھجک شاپنگ کی تھی۔

"انکل آج اکیلے پریس پر پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

اس نے سدرشنا کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔

"اچھا بھئی چلتے ہیں بس ان لوگوں کو ان کے ہوٹل تک ڈراپ کرنا ہے اور آفس سے اپنی گاڑی لے کر گھر جانا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ تم کیا ہر وقت انکل انکل کی رٹ لگائے رکھتے ہو۔ اس وقت بھی تم کسی اور کے نہیں انکل کی سپتری کے ساتھ ہو۔"

سدرشنا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔

اس ہنسی کے پیچھے طمانیت کا یہ احساس موجود تھا کہ ان لوگوں کے کم از کم یہاں کے جانے کا تو علم ہو جائے گا جس کے بعد ان کے بچ نکلنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

"چلیئے شریمتی جی۔۔۔۔ جو آپ کی مرضی۔"

اس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی ویگن پھر دہلی کی سڑکوں پر بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اس مرتبہ ان کی منزل دہلی کا وہ علاقہ تھا جو عموماً پاکستانیوں کا مسکن بنا کرتا تھا۔

دریا گنج کے راستے وہ لوگ دہلی گیٹ پہنچے تھے جہاں "چیتلی قبر" کے نزدیک ہی "براڈوے ہوٹل" میں ان لوگوں کا قیام تھا۔

ویگن سیکورٹی کے اصولوں کے مطابق دور ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

"آیئے ناں۔ ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پی کر جائیں"

ان کے لیڈر فیاض نے پیشکش کی۔

"نہیں شکریہ پھر کبھی سہی"

سدرشنا نے ٹرخانا چاہا۔

"ارے۔ کیوں نہیں بھئی ہم اپنے دوستوں کو مایوس تو نہیں کر سکتے ناں۔ آؤ لیکن فیاض صاحب' جلدی ورنہ میم صاحب سے مجھے بہت مار پڑے گی"

اس نے فیاض کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"سرا بس پندرہ بیس منٹ ذرا میرے ساتھیوں کا دل خوش ہو جائے گا"

اس نے سدرشنا کے نزدیک پہنچ کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

سدرشنا نے پہلے عجیب سی نظروں سے جن میں بناوٹی غصہ اور شرارت موجود تھی سلیم کی طرف دیکھا پھر فیاض کی طرف دیکھ کر "اوکے" کہہ دیا۔

اس نے وہیں ڈرائیور کو کچھ ہدایات دی تھیں کہ وہ ان کے ہوٹل میں چلا آئے۔ سلیم نے یہاں آنا اس لیے ضروری سمجھا تھا کہ سدرشنا نے کہیں ان کے نام غلط نہ بتا دیے ہوں۔ یا پھر ان لوگوں نے خود اپنے نام غلط نہ بتائے ہوں۔

لیکن

یہاں پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ یا تو "را" والے ضرورت سے زیادہ چالاکی کے مرض میں مبتلا ہیں یا پھر شدید غلط فہمی یا خوش فہمی کے شکار ہیں کہ ان کے یہی نام تھے۔

سب لوگ فیاض کے کمرے میں بیٹھ گئے تھے جہاں اس نے سب سے پہلے تصاویر کا ایک بنڈل انہیں تھما دیا۔ یہ وہ تصویریں تھیں جو انہوں نے وہاں کے مختلف تفریحی مقامات پر کھینچی تھیں...!

سدرشنا نے تو بظاہر ان کی تصاویر میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔

لیکن

سلیم یہی تاثر دے رہا تھا جیسے اسے یہاں سوائے سدرشنا کے اور کسی میں کوئی دلچسپی نہیں اور اس نے یہ تصویریں بھی بادل نخواستہ سدرشنا کے کہنے پر ہی ملاحظہ فرمائی تھیں....

چائے آ گئی تھی۔

انہوں نے دونوں کی خدمت میں اس طرح چائے پیش کی تھی جیسے وہ ان کے پیر ہوں۔ پندرہ بیس منٹ میں سارا کام مکمل ہو گیا اور وہ ان سے رخصت ہو رہے تھے۔

"اتنی بددلی کیوں دکھائی جا رہی تھی تصاویر کے معاملے میں"

سدرشنا نے ویگن کی طرف جاتے ہوئے دریافت کیا اور سلیم نے اندازہ لگا لیا کہ "را" نے اس کی اچھی تربیت کی ہے ایک پیشہ ور انٹیلی جنس ایجنٹ کی طرح وہ عام انسانی رویوں پر بھی گہری نظر رکھتی تھی۔

"آپ جو اتنی دلچسپی کا اظہار فرما رہی تھیں پھر میری کیا ضرورت تھی"

"سلیم نے بظاہر چڑ جانے کے انداز میں جواب دیا۔

"تو یہ بات ہے۔ کیا ارادے ہیں حضور کے"

اس نے ستانے کے سے انداز میں سلیم کے کندھے پر جھکتے ہوئے آنکھ دبائی۔

"دیکھیے محترمہ۔ باقی سب ٹھیک ہے ڈیوٹی کے تقاضے اپنی جگہ' لیکن ابھی میں اتنا بیمار نہیں ہوا کہ آپ میں کسی اور کی دلچسپی برداشت کر سکوں"

سلیم نے بظاہر معمول کے انداز سے کہا۔

لیکن

سدرشنا نے بڑی بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بڑے دلنشین انداز میں سر ہلاتے ہوئے "شکریہ" کہا تھا۔

○○○

گھر پہنچنے پر اسے موسی جی کی طرف سے پہلی خبر یہ ملی تھی کہ "پرکاش" نے لندن سے فون کیا تھا اور وہ اب ایک گھنٹہ بعد فون کرے گا۔

"شاید کام ہو جائے گا۔"

سلیم نے فوراً ہی تبصرہ کیا۔

"کس کا؟"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور ہنستی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یہ "پرکاش" ہی تھا۔

"کل 10 بجے یا پھر 4 بجے" تین مورتی ہاؤس پر ہندو میموریل میوزیم کے ٹکٹ گھر کے نزدیک "ہیرو" کا انتظار کرنا۔"

ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد دوسری طرف سے حکم ملا اور اس نے "رام رام" کہہ کر فون بند کر دیا۔

"یہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔ خیر دیکھتا ہوں میں بھی"

اس نے موسی جی کے سامنے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا۔ تو کیوں پریشان ہو رہا ہے۔ مل جائیں گے تیرے پیسے بھاگے تو نہیں رہے۔ اچھا بھلا بزنس چل رہا ہے بھگوان کی دیا سے پھر تو کیوں گھبراتا ہے۔"

"ہاں راجکمار۔ کیوں بے چارے اپنے دوست کو فون کا خرچ کرواتے رہتے ہو۔"

سدرشنا نے کہا جو اپنا منہ دھونے کے بعد شاید اس پر کوئی لوشن مل کر باہر آئی تھی جس کی خوشبو سارے کمرے کو مہکا رہی تھی۔

"اچھا جی۔ وہ سالا ابھی سے بے چارہ ہو گیا۔ ارے اس کے تو باپ نے کبھی ٹیلی فون پر کچھ خرچ نہیں کیا۔ ادھر سب دو نمبر کا کام ہے میڈم۔ یہ ساری کالیں سرکار کے کھاتے میں جا رہی ہیں۔ سرکار کے۔ سمجھی آپ۔"

سلیم نے بظاہر چڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا حضور برا مت مانیئے۔"

سدرشنا نے صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

"میں پریس جا رہا ہوں۔"

اس نے سدرشنا سے کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو مجھے بھی کچھ کام ہے اسی طرف تمہیں ڈراپ کرتی جاؤں گی۔"

سدرشنا نے اسے رکنے کو کہا۔

وہ شاید فون پر اپنی سہیلی سے کوئی بات کر رہی تھی پھر اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔

"حیرت ہے یہ لوگ اپنی دھرتی ماتا کے خلاف کس طرح کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے دیش کی انٹیلی جنس کو اس بات کا علم نہیں۔"

اس نے یونہی کار میں بیٹھتے ہوئے سدرشنا سے پوچھ لیا۔

اس کے سوال کے جواب میں سدرشنا نے ایک قہقہہ بلند کیا پھر اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"ہے مگر ان کے دیش کے حکمرانوں نے اپنی انٹیلی جنسوں سے سارا کام چھڑوا کر انہیں ایک دوسرے کی برائیاں تلاش کرنے پر لگا دیا ہے۔ اور ان لوگوں کو سیاستدانوں کی کرپشن دیکھ دیکھ کر خود کو بھی کرپشن کا شوق چرانے لگا ہے۔ تم اخبار نہیں پڑھتے۔ وہاں کے حکمران اور اپوزیشن دونوں اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں پر ہی الزام لگاتے رہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے اصل کام کے بجائے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہتے ہیں۔ راجکمار اچھا ہے۔ بہت اچھا ہے وہاں کی حکومت جب تک اپنے ملک کی سلامتی کے ذمہ دار اداروں کو صرف اپنے اقتدار کی سلامتی کے لیے استعمال کرتے رہیں گے ہم اپنا الو ضرور سیدھا کرتے رہیں گے۔ ہم ان نوجوانوں کو اغوا کر کے نہیں لائے۔ یہ اپنی مرضی سے آتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہم انہیں لالچ دیتے ہیں۔ ترغیب دیتے ہیں لیکن بہرحال وہ یہ کام اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔"

اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"بھئی تم بہت ہوشیار لوگ ہو۔ واقعی تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا"

سلیم نے بظاہر اسے شاباش دینے کے انداز میں کہا۔

"لیکن تم تو بگاڑنے جا رہے ہو نارائن جی۔"

سدرشنا نے اس کے منہ کے نزدیک اپنا منہ لے جا کر کہا تو ایک لمحے کے سناٹے میں آگیا۔

لیکن

دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گیا۔

"یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے شریمتی جی۔"

اس نے بھی اس لہجے میں کہا۔

سلیم کو پریس کے نزدیک اتار کر وہ چلی گئی تھی۔"

○○○

اس نے لالہ جی کو گھر بھیج دیا اور خود مشینوں کا چارج سنبھال لیا۔ لالہ جی واقعی بڑے کام کے آدمی تھے انہوں نے اپنے محکمے سے اچھا خاصا آرڈر لے لیا تھا اور اب وہ ایک دیرینہ دوست کے ذریعے جو کبھی ان کا اسسٹنٹ ہوا کرتا تھا اور اب "سی بی آئی" میں ایس پی کی عہدے پر فائز تھا سی بی آئی کی طرف سے بھی ایک بڑا پرنٹنگ آرڈر لے آئے تھے۔ خوشخبری سنا دی تھی۔

لالہ جی کے جانے کے بعد اس نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر آج کی حاصل شدہ تمام معلومات اور ٹریننگ سنٹر کا مکمل نقشہ بنا کر اپنے پاس موجود تصاویر سمیت ایک لفافے میں بند کر لیا تھا۔ یہ لفافہ اسے کل ہندو میموریل میوزیم پر اپنے کسی ساتھی کو دینا تھا۔

"ہیرو" ایک خاص کوڈ تھا جس کا مطلب تھا کہ اس سے ملنے والے کی شناخت وہ ہو گی جو اسے "ہیرو" کے کوڈ کے تحت سمجھائی گئی تھی۔

دوسرے روز صبح وہ سیدھا پریس گیا تھا پھر مشینوں کے لیے گریس اور تیل وغیرہ خریدنے کے بہانے "تین مورتی" کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنی تربیت کے مطابق اس نے محفوظ ہونے کے باوجود احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور یہاں پہنچنے تک تین

سواریاں تبدیل کر لی تھی۔

قریباً پونے دس بجے وہ تین مورتی ہاؤس پہنچ گیا تھا جہاں پندرہ منٹ اس نے ادھر ادھر گھوم پھر کر گزارے اور جیسے ہی اس کی گھڑی نے دس بجائے وہ میوزیم کے ٹکٹ گھر کے سامنے پہنچ گیا۔

"میرے لیے بھی ایک ٹکٹ خرید لیجئے۔"

اچانک ہی کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بے تکلفی سے کہا۔

"دہلی یا آگرے کا؟"

اس نے تصدیق کے لیے دوسرا "کوڈ" پوچھا۔

"کلکتہ۔"

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اوہ پرکاش۔"

"اوہ راج۔"

دونوں نے نعرے بلند کیے اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

ہیرو ہی پرکاش تھا۔ اس نے اپنا یہی نام بتایا تھا۔ دونوں ٹکٹ خرید کر اندر لائبریری میں چلے آئے۔ میوزیم کی یہ لائبریری خاصی کشادہ تھی۔ ایک موٹی سی کتاب اٹھا کر دونوں ایک کونے والی میز پر جا بیٹھے جہاں سب سے پہلے سلیم نے اپنی جیب سے وہ لفافہ نکال کر "پرکاش" کی طرف بڑھا دیا جس نے بغیر دیکھے لفافہ اپنی کوٹ کی جیب میں منتقل کر لیا۔

اگلے ہی لمحے اس نے ایک لفافہ نکال کر سلیم کو تھما دیا۔

دونوں نے ایک دوسرے سے اپنے پیغامات منتقل کر لیے تھے اور اب ایک دوسرے سے رخصت ہونے جا رہے تھے۔ کیونکہ جو کچھ بھی تھا ایک دوسرے کے لیے ان لفافوں کے اندر ہی بند تھا۔

"تین دن کے لیے دو سے پانچ کے درمیان یہاں رابطہ کسی ممکنہ ہدایت کے لیے کیا جا سکتا تھا۔

"آپ نے یہاں مسٹر سیٹھی سے بات کرنی ہے۔ اگلا کوئی رابطہ اس کے بعد مل با
گا۔ اگلے ایک ہفتے میں دشمن کو جواب مل جانا چاہیے۔ مجھے آپ کے فون کا انتظار ر
گا۔ یہ کتاب تھوڑی دیر تک پڑھتے رہیئے۔ آپ کے نالج میں اضافہ کرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک چٹ پر پہلے سے لکھا دہلی کا ایک فون نمبر اس کی طرف بڑھا
اور فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ روانگی سے پہلے اس نے بڑی گرم جوشی سے سلیم سے ہاتھ ملا
تھا۔

اس کی روانگی کے بعد پندرہ بیس منٹ تک سلیم اس کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا
اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

لیکن

اسے چونکہ یہ ہدایت ملی تھی اس لیے عمل بھی ضروری تھا۔

اس کے بعد وہ کتاب کو اس کی مخصوص جگہ پر رکھ کر باہر آگیا۔ اب اسے
مشینوں کے لیے گریس اور تیل وغیرہ کی خریداری کرنی تھی۔ یہ سامان خریدنے کے بعد وہ
آٹو رکشا کے ذریعے پریس پر پہنچ گیا جہاں لالہ جی کا پیغام موجود تھا کہ وہ اب دوپہر کے بعد
ہی آئیں گے اور راہول اس کے لیے کھانا لے کر آئے گا۔

اس نے یہ موقعہ غنیمت جانا۔ مشینوں کی صفائی کے لیے فورمین کو ہدایات دینے کے
بعد وہ اپنے دفتر میں گیا جہاں اس نے اطمینان سے اپنے "باس" کی طرف سے ملنے والی
تازہ ہدایات کا مطالعہ کرنے کے بعد انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔

ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر جاگی اور وہ آنے والے دور کی منصوبہ بندی کرنے
لگا۔ اسے تین چار کام اکٹھے سونپ دیے گئے تھے۔

جن میں سب سے اہم کام تھا کرنل جوشی کو اس کے جرائم کی سزا دینا!

اب کرنل جوشی کو چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے سلیم کے ملک میں بغیر کوئی
وارننگ دیے، تخریب کاری کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور درجنوں بے گناہوں کی جان لے
چکا تھا۔

ایسے درندے کو زیادہ دیر تک آزاد چھوڑنے کا مطلب دشمن کی حوصلہ افزائی کے
علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ "را" کے خونخوار وحشیوں نے حریت پسندوں کے ہاتھوں اپنی ناکامی
کا بدلہ پاکستان کے بے گناہ عوام سے لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح عوام
میں خوف و ہراس پھیلا کر وہ پاکستانی ایجنسیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ یا کم از کم
حریت پسندوں کے ہاتھوں ہونے والی ناکامیوں کو بیلنس کر سکتے تھے۔

اس خط میں وہ ایڈریس بھی موجود تھا جہاں سے اسے بوقت ضرورت انتہائی تباہ کن
اسلحہ اور سامان مل سکتا تھا۔

یہ ایک بھارتی سمگلر تھا جو "را" کے ایک "سورس" کی حیثیت سے کام کرتے کرتے
اب خود بھی "داداً" بن چکا تھا۔

پٹیل نام تھا اس کا۔

پٹیل جو "را" کے ایجنٹوں کو پاکستان میں تباہی و بربادی کا سامان دوسرے ممالک سمگل
کروا کر پہنچایا کرتا تھا اب اس تباہ کن مال کا سوداگر بھی بن گیا تھا۔ اور اس نے "را" کے
کچھ افسران کو اپنی مٹھی میں لے کر تباہی و بربادی لانے والا سامان اب مقامی "موالیوں"
(بدمعاشوں) کے ہاتھ بھی فروخت کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس دھندے میں "را" پوری طرح ملوث تھی اور اس کے مقامی افسران کو ان کی
توقع سے بڑھ کر حصہ مل جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے کبھی تردد ہی نہیں کیا تھا۔

"میں تمہیں دیکھوں گا کرنل جوشی۔"

ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے وہ معصوم لاشے لہرانے لگے جو اس موذی
کی تباہ کاری کا شکار ہوئے تھے اور ان درجنوں نوجوانوں کے چہرے بھی وہ نہیں بھلا سکتا تھا
جن سے اس نے اگلے روز شکار پور میں "را کے تربیتی کیمپ" میں ملاقات کی تھی۔ یہ تمام
نوجوان کرنل جوشی کے سدھائے ہوئے کتے بن کر اپنے ہی بھائی بندوں کو کاٹ کھانے
کے لئے بلوائے جا رہے تھے.....!!

"وائیٹ فلاور" نے دشمن کو اس کی زبان میں جواب دینے کا منصوبہ بنا لیا تھا.....!!

اس نے اپنے پاس موجود تمام کاغذات جلا کر راکھ کر دیے تھے اور اپنے مطلب کا ایڈریس اور ٹیلیفون نمبر اپنے ذہن پر نقش کر لیے تھے۔

سلیم نے بلا کی یادداشت پائی تھی۔ قدرت کی طرف سے عطا کردہ اس کی اس صلاحیت پر اس کے افسران بھی کبھی کبھی دنگ رہ جاتے۔ اس کا ذہن بالکل کمپیوٹر کے انداز میں کام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس میں جو کچھ محفوظ ہو جاتا وہ پھر کبھی نہیں نکل پاتا تھا۔

راہول تھوڑی دیر بعد اس کے لیے کھانا لے کر آگیا۔

دونوں نے کھانا اکٹھے کھایا تھا۔ راہول اس گھر میں سوائے سلیم کے اور کسی کی نہ عزت کرتا تھا نہ ان کا کہنا مانتا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں یا تو یہ لوگ کسی پچھلی صدی کے تھے یا پھر وہ کسی اگلی صدی کا انسان تھا۔ اگر اس کے عظیم دماغ کو کوئی سمجھ پایا تھا کہ وہ بھی مہاشے راجکمار جی تھے۔ جو اس کی ہر بات پر اس کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر داد و تحسین کے ڈونگرے برسایا کرتے تھے.....!

ان کا دعویٰ تھا کہ راہول کے دماغ کو اگر اس دنیا میں کوئی سمجھ سکتا ہے تو وہ صرف یہی راج کمار تھا۔

اس نے راہول کو متعدد مرتبہ کہا تھا کہ یہ دنیا اس کے اپنے لائق ہی نہیں ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب بھارت کے لوگ اسے ایک دیوتا کی طرح پوجا کریں گے کیونکہ اس کے اندر بہت بڑا آرٹسٹ اور دانشور چھپا ہے۔

ممکن ہے زبانی کلامی تعریف سے راہول نے اتنا اثر نہ لیا ہو جتنا اثر اس نے وقتاً فوقتاً راجکمار کی طرف سے ہونے والی مدد سے لیا تھا۔

سلیم ہفتے میں دو مرتبہ اس کو کسی نہ کسی بہانے سو پچاس روپے ضرور دے دیا کرتا تھا تاکہ وہ اس کی طرف سے ہمیشہ مطمئن رہے۔ اس نے راہول سے کہہ دیا تھا کہ وہ دلی کی جس میوزک اکیڈمی میں چاہے میوزک، ڈانس یا اداکاری کی تربیت حاصل کر سکتا ہے اور اس سلسلے میں اس کے سارے اخراجات راج کمار خود برداشت کرے گا۔

"میری شدید خواہش ہے راہول کہ تمہیں جلد شہرت کے آسمان کا چمکتا ہوا ستارہ بنتا ہوا دیکھوں۔ یہ جو الو کے پٹھے فلموں میں نئے نئے ہیرو آرہے ہیں تمہارے جوتے کے برابر بھی ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ میں تو اس دن کا منتظر ہوں جب تم اس دنیا میں جاؤ گے تو ان سالوں کی ایک ایک کر کے چھٹی کروا دو گے۔"

وہ اکثر اس سے کہا کرتا تھا۔

"بس راج بھیا آپ دیکھتے رہیے میں کیا کرتا ہوں۔"

راہول جواب میں گردن ہلا کر کہا کرتا۔

آج راہول پھر اسے اعتماد میں لے کر اس سے کوئی اہم بات کرنے جا رہا تھا۔

"خیریت؟"

اس نے راہول کے توجہ دلانے پر اس کی طرف جھکتے ہوئے استفسار کیا۔

"یہ دیدی پاگل ہے کیا؟"

راہول نے اچانک ہی عجیب سا سوال داغ دیا۔

"یار تم اتنے سالوں میں سمجھ نہیں پائے۔ میں جمعہ جمعہ آٹھ دن میں کیا سمجھ سکتا ہوں؟"

"اب یہ پاگل پن نہیں تو کیا ہے۔ وہ ہیں ناں راجا پھول میکرز والے۔ ان کا بیٹا وہت میرا یار ہے۔ سالے کا باپ پتے اور پھول بیچ بیچ کر آدھی دہلی کا مالک بن گیا ہے۔ بیٹے کو شادی بیاہ کی کاریں اور خواب گاہیں سجانے اور گلدستے بنانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اور وہ جو ہے ناں اس کا کرنل ضرور آپ کو بھی اس سے ملا دیا ہو گا۔ وہ کرنل کا بیٹی؟"

اس نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! ہاں یار کیا ہو گیا اسے اب آگے بھی بات کرو ناں۔ ایک تو تم ہر بات میں سسپنس بہت پیدا کر دیتے ہو۔"

سلیم چوکنا ہو گیا تھا۔

لیکن

کیا مجال جو اس کے چہرے سے کوئی کچھ بھی پڑھ پاتا۔

"ارے وہ سالا کہاں مرنے والا ہے۔ وہ تو نجانے ابھی کتنے بے گناہوں کی جان لے گا۔ اس کمبخت کی چار روز بعد سالگرہ ہونے والی ہے۔ یہ جو سنیچر آرہا ہے ناں اس کو اور آج ہی مجھے بھیج دیا ہے کہ چار روز بعد کے لیے "بوگے" (پھولوں کا گلدستہ) کا آرڈر نوٹ کروا آؤں۔"

اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"تو یہ بات ہے۔ یار دل آنے کی بات ہے اور پھر اپنی اپنی قسمت۔ بھگوان جانے بڈھے میں کیا رکھا ہے ساری لڑکیاں سالی اس پر ہی مرتی ہیں۔ میں تو ایک روز گیا تھا سدرشنا کے آفس بس جل بھن کر آگیا ہوں "ویسے یہ ہمارا رقیب سالا رہتا کہاں ہے"۔ بھی کوئی تحفہ تیار کرلیں۔ بھیا! تمہاری دیدی کو بھی تو خوش رکھنا ہے ناں....."

سلیم نے اسے مزید کریدنا چاہا۔

"سالے نے ادھر کینٹ ایریا کے مالاکنڈ لائن میں بڑی زبردست کوٹھی بنا رکھی ہے اپنی۔ ادھر کینٹ ہی کی طرف راجا صاحب کی دوکان بھی ہے۔ آپ بھی چلئے ناں میرے ساتھ میرا مطلب ہے آپ کے پاس موٹر بائیک ہے ناں؟"

راہول نے بڑی چاپلوسی سے کہا۔

OOO

یہ موٹر بائیک اگلے ہی روز لالہ دوارکا داس نے خریدی تھی کیونکہ اب کاروبار بڑھنے لگا تھا اور انہیں اس کی ضرورت تھی۔ کار تو مستقل سدرشنا کے استعمال میں رہتی تھی۔ اور کینٹ ایریا کی طرف راہول بسوں کے ذریعے سفر کرکے جانا نہیں چاہتا تھا۔

"اچھا یار۔ لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا ورنہ میری شامت آجائے گی۔"

سلیم نے اس سے درخواست کی۔

"سوال ہی نہیں اٹھتا بھیا۔ آپ کیسی بات کر رہے ہیں؟"

راہول نے اسے اعتماد دلایا۔

قدرت اس کے لیے خود راہیں کھولتی چلی جارہی تھی.....!

شام گئے تک راہول اس کے پاس موجود رہا۔ شام ڈھلنے پر انہوں نے پریس کو تالا لگایا اور کینٹ ایریا کی طرف چل دیے۔

سلیم نے اسے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔

راہول جو خود موٹر سائیکل چلا رہا تھا مالاکنڈ لائن سے موٹر سائیکل چلاتا باہر نکلا تھا۔ اس نے اس لائن کے کارنر پر بنے ایک شاندار بنگلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلیم کو بتایا تھا کہ یہ کرنل جوشی کا گھر ہے۔

سلیم نے اس کی بات بظاہر سنی ان سنی کردی تھی۔

لیکن

اس کی آنکھوں کے راستے کوٹھی کے گیٹ کے باہر موٹے الفاظ میں لکھا نمبر اس کے دماغ پر نقش ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ اس کوٹھی کے باہر کرنل جوشی کے بجائے کسی اور کا نام لکھا تھا شاید یہ بھی اس کی سکیورٹی کے لیے کیا گیا ہو۔

اس نے سوچا۔

راہول نے راجا شاپ پر 16 تاریخ کے لیے ایک بڑا "بوگے" بک کروایا۔ یہاں آکر سلیم کو اندازہ ہوگیا تھا کہ واقعی اس دکان سے پھولوں کا گلدستہ خریدنے کے لیے بھی یہاں ایڈوانس بکنگ کروانی پڑتی تھی۔ دونوں اکٹھے ہی گھر آگئے تھے.....!

"کیا بات ہے بھئی دونوں میں بڑا سلوک چل رہا ہے؟"

سدرشنا نے انہیں اکٹھے داخل ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"دیکھو دیدی مذاق رہا اپنی جگہ۔ میں بھائی صاحب کے ساتھ سارا دن پریس پر کام کر کے آیا ہوں۔ اس لیے کچھ کہہ کر میرا موڈ خراب نہ کرنا۔"

راہول نے دھمکی دی۔

سلیم نے انہیں پریس کے کام کی رپورٹ دے دی تھی اور اب وہ سب لوگ کھانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔ کھانے کی میز پر بھی سدرشنا نے اعلان کر دیا کہ وہ اگلے ہفتے رات دن کا ایک کورس کرنے کشمیر جا رہی ہے۔

"کورس کا تو بہانہ ہے' دیدی دراصل..."

"تم اپنی چونچ بند ہی رکھا کرو تو بہتر ہے۔"

سدرشنا نے راہول کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

سلیم نے بالکل ایسے پوز کیا تھا جیسے اسے اس خبر سے افسوس ہوا ہو حالانکہ یہ اس کے لیے بہت اچھی خبر تھی۔ سدرشنا نے شاید یہ بات محسوس کر لی تھی کیونکہ وہ اس کے کمرے میں ہی چلی آئی تھی۔

"بھئی نوکری کی مجبوری ہے۔ ہم لوگ اپنی مرضی سے تو کچھ کر نہیں سکتے"

اس نے سلیم کا دل رکھنے کو کہا۔

"کیا میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا وہاں؟"

سلیم نے اچانک ہی پوچھا۔

"نہیں ہمیں ایک حد تک ہی آزادی حاصل ہے۔ اس سے زیادہ پر میری بھی پکڑ ہو سکتی ہے۔ راج تم یہ نہیں جانتے کہ میری نوکری کی نوعیت کیا ہے۔ میں نے صرف تنخواہ یا اپنا سوشل اسٹیٹس بڑھانے کے لیے ہی جاب نہیں کیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ مجھے پولیس سروس کا بچپن ہی سے چسکا دیکھ کر شوق رہا ہے۔ لیکن میں نے ریگولر پولیس فورس جائن نہیں کی حالانکہ میرے لیے یہ بہت آسان تھا۔ مجھے انٹیلی جنس سروسز کا شوق تھا اور آج مجھے فخر ہے کہ میں بھارت ہی نہیں بلکہ اس خطے کی نمبر ون انٹیلی جنس ایجنسی میں آفیسر ہوں۔ اس ڈیپارٹمنٹ میں جانے سے پہلے اگر مجھے احساس ہوتا کہ مجھ پر کیسی کیسی ذمہ داریاں ڈالی جائیں گی تو شاید میں اپنا فیصلہ بدل لیتی۔ لیکن' اب یہ ممکن نہیں میں "اوتھ" (Oath) لے چکی ہوں اور ہمارا انتخاب ہزاروں میں سے کیا جاتا ہے۔ ہم سے اس دیش کو بہت امیدیں وابستہ ہیں۔"

"تم تو ہو ہی لاکھوں میں ایک سدرشنا۔"

سلیم نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

آج پہلی مرتبہ حیرت انگیز طور پر سدرشنا نے اس کا بڑے بھرپور انداز میں شکریہ ادا کیا حالانکہ اس سلوک کی توقع اسے ایک بھارتی ناری ہونے کے ناتے سدرشنا سے بہت پہلے سے تھی۔

لیکن

اس نے آج بے ساختہ اپنی بانہیں اس کی گلے میں ڈال کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سچ؟"

"بالکل سچ۔"

سلیم نے کہا اور سدرشنا نے بے ساختہ اپنے جلتے ہونٹوں سے اس کا خراج وصول کر کے پھر یکدم وہ باہر نکل گئی۔

OOO

صبح جب ان کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی تو وہ پولیس آفیسر سے زیادہ ایک عام بھارتی دوشیزہ لگ رہی تھی۔ آج شاید پہلی مرتبہ اس نے جان بوجھ کر خود کو ضرورت سے زیادہ ہی بنایا سنوارا تھا۔ شاید اس نے سلیم کے دل میں اتر جانے کی ٹھان لی تھی۔ ہمیشہ کے لیے!!

اس نے اپنے ہاتھ سے سلیم کی پلیٹ میں باری باری سب چیزیں رکھی تھیں۔

"میں پانچ روز بعد فون کروں گی۔ تم ضرور وہاں آنا۔ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ دو گھن چھٹیاں مجھے مل جائیں گی وہاں مل کر گزاریں گے"

سدرشنا نے کہا اور سلیم اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"تھینک یو سدرشنا میں سمجھوں گا وہ میری زندگی کے سب سے قیمتی لمحات ہوں

گے۔ لیکن پلیز! آؤٹ آف دی وے کوئی کام نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے
اس نے سلیم کے کندھے کو آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"اچھا میں چلتی ہوں۔ گڈ بائی۔"
سدرشنا معمول کے مطابق اپنے آفس چلی گئی اور وہ لالہ دوارکا داس کے ساتھ موٹر
بائیک پر بیٹھ کر پریس میں آگیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ کچھ سوچتا ہوا نزدیکی ٹیلی فون بوتھ کی طرف چل دیا۔ اسے کرنل
جوشی کی کوٹھی کا مکمل ایڈریس ازبر تھا۔ یہ بوتھ اکثر خالی ہی رہتا تھا۔ ٹیلی فون میں سکہ
سکے ڈال کر اس نے ایکسچینج میں انکوائری کا نمبر ملایا اور کرنل جوشی کی کوٹھی کا نمبر بتا کر
فون نمبر طلب کیا۔
اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اسے دوسری طرف سے چند سیکنڈ بعد ہی نمبر
گیا۔
"دھنواد" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔
یہ پھر بھی اس نے اپنے ذہن کی تختی پر نقش کر لیا تھا۔ لالہ دوارکا داس نے تھوڑی
ہی دیر بعد اسے کانگڑ والی پارٹی کی طرف جانے کے لیے کہا۔ کیونکہ وہ اب راج کمار کا
تعارف بھی ان لوگوں سے کروانا چاہتا تھا اور راجکمار کی بھی خواہش تھی کہ وہ لالہ جی کی
طرح تمام معاملات کی سوجھ بوجھ رکھے!!
شام ڈھلے وہ کانگڑ لینے کے بہانے روانہ ہوا اور یہاں سے سیدھا ریلوے اسٹیشن پر
پہنچا۔ اس نے لالہ جی سے کہہ دیا تھا کہ وہ چلے جائیں کانگڑ والوں سے ملاقات کے بعد وہ
بھی گھر پر چلا آئے گا۔
ریلوے اسٹیشن کے ایک بوتھ سے اس نے کرنل جوشی کا نمبر گھمایا۔ دوسری طرف
سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔
"کیا میں جوشی سے بات کر سکتا ہوں۔"
اس نے اپنی آواز میں بوڑھوں جیسی گھمبیرتا پیدا کرتے ہوئے انگریزی میں بڑی

الی سے کہا۔
"آپ کون ہیں؟"
دوسری طرف بھی انگریزی ہی میں شائستگی سے پوچھا گیا۔
"آپ شاید مسز جوشی بول رہی ہیں۔ دیکھیں میں اس وقت ائرپورٹ سے بول رہا
ں۔ ابھی ابھی میں امریکہ سے آرہا ہوں۔ وہ ہے میرا بچپن کا لنگوٹیا اور میں اسے آج
۲۰ سال بعد فون کر کے ایک سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ پلیز آپ میرا نام نہ پوچھیے کیونکہ
آدھا گھنٹہ بعد میں آپ کے سامنے ہوں گا۔ مجھے میرے یار سے ملوائیے۔"
اس نے اس طرح بے تکلفی سے کہا کہ دوسری طرف سے فون سننے والی شخصیت
الی تذبذب میں پڑ گئی پھر اس نے سلیم کی بات مان ہی لی۔
"ہالو۔ کرنل جوشی سپیکنگ۔"
دوسری طرف سے کرنل جوشی کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔
"کرنل جوشی۔ میں تم سے جلد ملاقات کرنے والا ہوں۔ تمہارا بہت قرض میرے سر
ہو گیا ہے۔ تمہیں اب میرے ملک میں ایک ایک قتل کا حساب دینا ہو گا۔ کرنل جوشی
اپنی زندگی کی آخری سالگرہ منالو۔ اب تم نرگ (جہنم) میں جھونک دیے جاؤ گے۔"
اس نے اچانک ہی اپنی آواز بدل لی۔
"کون ہو تم۔ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"
کرنل نے دوسری طرف سے بات لمبی کرنے کے انداز میں پوچھا۔ سلیم جانتا تھا وہ
فون ٹریس کرنے کی کوشش کرے گا۔
"یمراج (موت کا رشتہ) جلدی تمہاری جان لینے آئے گا۔"
کرنل جوشی نے دوسری طرف سے گالیاں بکنی شروع کر دی تھیں۔
لیکن
سلیم نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا۔

○○○

موت کا فرشتہ

اگلے روز کرنل جوشی کی سالگرہ تھی!

سدرشنا اسے ضد کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔ کیونکہ دو روز بعد اسے اپنی ٹریننگ کے لیے کشمیر جانا تھا اور وہ آج کل سلیم پر کچھ زیادہ ہی مہربان دکھائی دے رہی تھی۔ گو کہ اس نے دو روز پہلے والی جذباتی حرکت دوبارہ نہیں کی تھی۔

لیکن

اس حرکت کے بعد سلیم نے اپنے تئیں اس کے رویے میں خاصی تبدیلی محسوس کر لی تھی اور اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ اب واقعی سدرشنا کی دلچسپی اس میں زیادہ بڑھنے لگی ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ اس کی آمد کے بعد سے اس گھر کی معاشی حالت میں بہتری رہی ہو۔ کیونکہ حال ہی میں لالہ دوارکا داس نے پولیس کی طرف سے ایک بڑا بل وصول کیا تھا جس کا منافع ان کی توقعات سے بڑھ کر تھا اور سلیم کی ان کے ساتھ کاروباری رفاقت نے لالہ دوارکا داس کی ساری فیملی کو باور کروا دیا تھا کہ ان کا مستقبل خاصا روشن ہے۔

سدرشنا نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کے والدین کی سلیم میں دلچسپی صرف بزنس پارٹنر کی حیثیت سے ہی نہیں رہی تھی بلکہ وہ اس "کماؤ پوت" کو اب مستقل اپنا "گ

داماد" بنانے کے لیے بھی پر تولنے لگے تھے۔

اس کے بضد ہونے پر ہی سلیم نے اس کا خرید کردہ بڑا شاندار سوٹ زیب تن کیا تھا۔ یہ سوٹ وہ اس کے لیے بطور خاص لے کر آئی تھی اور اس تقریب سے اس نے سوٹ کا افتتاح بھی کر دیا تھا!!

"میں سوٹ پہن کر کچھ زیادہ ہی "باس" قسم کی آئٹم نہیں بن گیا"۔

شیشے میں اپنے سراپے پر نظر دوڑا کر اس نے داد طلب نظروں سے سدرشنا کی طرف دیکھا۔ دونوں اس وقت سدرشنا کے بیڈ روم میں موجود تھے۔

سدرشنا نے اس کی بات کا جواب خاصا بھرپور دیا تھا۔

سلیم نے مسکراتے ہوئے باتھ روم سے دوبارہ منہ صاف کیا اور دونوں گاڑی کی طرف چل دیے۔

"ارے ایک بات تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی"۔

"کیا؟"

سلیم نے حیرانگی سے پوچھا۔

پہلے تو سدرشنا نے ہلکا سا قہقہہ بلند کیا پھر اس کی طرف گاڑی چلاتے ہوئے گردن گھماتے ہوئے کہا۔

"کرنل جوشی نے کل رات ہمیں بتایا کہ اسے سرحد پار سے وارننگ موصول ہو گئی ہے کہ یہ اس کی زندگی کی آخری سالگرہ ہے"۔

"مم مم مجھے تو گھر ہی واپس چھوڑ آؤ"۔

اس نے گھبرانے کی ایکٹنگ کی۔

"تمہیں تو ایسا کوئی فون نہیں ملا۔ میں کرنل صاحب کی بات کر رہی ہوں"۔

سدرشنا نے بھی چوٹ کی۔

"دیکھو شریمتی جی۔ یہ تم جو انٹیلی جنس کے لوگ ہوتے ہو ناں۔ تمہاری وارداتیں بڑی خفیہ، اچانک اور خطرناک ہوتی ہیں۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو یہ بے چارہ راجکمار تو حرام کی

موت ہی مارا جائے گا۔ تمہاری بات البتہ اور ہے تمہیں تو میڈل بھی مل جائے گا اور کرنل صاحب کو تو....."

اس نے سدرشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے مر گئے کرنل جوشی کو مارنے والے کیا فلمی انداز کی دھمکی دی ہے۔ ایسا تو فلموں میں کیا جاتا ہے۔ کیسے گھٹیا لوگ ہیں شاید وہ سمجھتے ہوں گے کہ کرنل گھبرا جائے گا۔ تمہیں حیرت ہو گی راج! کہ ہمارے کرنل صاحب نے آج تک سکیورٹی نہیں لی۔ حالانکہ وہ کمینہ میجر شرما ہر وقت سادہ کپڑوں میں چار پانچ مسلح محافظ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔"

اس نے اپنے کرنل کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی، میں تو تمہارے کرنل صاحب سے ایک دو ملاقاتوں میں ہی زبردست متاثر ہو گیا ہوں۔ آدمی زبردست ہے۔ واقع نر آدمی دکھائی دیتا تھا۔ میں تو کہتا ہوں میں بھی کچھ دنوں کے لیے ان کی شاگردی کر لوں تمہارا کیا خیال ہے؟"

سلیم نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"بس بس اب مجھے زیادہ بے وقوف نہ بناؤ۔"

اس نے گاڑی کرنل والی لین کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

کوٹھی کے باہر دوسری گاڑیوں کے ساتھ انہوں نے بھی اپنی گاڑی پارک کر دی تھی اور سدرشنا نے کار کی پچھلی سیٹ سے وہ "بکے" (پھولوں کا گلدستہ) اٹھالیا تھا جو بطور خاص اس تقریب کے لیے اس نے آرڈر دے کر تیار کروایا تھا۔

سلیم نے کرنل کے لیے ایک کیک خرید لیا تھا جس پر سدرشنا نے بطور خاص "لونگ لیو سر" لکھوایا تھا۔ دروازے پر کرنل خود اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔ اس کے گروپ کی باقی لڑکیاں ان سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھیں۔

کرنل اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی تیزی سے اس کی طرف لپکا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں وہسکی کا پیگ پکڑا ہوا تھا اور جھومتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے" کہہ کر سدرشنا نے کرنل کو گلدستہ تھمانا چاہا تو اچانک ہی میجر شرما

پہلو سے برآمد ہوا اور اس نے گلدستہ "تھینک یو" کہہ کر پکڑ لیا۔ یہی سلوک اس نے سلیم کے کیک کے ساتھ بھی کیا تھا۔

"اوہ مائی ڈارلنگ۔ کتنی خوبصورت نظر آ رہی ہو تم۔"

کہتے ہوئے کرنل نے اسے مرغی کی طرح اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا اور وہ حرکت کر گئی بس کا شاید اس کی طرف سے سدرشنا نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ سدرشنا پیالا دوار کا داس ڈی ایس پی ریٹائرڈ کو جانتا تھا۔ گو کہ ایسی حرکات وہ باقی لڑکیوں کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔

لیکن

آج اس نے سدرشنا کے ساتھ بھی وہی حرکت کر ڈالی۔

ساری محفل نے اس "شاندار کارنامے" پر تالیاں بجا کر اسے داد دی اور سدرشنا نے شرمندگی سے جس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمایاں ہونے لگی تھیں آہستگی سے خود کو کرنل کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا۔

لیکن

آج نجانے کرنل جوشی کو کیا ہو گیا تھا۔

اس نے تین مرتبہ مزید وہی حرکت کی۔ محفل میں موجود تمام شرفا جن میں زیادہ تر "را" کے آفیسروں ان کی بیگمات اور کرنل کی شاگرد لڑکیوں کی تھی شراب کے نشے میں دھت دیوانہ وار قہقہے لگا رہے تھے۔ بمشکل سدرشنا نے خود کو کرنل کی گرفت سے آزاد کیا اور سلیم کے شانے پر سر رکھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

سلیم نے آج پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔

اس نے شدت سے سدرشنا کی بے بسی کا احساس کیا تھا۔ ان قہقہے لگانے والوں میں سب سے نمایاں آواز میجر شرما کی تھی جو سلیم کی طرف دیکھ کر بطور خاص عجیب عجیب سے منہ بنا کر قہقہے لگا رہا تھا!!

کرنل اسے چھوڑ کر اب ایک اور لڑکی سے لپٹ گیا تھا۔ جو ابھی ابھی دروازے سے

اندر داخل ہوئی تھی۔

لیکن

اس نے سدرشنا کے برعکس طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا اور کرنل سے زیادہ ... خروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے لپٹ گئی تھی۔

"ویل ڈن۔ ویل ڈن"

شراب کے نشے میں دھت مہمانوں نے تالیاں بجائیں۔ شاید کرنل جوشی ... آنے والی ہر خوبصورت لڑکی سے یہی سلوک کر رہا تھا اور سوائے سدرشنا کے اور کسی ... اس پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی تھی۔ ایک بڑا سا کیک ہال کمرے کی میز پر سجایا گیا تھا جسے شراب کے نشے میں دھت کرنل نے ایک چھری سے کاٹا اور باقی شرابی اس پر جانوروں کی طرح پل پڑے!!

کرنل جوشی مکمل درندہ دکھائی دے رہا تھا۔ سلیم کو حیرت اس بات پر ہو رہی تھی ... سدرشنا کی ساتھی لڑکیاں ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر اس کی درندگی کا شکار ہو رہی تھیں۔ اور کرنل کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں۔ اب اس محفل نے ایک اور رنگ ... جب کسی نے ڈیک پر ڈسکو ریکارڈنگ چلا دی اور یہاں موجود شرابیوں نے ناچنا شروع کر دیا۔

اچانک ہی کرنل کی دو شاگردوں کے درمیان ناچنے کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

شاید انہوں نے نئی نئی شراب نوشی شروع کی تھی کیونکہ شراب انہیں کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی تھی۔ اور وہ محاورتاً ہی نہیں حقیقتاً کپڑوں سے باہر ہونے لگی تھیں۔

جوں جوں ان کے کپڑے ایک ایک کر کے اتر رہے تھے۔

درندوں کی اس محفل کا جوش و خروش بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سدرشنا اس کا ہاتھ پکڑتی ایک کونے میں سمٹ آئی تھی۔ کچھ ڈھلتی عمر کے افسران اپنی بیٹیوں اور بیویوں کے ساتھ آہستہ آہستہ کھسک رہے تھے۔

شاید سدرشنا نے بھی یہاں سے ہٹ جانے کا ارادہ کر لیا تھا!!

دونوں دروازے کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ شاید میجر شرما نے بظاہر شرارت کی آڑ

... کھنیا حرکت کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہ ہاتھ میں پیگ پکڑے آہستہ آہستہ سدرشنا ... ل آ رہا تھا۔ شاید اس کے ساتھ مل کر ڈانس کرنا چاہتا تھا۔

اچانک ہی لائٹ آف ہو گئی۔

○○○

کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا یا یہ کسی پلاننگ کا حصہ تھا۔ بات کچھ بھی رہی ہو لیکن ... ندگی کا مظاہرہ سلیم نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر یہاں موجود وحشیوں نے اپنی شرافت کے نقاب بھی اتار ... تھے اور وہ محفل میں موجود لڑکیوں پر پل پڑے تھے۔ چیخ و پکار سے کان پڑی آواز ... نہیں دے رہی تھی۔ سدرشنا نے لائٹ آف ہوتے ہی سلیم کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے ... سے باہر آ گئی۔ سلیم اس کے ساتھ کھنچا چلا آ رہا تھا۔ باہر برآمدے میں اکا دکا لوگ ... ہو رہے تھے۔

لیکن

وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر قریباً بھاگتی ہوئی سلیم کے ساتھ پارکنگ تک آ گئی تھی ان ... کے مین گیٹ پر پہنچنے تک لائٹ آ چکی تھی جس سے سلیم نے اندازہ لگایا کہ چند ... کے لیے شرارتاً بجلی کا مین سوئچ آف کیا گیا تھا۔ بعد میں اس کے علم میں یہ بات بھی ... کہ یہاں آرمی کے آفیسروں کی سالگرہ پر ایسے مذاق معمول کی بات سمجھی جاتی ہے۔

"تم ڈرائیو کرو۔ مجھ سے گاڑی نہیں چلے گی"۔

اس نے پہلی مرتبہ سلیم سے کہا جس نے دوسرے ہی لمحے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ وہ گاڑی اطمینان سے چلاتا ذیلی سڑک سے مین روڈ تک آ گیا تھا۔ جب اچانک ہی سدرشنا اس کے کندھے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

سلیم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کو کیسے دلاسہ دے۔ اس نے گاڑی ایک گھنے درخت کے نیچے روکی اور اس کی ہیڈ لائٹس آف کر کے سدرشنا کا سر ہولے سے اپنے

کندھے سے الگ کیا۔ "بزدل کہیں کی۔ بڑی بہادر بنتی تھی۔ جب تمہیں علم تھا کہ یہ کچھ ہوتا ہے تو آئی کیوں تھی؟"

سلیم نے اس کے گالوں پر بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"راج میں نہیں جانتی تھی یہ شخص اتنا گھٹیا نکلے گا۔ بھگوان کا شکر ہے کہ تم نہ ساتھ تھے۔ ورنہ اس پاگل پن میں وہ شرمناحرام خور نجانے میرے ساتھ کیا کر گزرتا۔ را جب لائٹ گئی تو وہ تیزی سے میری طرف لپکا تھا۔ اگر میں اچانک باہر نہ آجاتی تو....."

یہ کہہ کر اس نے پھر رونا شروع کر دیا۔

"اچھا بھگوان کے لیے اب چپ ہو جاؤ۔ رونا تو مجھے چاہیے اور تم نے رونا شروع دیا۔"

سلیم نے یہ بات اس انداز سے کہی تھی کہ بے ساختہ وہ روتے روتے ہنس دی تھوڑی دیر بعد سدرشنا کو اس نے نارمل کر لیا اور اب وہ اسے شہر کے سب سے بڑ ہوٹل "اشوکا" کی طرف لے جا رہا تھا۔

جہاں کبھی سدرشنا اسے لے کر گئی تھی۔

آج کا یہ ٹریٹ میری طرف سے ہے۔ تمہارے نئے ٹریننگ کورس کی خوشی میں۔"

اس نے ڈائننگ ہال میں اس کے سامنے کرسی بچھاتے ہوئے کہا۔

سلیم نے محسوس کیا تھا کہ جب سے سدرشنا کرنل کی محفل سے آئی ہے بہت بجھی بجھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار بڑے واضح دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا بات ہے سدرشنا۔ تم تو واقعی سیریس ہو رہی ہو۔"

سلیم نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

اس نے بوفے کی بجائے میز پر ہی آرڈر دیا تھا تاکہ سدرشنا کو نارمل کر سکے۔

"کچھ نہیں۔ چلو کھانا شروع کرو۔ تمہیں بھی خواہ مخواہ پریشان کیا۔"

سدرشنا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ایلمو سدرشنا۔ میں جانتا ہوں تمہارے بزنس کا پہلا اصول منافقت ہے۔ میں نے ...ں تین ماہ کا ایک ڈیکٹو کورس کیا تھا۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس کھیل کی بنیاد جھوٹ پر ...ار ہوتی ہے۔ اپنے مخاطب سے اپنا آپ اور خصوصاً اپنے جذبات چھپانا اس کا بہترین ...ول ہے۔ لیکن میری درخواست ہوگی کہ مجھے کبھی اس کھیل کا حصہ نہ بنانا۔ مجھ سے ...ٹ نہ بولنا۔ سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟"

سلیم نے یہ سوال اتنی ہمدردی سے کیا کہ سدرشنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"راج۔ مجھے آج زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے کسی فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہوا ...۔ میں نے غلط ایجنسی جوائن کر لی ہے۔"

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے واہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اگر غلط ایجنسی جوائن کر لی ہے تو اسے ...وڑ دو۔ تم جیسی، ذہین اور خوبصورت لڑکی کے لیے نوکریوں کی کوئی کمی ہے کیا؟"

راج نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"نہیں راج۔ یہ اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

اس نے بے بسی کا اظہار بھی دبے دبے الفاظ میں کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا پہیلیاں بجھوانے لگی ہو۔"

سلیم نے اسے کریدنے کے انداز میں پوچھا۔

"راج۔ یہ دلدل ہے دلدل۔ اس میں جتنا گہرا اُترو گے واپسی کے امکانات اتنے کم ہو جاتے ہیں اور ہمیں تو کرنل جوشی اور میجر شرما نے اس میں بہت گہرا اتار دیا ہے۔ ہمارے پاس جیسے سیکرٹ آ چکے ہیں اس کے بعد سے یہ نوکری مرنے سے پہلے چھوڑنا تو ممکن نہیں رہا۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ مائی گاڈ۔ یہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔ اچھا چلو چھوڑو اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی۔ آرام سے کھانا کھاؤ۔"

اس نے سدرشنا سے اظہار ہمدردی کیا اور اسے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر قدرے نارمل کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھر واپس جا رہے تھے۔

"سدرشنا میری درخواست ہے کہ تم گھر میں خود کو بالکل نارمل رکھنا۔ اور ہاں! بات میں تم سے ضرور کہوں گا۔ یہ میری ماں نے کہا تھا۔ تم جیسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کرنے والے کو بھگوان کبھی معاف نہیں کیا کرتے آج جو حرکت کرنل جوشی نے کی وہ بہت گری ہوئی اور نیچ حرکت تھی بھگوان جانے مجھ سے یہ کچھ کیسے برداشت ہو شاید اس کا کارن بھی تم ہو۔ لیکن وہ قدرت کے عذاب سے بچ نہیں پائے گا۔ اس تمہارا دل دکھایا۔ دیکھ لینا بھگوان اسے معاف نہیں کریں گے۔"

اس نے بڑے گیانی کی طرح سدرشنا سے یہ بات ایسے انداز میں کہی کہ وہ بے سا اس کے بھول پن پر ہنس پڑی۔

"اچھا اچھا پنڈت جی مہاراج۔ میں بالکل نارمل ہوں آپ بھی اپنا غصہ تھوک دیجئے"

اس نے گھر کے باہر گاڑی کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

○○○

تیسرے دن لالہ جی اور سلیم اسے ائرپورٹ پر چھوڑ آئے جہاں سے ایک خصوصی پرواز کے ذریعے ان لوگوں کو جموں جانا تھا۔ اور جموں کے کسی سرحدی علاقے میں انہیں تربیت مکمل کرنی تھی۔

ملک کے مختلف سرحدی اضلاع میں وہ اکثر و بیشتر تربیتی کورسز پر جاتی رہتی تھی۔ معمول کی بات سمجھی جاتی تھی۔

لیکن

آج لالہ دوارکا داس نے بھی اس کی پریشانی کو بطور خاص محسوس کیا تھا۔ سلیم تو اسے دو دن سے کرید رہا تھا کہ وہ پریشان کیوں ہے۔ بمشکل اس نے ایک ہی جواب دیا تھا کہ میجر شرما ان کا ٹریننگ کمانڈر ہے جس سے کسی بھی غلیظ حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔ سلیم

اپنی دانست میں اس کا حوصلہ بڑھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

لیکن

سدرشنا بہرحال ایک عورت بھی تھی جس میں ابھی تک نسوانیت اور مشرقیت کے عناصر بدرجہ اتم موجود تھے۔

انہوں نے گو کہ مسکراتے ہوئے ائرپورٹ تک جانے اور واپس آنے کا مرحلہ طے کیا تھا لیکن تینوں جانتے تھے کہ وہ زبردستی مسکرا رہے ہیں۔ گاڑی انہوں نے گھر پر ہی پارک کی تھی۔ سلیم پریس پر آگیا تھا اور لالہ جی گھر رہ گئے تھے۔

سلیم نے ابھی تک شمسی کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ اسے اس بات کا تو علم ہو گیا تھا کہ شمسی کا آنا جانا "را" کے شکارپور والے ٹریننگ کیمپ میں رہتا ہے۔

لیکن

"را" نے اس کے قیام کا بندوبست کہاں کیا ہے اس بات کا اسے ابھی پتہ لگانا تھا۔ جس کے بعد ہی اس موذی کا گلہ دبوچنا ممکن تھا۔ اب اس کے نزدیک کرنل جوشی شمسی سے زیادہ اہمیت اختیار کر چکا تھا کیونکہ وہ پاگل کی بجائے اس کی ماں کو مارنے کا قائل تھا۔ خصوصاً سندھ کے پرامن شہروں میں کرنل جوشی کی وجہ سے درجنوں بے گناہ شہریوں کی موت اور املاک کی تباہی ایسے ناقابل معافی جرم تھے۔ جن کی کم از کم سزا موت ہی ہو سکتی تھی۔ سلیم جانتا تھا کہ جب "را" کو ایک ہی بھرپور جواب مل گیا تو کافی عرصہ تک وہ لوگ خاموش ہو جائیں گے۔

اسے اس بات کا علم تھا کہ تخریب کاری کا سارا جال کرنل جوشی نے اس کے ملک میں باندھا ہے اور اس کی موت سے ایک مرتبہ تو جال میں پھنسی مچھلیاں آزاد ہو جائیں گی۔ نئے "سیٹ اپ" تک اس کے ملک کی ایجنسیوں کو بھی اپنے حفاظتی اقدامات مضبوط کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور کچھ عرصہ کی خاموشی سے ہی عوام کا مورال بلند ہو سکتا تھا۔ اب تو صورت حال یہ تھی کہ گذشتہ چھ ماہ سے مسلسل دھماکوں کی ایک سیریز جاری تھی اور ابھی تک وہ لوگ کسی اہم "کلو" تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ جو دو چار ایجنٹ پکڑے

گئے تھے وہ سوائے کرنل جوشی یا میجر شرما کے اور کسی کو نہیں جانتے تھے!

اس نے جان بوجھ کر اس معاملے کو اتنے دن لمبا کیا تھا۔ اس طرح وہ ایک تو زیادہ سے زیادہ اطلاعات حاصل کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف اسے اس شہر میں سدرشنا کی غیر موجودگی کا سنہری موقعہ بھی مل گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ کارروائی سدرشنا کی غیر موجودگی ہی میں ہو تو بہتر ہے۔

لالہ جی اپنی بیٹی کی طرف سے پریشان تھے گو کہ انہیں سدرشنا یا سلیم نے کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ایک جوان بیٹی کا باپ ہونے کے ناتے اور بیٹی بھی ایسی جوان کے لیے بیٹے سے بڑھ کر تھی وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔

اس رات انہوں نے سلیم سے کرید کرید کر بہت کچھ پوچھا۔

لیکن

اس نے کمال ہوشیاری سے لالہ دوارکا داس کا دھیان اس حادثے کی طرف آنے ہی نہیں دیا۔ اس کے باوجود لالہ جی نے رات کھانے کی میز پر اعلان کر دیا تھا وہ کوشش کریں گے کہ سدرشنا کا تبادلہ "را" سے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں کروالیں گو کہ یہ بظاہر بہت مشکل کام تھا۔ لیکن لالہ جی پر امید تھے کہ اپنے دیرینہ دوستوں کی مدد سے وہ یہ معرکہ سر کر لیں گے۔

لیکن

اس کے لیے بہرحال سدرشنا کی منظوری درکار تھی۔

اس رات پہلی مرتبہ لالہ جی نے سلیم سے درخواست کرنے کے لہجے میں کہا تھا کہ وہ راہول کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ کام پر لگائے رکھے۔ کیونکہ اس گھر میں وہ اگر کسی کو خاطر میں لاتا تھا تو وہ "راج بھیا" تھے۔ اس نے لالہ جی کو مطمئن کر کے سلا دیا تھا اور خود سیر کرنے کے بہانے باہر آ گیا۔

○○○

اگلے روز اس نے سب سے پہلے "سیٹھی" کو فون کیا تھا۔

"سیٹھی صاحب ہیں؟"

اس نے دوسری طرف سلسلہ ملنے پر دریافت کیا۔

تھوڑی دیر بعد سیٹھی کی آواز سنائی دی وہ خود لائن پر تھا۔

"راج؟"

سلیم نے فون پر اپنا تعارف کروایا۔

"میں سمجھ گیا ہاں کیا حکم ہے بھئی۔ کیسے یاد کر لیا؟"

دوسری طرف بے تکلفی سے پوچھا گیا۔

"میں آج کالیا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اس نے اپنا پروگرام بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے پیغام مل جائے گا اور کچھ؟"

"دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آج کانشی رام کی طرف بھی جانا ہے۔"

"گڈ لک۔"

اس نے اپنا پروگرام بتایا تو دوسری طرف سے دعا موصول ہوئی۔ کانشی رام انہوں نے کرنل جوشی کا "کوڈ نیم" رکھا ہوا تھا۔ "گڈ بائی" کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

راہول اور لالہ جی کو وہیں بٹھا کر وہ موٹر سائیکل پر ہی اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ وہ "کالیا" کے ڈیرے کی طرف جا رہا تھا۔ کالیا ان لوگوں نے "پٹیل" کا "کوڈ نیم" رکھا ہوا تھا۔ وہاں کسی کو اس کے اصلی نام سے نہیں پکارا جاتا تھا۔ اس بزنس میں ہر مرحلے پر نیا روپ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ نئی شناخت اور نیا نام اپنانا پڑتا تھا۔

لیکن

ایک کوڈ نیم ایسا تھا جو مستقل رہتا تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو بھی پہچان سکتے تھے۔ موٹر سائیکل وہ معمول کے مطابق چلا رہا تھا کیونکہ اس نے دہلی کا نقشہ اچھی طرح

ذہن نشین کر لیا تھا اور اسے علم تھا کہ یہاں سے منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اسے کو
سارا راستہ اپنانا ہے۔

لاجپت نگر کے رنگ روڈ پر موجود "وکرم ہوٹل" اس کی منزل تھی اور وہ کسی
دریافت کئے بغیر یہاں تک آگیا تھا۔ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ہی اس نے ایک مارکیٹ
موٹر سائیکل سٹینڈ پر کھڑی کر دی اور پیدل اس طرف چل دیا۔

وکرم ہوٹل کے مین ہال میں پہنچ کر اس نے ایک میز سنبھال لی اور بیرے کو چا
لانے کا آرڈر دیا۔

بیرا تھوڑی دیر بعد چائے لے آیا۔ سیٹھی نے اسے ملاقات کا طریقہ سمجھا دیا تھا
کے بغیر پٹیل سے ملنا ممکن نہیں تھا۔

"مجھے پٹیل بابو سے ملنا ہے۔"

جیسے ہی بیرا چائے رکھنے کے لیے جھکا اس نے بیرے کے کان میں سرگوشی کی۔

بیرے نے چائے رکھنے کے بعد ایک نظر اس کی طرف دیکھا شاید اس کے نقوش
ذہن نشین کر رہا تھا اور پھر معمول کے مطابق اپنے کام میں جت گیا۔ سلیم نے نظریں ا
بیرے پر جما رکھی تھیں!

بیرا مین ہال سے ملحقہ ایک کمرے میں جس کے باہر مینیجر کی تختی لگی تھی داخل ہو
اور تھوڑی دیر بعد باہر آگیا۔ اس کے باہر آنے کے بمشکل دو تین منٹ بعد ہی اس کمر
سے سلیم نے ایک خونخوار قسم کے شخص کو برآمد ہوتے دیکھا جو کمرے سے نکل کر سیدھا
سلیم کی میز پر پہنچا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کس نے بھیجا ہے؟"

اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"سیٹھی صاحب نے۔"

سلیم نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہوں ں ں۔"

خونخوار شکل والے نے اس کی طرف دیکھ کر غراہٹ نما سانس لیا اور کچھ کہے بغیر اٹھ
کر چل دیا۔

سلیم حیران تھا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔

لیکن

جیسے ہی وہ کمرے میں پہنچا دو منٹ بعد اس نے اسی بیرے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

"صاحب چائے پی لی ہو تو میرے ساتھ آیئے۔"

اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"چلو۔"

سلیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

بیرے کے تعاقب میں وہ ڈائننگ ہال سے نکل کر ایک برآمدے میں آگیا جہاں ایک
لفٹ کے ذریعے وہ لوگ دوسری منزل تک پہنچ گئے۔ اس منزل کے ایک کونے میں آمنے
سامنے چار کمرے بنے ہوئے تھے۔ اور سلیم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ چاروں کمرے پٹیل
کے تصرف میں رہتے ہیں۔

ایک کمرے کے سامنے رک کر بیرے نے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟"

اندر سے کسی خاتون کی آواز سنائی دی۔

"سیٹھ صاحب آئے ہیں۔"

بیرے نے جواب دیا اور دروازہ کھلنے کی آواز پر سلیم کو وہیں رکنے کا اشارہ کر کے فوراً
انہی قدموں پر دروازے کی طرف دیکھے بغیر واپس لوٹ گیا۔

دروازہ کھلنے پر جو شکل اسے دکھائی دی اسے دیکھ کر سلیم کا جی چاہا کہ فوراً اپنی آنکھیں
بند کر لے۔

لیکن

اسے یہاں اپنی آنکھیں اور دماغ دونوں کو کھلا رکھنا تھا۔ پٹیل ڈبل ایجنٹ تھا وہ ایک

ہی وقت میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے علاوہ مجرموں کے ساتھ بھی کام کر رہا تھا۔ خدا جانے کب وہ کس طرف پھر جائے اور اپنا رخ بدل لے۔

وہ درمیانی عمر کی کوئی عورت تھی۔ بالکل ایسی عورتوں کی طرح جو فلموں میں ہیرو کی بڑی بہن یا پھر ویمپ کا کردار ادا کیا کرتی ہیں۔ اس کی شکل پر ایک نظر ڈالنے سے سلیم کو یوں لگا جیسے کہ اس نے اس عورت کو کسی بھارتی فلم میں دیکھا ہے۔ اب اسے اس فلم کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ عورت نے اپنے بدن کے صرف نازک اعضاؤ ڈھانپنے کا تکلف کیا برائے نام کیا تھا۔ اور مسکراتی ہوئی اس کی طرف متوجہ تھی۔

"پدھاریے"

اس نے سلیم پر نظر ڈال کر کہا اور ایک طرف ہٹ گئی۔

"دھنواد"

سلیم نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا۔

"فرمایئے کیا سیوا کریں آپ کی"

اس فاحشہ نے دروازہ دوبارہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے پٹیل بابو سے ملنا تھا۔ مجھے سیٹھی صاحب نے بھیجا ہے"

اس نے جواب دیا۔

"کام بتایئے کام۔ پٹیل بابو ذرا مصروف ہیں"

اس نے سلیم کو ہوسناک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں چلتا ہوں پھر آجاؤں گا کیونکہ کام انہی سے ہے"

سلیم نے دروازہ کی طرف مڑنا چاہا۔

"ایک منٹ آپ تو روٹھنے لگے۔ بیٹھیے میں بلاتی ہوں"

اس نے سلیم کو بازو سے پکڑ کر ایک صوفے پر بٹھا دیا۔

جیسے ہی وہ صوفے پر بیٹھا اس کمرے کا بغلی دروازہ کھلا اور پٹیل بابو اندر آ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں "سیلولر فون" پکڑا ہوا تھا اور منہ میں بڑا سا پان جس سے اس کا سارا منہ

بھرا ہوا تھا۔

"کہیئے"

اس نے بمشکل ایک لفظ سلیم کی طرف دیکھ کر ادا کیا۔

"سلیم نے کچھ کہنے سے پہلے اس فاحشہ کی طرف دیکھا جو اس کی طرف ابھی تک للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ اپنی یار ہے"

پٹیل نے وہاں رکھے ایک اگالدان میں پان تھوکتے ہوئے کہا۔

"مجھے فوری طور پر سائلنسر لگا ریوالور اور کم از کم 30 گولیاں درکار ہیں"

سلیم نے بھی کھٹاک سے کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ کہاں مانگتا ہے؟"

پٹیل نے دوبارہ جگالی کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں۔ ابھی"

اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"اپنی ذمہ داری ہو گی۔ یہاں معاملہ ٹھیک نہیں چل رہا"

پٹیل نے مختصر سی بات کی پھر اس نے فون پر کوئی نمبر ملا کر کسی سے ایسی زبان میں بات کی جو سلیم کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ شاید وہ گجراتی بول رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میرے آدمی کے ساتھ جا۔ یہاں سے پانچ چھ منٹ کے فاصلے پر تجھے مال دے دے گا۔ اور سنبھل کر بیٹا! ادھر کچھ ٹھیک نہیں چل رہا"

اتنا کہہ کر سلیم کا جواب سنے بغیر وہ اسی دروازے سے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جانے کے بمشکل دو منٹ بعد ایک سمارٹ سا نوجوان وہاں سے برآمد ہوا جس نے سلیم کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ سلیم کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کے پیچھے چل دیا۔ نوجوان اسے اپنے ہمراہ ہوٹل کے باہر تک لے آیا دونوں پیدل ہی ہوٹل کے باہر سڑک کی طرف چل دیے۔

دو سڑکیں عبور کرنے کے بعد وہ رک گیا۔

یہ کوئی بغلی سڑک تھی جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ سامنے کوئی کالونی زیر تعمیر تھی جس کی بیشتر کوٹھیاں آباد نظر آرہی تھیں۔ انہیں یہاں کھڑے بمشکل تین یا منٹ ہی ہوئے تھے جب سامنے سے ایک نیلے رنگ کی کار آتی دکھائی دی۔

کار ان کے نزدیک رک گئی۔

اس کار کو ایک لڑکی چلا رہی تھی۔ جس نے اپنی آنکھوں پر گہرے سیاہ رنگ کا چشمہ لگا رکھا تھا اور جینز میں ملبوس تھی۔

نوجوان نے جو اس کے ساتھ آیا تھا اور اس سے ابھی تک ایک بات بھی نہیں کی تھی کہا:

"بیٹھیے۔"

لڑکی نے سلیم سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کار کا اگلا دروازہ بھی کھول دیا۔

"اوکے۔"

سلیم نے کہا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس کے دروازہ بند کرتے ہی لڑکی نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ اس نے انجن بند نہیں کیا تھا بیٹھنے پر سلیم کو احساس ہوا کہ اس کے قدموں میں ایک چھوٹا سا بیگ پڑا ہے۔ بالکل ایسا جیسے بچے سکول لے جایا کرتے ہیں۔

"اپنا سامان اٹھالیں۔"

لڑکی نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

سلیم نے چلتی کار میں بیگ کھول کر دیکھا۔ یہ 38 بور کا ایک ریوالور تھا جس کے ساتھ سائلنسر الگ سے رکھا گیا تھا۔ اور آسانی سے فٹ کیا جا سکتا تھا۔ گولیاں ایک بیلٹ کی شکل میں موجود تھیں۔ اس نے اپنی پتلون کا پائنچہ اونچا کیا پستول کو وہاں رکھا اور جیکٹ کی جیب سے ربڑ کے دو مضبوط بینڈ اس طرح اس پر چڑھا دیے کہ پستول اس کی ٹانگ کا حصہ بن گئی۔ گولیوں والی بیلٹ اس نے اپنی قمیص کے نیچے چھپالی اور سائیلنسر کو دوسری ٹانگ کے ساتھ فٹ کر لیا!

حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بمشکل دو منٹ میں اس نے بیگ خالی کر دیا۔

"ویل ڈن۔"

لڑکی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔

"تھینک یو۔"

اس نے لڑکی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"آپ کو کہاں ڈراپ کروں۔"

لڑکی نے اس کی طرف دوبارہ بری نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

سلیم نے اندازہ لگا لیا تھا وہ ابھی وکرم ہوٹل کے گرد ہی چکر کاٹ رہے تھے اور کسی دوسری طرف نہیں گئے تھے۔

"آپ مجھے مارکیٹ پر اتار دیں۔"

اس نے لڑکی سے کہا۔

"اوکے۔"

کہہ کر لڑکی نے اگلی سڑک سے گاڑی گھما دی اور پانچ منٹ بعد وہ مارکیٹ کے نزدیک پہنچ گیا۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر صرف "بائی" کہنے پر اکتفا کیا تھا۔

سلیم سے کسی نے پیسے نہیں مانگے تھے۔ شاید سیمی کی طرف سے ادائیگی کر دی گئی تھی۔ وہ اطمینان سے چلتا اپنی موٹر سائیکل تک آگیا اور نزدیک ہی دوسری مارکیٹ سے اس نے مشینوں کی صفائی کے لیے ضائع شدہ کپڑے کے ٹکڑے خرید کر ان کا بنڈل موٹر سائیکل کے پیچھے باندھ لیا۔

○○○

اب وہ کینٹ ایریا کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے کرنل جوشی کی کوٹھی والی "مالا کنڈ

لائن" کے گرداگرد پانچ چھ گلیوں میں موٹر سائیکل گھما کر اچھی طرح مختلف راستوں کا جائزہ لے لیا تھا اور اب قدرے مطمئن ہو کر اپنے پریس کی طرف واپس لوٹ رہا تھا۔

سلیم نے یہ عمل دو دن تک جاری رکھا۔ اس درمیان وہ دن اور رات کے مختلف اوقات میں اسی علاقے میں گھوم پھر کر جائزہ لیتا رہا۔ اس نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ کرنل جوشی رات اپنے گھر پر ہی گزارتا ہے۔ اپنا اسلحہ اس نے بڑی مہارت اور ہوشیاری سے پریس ہی میں چھپائے رکھا۔ اس نے اب باقاعدہ اپنی صبح کی ورزش کا آغاز کر دیا تھا وہ روزانہ صبح لالہ دوارکاداس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی سیر پر نکل جایا کرتا تھا۔

لالہ دوارکاداس کو کبھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اس نے کسی باغ میں سیر نہیں کی تھی وہ تو روزانہ صبح اپنے گھر سے کرنل جوشی کے گھر تک پانچ چھ کلو میٹر کا فاصلہ دوڑ کر طے کیا کرتا تھا۔ اس درمیان اس نے اپنی سپیڈ کافی بڑھا لی تھی اور اب وہ اپنا "ہوم ورک" مکمل کر چکا تھا۔

آج اس نے اپنا پستول اور باقی سامان بڑی ہوشیاری سے پریس سے اپنے کمرے میں منتقل کر لیا تھا۔ سدرشنا کی طرف سے صرف ایک فون آیا تھا کہ وہ لوگ بخیر و عافیت اپنے ٹھکانے تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اس کی تربیت جاری ہے۔

اسی روز رات کے کھانے پر دیر گئے تک وہ سدرشنا کی باتیں کرتے رہے۔ پھر رات ڈھلے سونے کے لیے سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ سلیم نے بھی اپنے کمرے کی لائیٹ حسب سابق بجھا دی تھی۔

لیکن

وہ اپنے ٹریک سوٹ میں ملبوس پلنگ پر لیٹا چھت کو گھورتا رہا کبھی کبھی دیوار پر لگے کلاک پر نظریں دوڑا لیتا۔ بالآخر وہ گھڑی آ گئی جس کا اسے انتظار تھا۔

★ ★ ★

اس کی حالت شکار کی تلاش میں سرگرداں چیتے کی سی ہو رہی تھی۔ بلی کی طرح اپنے پنجوں پر چلتے ہوئے اس نے دوبارہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور ایک مرتبہ پھر اس

اطمینان کے بعد کہ اب گھر والوں کے صبح سے پہلے بیدار ہونے کا کوئی چانس نہیں رہ گیا۔ اپنے کمرے میں واپس لوٹ آیا۔

اس نے صبح کی سیر باقاعدہ شروع کر دی تھی اور لالہ دوارکاداس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس لیے سیر پر نہیں جا سکتا کہ اس نے دو گھنٹے مسلسل جاگنگ کرنی ہوتی ہے اور اپنے مارشل آرٹس کی پریکٹس بھی۔

لالہ دوارکاداس نے اس کی بات سمجھ کر سر ہلاتے ہوئے کہا تھا کہ واقعی وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتے یوں بھی صبح کی سیر میں کوئی کسی کا ساتھ نہ ہی دے تو بہتر ہے کیونکہ ان کے خیال میں اسی طرح آدمی ورزش کم اور آپس میں باتیں زیادہ کرتا ہے۔

باہر والے دروازے کی ایک ڈوپلیکیٹ چابی اسے مل گئی تھی اور لالہ جی کو علم تھا کہ وہ ان سے پہلے ورزش کے لیے جاتا ہے اور بعد میں واپس لوٹتا تھا۔

انہوں نے گھر کی ایک چابی اپنے پاس دوسری سدرشنا اور تیسری سلیم کو سونپی ہوئی تھی کیونکہ اب کام کے سلسلے میں اسے اکثر دیر سویر سے گھر آنا پڑتا تھا۔ کام اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ کبھی کبھی انہیں پریس کی دوسری شفٹ چلانی پڑتی تھی اور وہ رات کے دوسرے پہر واپس لوٹتا تھا جب گھر کے باقی لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے۔ اس حالت میں وہ کسی کی نیند خراب کرنے کا قائل نہیں تھا۔

گذشتہ دو دنوں میں اس نے اپنا "ہوم ورک" مکمل کر لیا تھا۔

اس کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو چکی تھی کہ کرنل کی حفاظت کا کوئی خاص بندوبست نہیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کرنل جوشی کے ہمسائی میں رہنے والے فوجی اور ملیشیا افسران اسے صرف فوج کے ایک کرنل کی حیثیت سے جانتے تھے۔

لیکن

"را" نے اپنے اس "ہونہار آفیسر" کی حفاظت سے کبھی غفلت نہیں برتی تھی۔ چوبیس گھنٹے سادہ وردی میں ملبوس آرمی کے تین چار کمانڈوز اس کے گھر نوکروں کے بھیس میں پہرہ دیا کرتے تھے۔ کوئی بیرے کے روپ میں مقیم تھا تو کوئی گھر کے سودا سلف

لانے والے اور باورچی کے روپ میں۔

اسے ان سب سے نمٹنا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ کرنل نے گو کہ اپنے ساتھیوں میں اس کی طرف سے پہنچنے والی دھمکی کو مزاح کے انداز میں بیان کیا تھا۔

لیکن

"را" نے اس کا نوٹس لیا ہو گا۔ اور انہوں نے کرنل پر پہرہ بڑھا دیا ہو گا۔ اس نے گذشتہ دو سال کی محنت سے "را" کو بڑے مثبت نتائج بر آمد کر کے دکھائے تھے اور پاکستان میں اتنی تخریب کاری کروادی تھی جتنی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

ایسے قابل آفیسر سے وہ لوگ آنکھیں نہیں چرا سکتے تھے۔ سمّی جیسے غدار کو بھارتی انٹیلی جنس کے ہاتھوں کھلونا بنانے میں اس کا کردار سب سے نمایاں تھا۔ اسی طرح دبے پاؤں وہ مین دروازے تک پہنچا تھا جس کو اس نے آواز پیدا کیے بغیر کھولا تھا۔ گھر سے باہر آکر اس نے دوبارہ اپنی جیکٹ کو تھپتھپا کر دیکھا اور مطمئن ہو کر گردن ہلا دی۔

یہاں سے کرنل کے گھر کا فاصلہ قریباً پانچ کلومیٹر تھا جو اس نے بھاگ کر طے کرنا تھا۔ سلیم نے اپنی صبح کی ورزش کا آغاز اسی مشن کی تکمیل کے لیے کیا تھا۔ آدھے گھنٹے کی مختا جوگنگ نے اسے کینٹ ایریا کی مالا کنڈ لائن کے پاس پہنچا دیا تھا۔

یہ سفر وہ اس سے کم وقت میں بھی طے کر سکتا تھا۔

لیکن

اس نے احتیاط کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ گو کہ اس نے یہاں پہنچنے کے لئے شارٹ کٹ اپنایا تھا لیکن بالکل محفوظ اس نے وہ راستہ اختیار کیا تھا جس طرف پولیس کے گشت کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

تربیت یافتہ کمانڈوز کی طرح اس نے ایک مرتبہ پھر گھڑی کی سوئیوں پر نظر دوڑائی۔ اب تک سارا کام وہ طے شدہ وقت کے مطابق کر رہا تھا۔ اب اسے کرنل کی خواب گاہ تک پہنچنا تھا اور اس کے لیے جو طریقہ اس نے اختیار کیا تھا۔ وہ "را" کے وہم و گمان میں

ں آسکتا تھا!!

○○○

اپنے ذہن میں پہلے سے نقش راستوں کو دہراتے ہوئے اس نے کرنل جوشی کے گھر
کی کے گرد ایک لمبا چکر کاٹا تھا چاروں طرف سناٹا تھا کہیں کہیں سٹریٹ لائیٹ کی
لی البتہ بیشتر بنگلوں کے باہر لگی نیم پلیٹس اور ان کے نمبر ضرور روشن تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کرنل جوشی کی کوٹھی کے پچھواڑے سے ملحقہ کوٹھی کی دیوار کے
کڑا تھا۔ یہ جدید طرز کی بنگلہ نما کوٹھی تھی۔ جس کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں جن پر
دار بیلیں چڑھائی گئی تھیں۔ ایک روز پہلے اس نے اس امر کا اطمینان حاصل کر لیا تھا
اس کوٹھی میں کوئی کتا موجود نہیں ہے۔ شاید اسی لیے سلیم نے اس کوٹھی کا انتخاب
ا تھا۔ اس طرح وہ تین اطراف سے محفوظ ہو چکا تھا۔ اب جو بھی مزاحمت ہوتی وہ کرنل
ی کی کوٹھی کے پچھلے حصے سے ہو سکتی تھی۔

اپنے پنجوں پر چلتے ہوئے وہ اس بنگلے کے برآمدے سے گزر کر کرنل جوشی کے گھر
ملحقہ دیوار تک پہنچ گیا۔ دونوں بنگلوں کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار حد فاصل
ی۔ جسے اس نے پلک جھپکتے ہی عبور کر لیا کرنل جوشی نے اپنی خصوصی شناخت نہ
کرانے کی خاطر اپنے گھر میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں کی تھی اور اس کی دیواریں وغیرہ
ں کے دیگر بنگلوں کی طرح چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔

دیوار پھلانگ کر وہ زمین پر اس طرح گرا تھا جیسے کسی بلی نے دوسری طرف سے ادھر
چھلانگ لگائی ہو۔

یہ بنگلے کا گراؤنڈ فلور تھا اور اسے اب پہلی منزل تک جانا تھا۔ اس طرف بنے چھوٹے
سے برآمدے میں روشن تھوڑی روشنی کا بلب سلیم کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک رہا
تھا۔ یہ بلب اس کے لیے کسی بھی لمحے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اسے یہاں
سے فائر کر کے توڑنا ممکن نہیں تھا اس طرح بلب کے ٹکڑے زمین پر گرتے اور آواز پیدا

کرتے یہی سوچتے ہوئے وہ برآمدے کی دیوار سے لگا آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہا تھا۔

اب وہ بلب کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بلب کی طرف بڑھایا ہی تھا:

اچانک سلیم کو اپنی گردن پر ٹھنڈی نالی کا احساس ہوا۔

"فریز خبردار اگر تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا۔ میں کرنل کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

وہاں گھات لگائے "بلیک کیٹ" کمانڈو نے اس کی گردن پر پستول کی نالی جماتے ہوئے کہا۔

سلیم نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہے۔ وہ شاید اپنے آفیسر پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کے دشمنوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ کچھ نہیں اور وہ جب چاہیں انہیں کیچوے کی طرح مسل کر رکھ دیں۔

لیکن

بھارتی فوج کے اس مایہ ناز کمانڈو کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کے مقابل بھی دنیا کی بہترین فوج کا کمانڈو ہے۔

سلیم نے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر ہاتھ کھڑے کر دیے۔

اس کا مقابل اسے پستول کی نوک پر برآمدے کے ایک کونے میں لے جا رہا تھا تاکہ اس کے دونوں ہاتھ دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے باندھ سکے۔

سلیم اطمینان سے اس کے حکم پر دیوار تک آگیا تھا۔

"اپنے دونوں ہاتھ دیوار سے لگا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

اس نے سلیم کی توقع کے مطابق حکم دیا اور سلیم نے اس کی تعمیل کی۔

اب وہ اس کی تلاشی لینے کے ارادے سے آگے بڑھا تھا۔ سلیم کا منہ تو دیوار کی طرف تھا۔

لیکن

یوں لگتا تھا جیسے اس کی گردن کے پیچھے بھی دو آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی سلیم

نے اپنی کنپٹی پر پستول کا دباؤ قدرے کم محسوس ہوا بجلی کی سی پھرتی سے اس نے گردن کو بائیں طرف گھمایا اس کے ساتھ ہی اس کا دایاں گھٹنا مڑا اور اس کے پاؤں کی ایڑی والا حصہ بلیک کیٹ کے جسم کے نازک حصے پر اتنی قوت سے لگا کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

یہ سارا عمل بمشکل چند سیکنڈ میں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اتنا کم وقت سلیم نے لیا تھا اس میں اس کے مخالف کو اپنے پستول کا ٹریگر دبانے کی مہلت بھی نصیب نہیں ہوئی۔

بے اختیار ہو کر بھارتی کمانڈو آگے کی طرف جھکا۔

لیکن

دوسرا وار بڑا ہی جان لیوا تھا!

سلیم نے اپنے بائیں بازو کی کہنی پوری قوت سے آگے کو جھکتے ہوئے بھارتی کمانڈو کے سر کے پچھلے حصے میں کسی خاص پوائنٹ پر ماری اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

برآمدے سے ملحقہ ایک دروازے کو سلیم نے دھکا دیا اور وہ کھلتا چلا گیا۔ شاید یہ کوئی سٹڈی روم تھا۔

اس نے زمین پر گرے کمانڈو کی ٹانگ کھینچ کر اسے اندر پھینکا اور دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ اس کا پستول سلیم نے اٹھا کر باہر پھولوں کے جھنڈ میں پھینک دیا تھا۔ اب اسے بلب اتارنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ مکان کے اس حصے میں موجود کرنل جوشی کی حفاظت پر متعین خصوصی کمانڈو کو اس نے ایک ہی جھٹکے میں ٹھنڈا کر دیا تھا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اپنے پستول میں سائلنسر بھی فٹ کر لیا تھا اور اب سیڑھیوں کے آخری سرے پر اس دروازے کے نزدیک پہنچ گیا تھا جہاں گھومنے پر وہ کمروں کی اس قطار کے سامنے پہنچ جاتا جن میں سے ایک کرنل جوشی کی خوابگاہ بھی تھی!!

یہاں چند لمحے رک کر اس نے دوسری طرف کی صورت حال کو شاید "سونگھنے" کی کوشش کی تھی۔ اچانک ہی اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

دوسری طرف اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا!!

چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد بالآخر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس نے "اب نہیں یا نہیں" پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اپنے دائیں ہاتھ میں پستول کو بالکل فائرنگ پوزیشن میں کرتے ہوئے اس نے دروازے سے دروازہ کھولا اور نتیجہ اس کی توقع کے عین مطابق نکلا۔

دوسری طرف سے "ہینڈز اپ" کی گرجدار آواز سنائی دی۔

لیکن

مخالف کو یہ علم نہیں تھا کہ اس نے اپنے دماغ میں پہلے سے اس قسم کی صورتحال پیش آنے سے متعلق ہی پیش بندی کی ہوئی تھی اور اپنے جسم کو اس طرح آزاد رکھا ہوا تھا کہ سامنے والا اگر فائر بھی کرے تو کم از کم وہ اس کی گولیوں سے بچ سکتا تھا۔

"ہینڈز اپ" کی آواز کے ساتھ ہی "کلک" کی آواز بھی سنائی دی۔ سلیم نے اس خطرے کو خاطر میں لائے بغیر مکمل ہوش و حواس سے بغیر کسی گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ فائر کیا تھا اور گولی مخالف کے ماتھے پر بالکل اس جگہ لگی تھی جہاں کا آئیڈیا سلیم کے ذہن میں تھا!

بھارتی کمانڈو نے سنبھل کر ہاتھ سیدھا کرنا چاہا۔

لیکن

اس بے چارے کو یہ مہلت نہ مل سکی۔ کیونکہ دوسری گولی اس کے سینے میں بائیں طرف بالکل دل کے اوپر لگی تھی۔ جس کے بعد وہ کچھ کرنے کے لائق رہ ہی نہیں گیا تھا سلیم نے بطور احتیاط تیسری گولی بھی اس کی کھوپڑی میں اتار دی تھی۔

اچانک ہی اسے کرنل کی خوابگاہ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی!!

شاید کرنل نے اپنی چھٹی حس کے تابع باہر کی صورتحال کا جائزہ لینا چاہا تھا یا پھر موجود محافظ کے فرش پر گرنے کی آواز سے چونکا تھا۔

سلیم کسی برقی عمل کے تحت دروازے کے اس حصے کی طرف ہو گیا تھا جو دیوار میں

اسب ہوتا ہے۔ کرنل نے جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔

لیکن

قضا اس کے سر پر مسلط تھی۔

جیسے ہی اس نے گردن باہر نکالی سلیم نے اس کی کھوپڑی سے پستول کی نالی لگا دی اور باؤ ڈال کر اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

کرنل کی خوابگاہ میں رات کو ہلکی روشنی دینے والا بلب روشن تھا۔ اپنی دانست میں اپنے پلنگ کی طرف گھومتے ہوئے کرنل نے سلیم والا داؤ جو اس نے نیچے برآمدے میں موجود کمانڈو پر آزمایا تھا سلیم پر آزمانا چاہا۔ وہ بالکل اس انداز میں اپنی جگہ پر گردن جھکا کر تھوڑا سا گھوم بھی گیا۔

لیکن

جو کام اس نے کرنا تھا وہ اس سے پہلے ہی سلیم نے کر دکھایا۔ اس نے اپنی دائیں ٹانگ اتنی زور سے کرنل کی کمر پر ماری تھی کہ وہ منہ کے بل مسہری کے کونے سے ٹکرایا اور اس کا شاید کوئی دانت ٹوٹ گیا تھا کیونکہ جب وہ اپنی جگہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کے منہ سے خون جاری تھا۔

"تم؟"

کرنل نے سلیم کی شکل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں"

سلیم نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کون ہو تم؟"

کرنل نے جس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر کھڑے تھے پوچھا۔

"گو کہ تمہارے کسی سوال کا جواب دینا میرے لیے ضروری نہیں۔ لیکن مرنے والے کی آخری خواہش کے احترام میں تمہیں بتا ہی دوں کہ میں وہ ہوں جس کے لیے تم گذشتہ ڈیڑھ سال سے باؤلے ہوئے جاتے ہو۔ تم سمجھ گئے ناں"

سلیم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"اوہ وائیٹ فلاور"

کرنل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"یس"

سلیم نے اسی طرح پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا کہ بھارتی فوج کے کرنل [illegible] دھک سے رہ گیا۔

"تو تم اس غدار سدرشنا کے ذریعے"

شٹ اپ"

کرنل کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کرنل کو ڈانٹ دیا اور وہ سہم کر چپ ہو رہا۔

"ہم عورتوں اور معصوم بچوں کا سہارا نہیں لیا کرتے۔ بزدل انسان' تو کیا سمجھتا تھا [illegible] بے گناہ شہریوں کی جان لے کر تو ہمیں نیچا دکھا دے گا۔ کرنل جوشی میں اگر چاہوں تو [illegible] تمہاری کھوپڑی کے پرخچے اڑا دوں۔ لیکن نہیں' تم اتنی آسان موت کے مستحق نہیں [illegible] تم نے میرے ملک کے سینکڑوں بے گناہ بچوں کی جانیں لی ہیں اور سینکڑوں کو یتیم کیا [illegible] میں تمہیں وہ موت دوں گا جو "را" کے لئے عبرت کا نمونہ بن جائے گی۔ اور ہاں مر [illegible] سے پہلے یہ بھی جان لو کہ تمہارے بعد میرے ملک کے غداروں اور آخر میں شکار پور [illegible] تربیتی کیمپ کی باری آئے گی۔ میں ان سب کو خدا کے فضل سے نیست و نابود کر [illegible] جس طرح تم ہونے جا رہے ہو"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

کرنل اس کی بات کے خاتمے پر اچانک یوں لڑکھڑایا تھا جیسے اپنی جگہ کھڑا کھڑا گر [illegible] لگا ہو۔

لیکن

اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ مسہری کے دوسرے کونے میں لگے پش بٹن تک [illegible] سلیم کے پستول نے ایک اور شعلہ اگلا اور کرنل تڑپ کر دوسری طرف الٹ گیا اس [illegible]

[illegible] ہاتھ کی کلائی ٹوٹ گئی تھی۔

تکلیف اور غصے سے بے قابو ہو کر اس نے سلیم کو اونچی اونچی گالیاں بکنی شروع کر [illegible] دی تھیں۔ جو اطمینان سے اس کے سامنے ایک آرام دہ کرسی پر پستول اس کی طرف [illegible] تانے بیٹھا تھا۔ جنونی انداز میں سلیم کا قہقہہ بلند ہوا۔ اس وقت وہ بالکل بدلا ہوا انسان دکھائی دے رہا تھا۔

"اگر جلنے کے بعد تمہارے دماغ کی کوئی ہڈی چٹخنے سے بچ گئی تو تمہاری پوسٹ مارٹم رپورٹ بتا دے گی کہ مرنے سے پہلے تم پاگل ہو گئے تھے۔ بے وقوف تمہیں کس گدھے نے کرنل بنا دیا۔ ان ساؤنڈ پروف دروازوں اور کھڑکیوں سے تو گولی چلنے کی آواز باہر نہیں جا سکتی تمہاری چیخ و پکار کون سنے گا۔ اور ہاں یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اس طرف موجود تمہارے دونوں "بلیک کیٹس" مارے جا چکے ہیں"

سلیم نے کہا اور کرنل خاموش ہو کر اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ اسے شاید اپنی بے بسی پر غصہ آنے لگا تھا۔

"تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے"

اس نے ایک مرتبہ پھر سلیم کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ جس کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ مسلسل چپکی ہوئی تھی۔

"کون کم بخت زندہ جانے کے لیے یہاں آتا ہے۔ کرنل! تمہیں آج تک اس بات کی سمجھ ہی نہیں آئی کہ دنیا کی اتنی بڑی طاقت کے سامنے ہم کس طرح ابھی تک سر اٹھا کر زندہ رہ رہے ہیں۔ عقل کے اندھے اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ تمہیں جتنی محبت زندگی سے ہے ہمیں اس سے کئی گنا زیادہ موت سے لیکن تم ہمیں مار نہیں سکتے"

سلیم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو"

کرنل نے سنبھل کر کہنا چاہا۔

"ہاں اور اس پاگل پن کا نمونہ کل بھارت کے بچے بچے کو دکھائی دے گا۔ کرنل

جوشی تمہیں آگ سے کھیلنے کا بہت شوق ہے۔ تم نے میرے ملک کی درسگاہوں
سامنے تخریب کاری کروائی جس میں ایسا دھماکہ خیز مواد استعمال کیا جس سے میری قو
درجنوں معصوم بچے زندہ جل گئے۔ تم نے میرے ملک کی ٹرینوں میں بم نصب کرا
پھٹنے پر تیزی سے آگ لگاتے تھے جس میں معصوم اور بے گناہ مسافر زندہ جل کر
جائیں۔ تمہیں بھی ایسی ہی موت ملے گی۔ تم بھی جل جاؤ گے۔ لیکن مرنے کے بعد تم
بلکہ ابھی' ہاں کرنل تم ابھی زندہ جل جاؤ گے۔ میں تمہیں اس طرح جلا کر مار ڈالوں گا
طرح تم نے میرے ملک کے سینکڑوں بے گناہوں کو جلا کر مارا ہے۔ چلو تمہیں اس
تمہیں تو آخر جلنا ہی تھا۔ مرنے کے بعد بھی تمہیں جلایا جاتا۔ میں تمہارے لواحقین کا
مشکل بھی آسان کئے دیتا ہوں"۔

سلیم نے اپنی بات کے خاتمے پر اس کے چہرے پر پہلی مرتبہ موت کی زردی
دیکھی کرنل جوشی کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ شخص جو کہتا ہے کر گزرے گا۔ اسے
زندگی "وائیٹ فلاور" کو مار دینے کی حسرت ہی رہ گئی۔ آج جب وہ ملا بھی تو غالب
سلیم نے یہ باتیں یوں ہی نہیں کی تھیں۔

اس کی نظریں برابر دیوار پر لگے کلاک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے
منصوبے کے ایک ایک حصے پر مخصوص وقت میں عمل کرنا تھا۔

اور اب وہ وقت آگیا تھا۔

○○○

اچانک ہی اس کے پستول نے ایک اور شعلہ اگلا اور کرنل کے عین گھٹنے پر گولی
لگی۔ اس نے دوبارہ مرتے ہوئے جانور کی طرح ڈکرانا شروع کر دیا۔

سلیم نے پستول میں موجود آخری گولی اس کے دوسرے گھٹنے پر فائر کی اب کرنل

حالت زمین پر رینگنے والے کیچوے جیسی ہو گئی تھی۔

سلیم کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک ہی ان معصوم بچوں کے لاشے لہرانے لگے تھے جو اس وحشی کرنل کی درندگی کی بھینٹ چڑھے تھے۔

زمین پر تڑپتے کرنل پر اس نے بیڈ کی چادریں پھینکنا شروع کر دی تھیں جو اس کے بدن سے سانپ کی طرح لپٹی چلی گئیں۔

وہاں موجود لکڑی کی دونوں خوبصورت کرسیاں' چھوٹی میزیں اور اس کمرے میں لکڑی کے بنے تمام ڈیکوریشن پیس اس نے کرنل کے اوپر پھینک کر اس کی "چتا" مکمل کر دی تھی۔

اب وہ اس کھیل کے آخری سین کو دہرانے جا رہا تھا۔

اس نے اپنے جسم سے بندھی گولیاں پیٹی سے نکال کر اس پر پھینک دیں۔ اپنا پستول وہاں پھینک دیا اور اس مرتبہ اس کی جیکٹ کی جیب سے جو شے برآمد ہوئی اس نے موت کے خوف سے نیم مردہ کرنل جوشی کو زندہ درگور ہی کر دیا۔ یہ پٹرول کی بمشکل آدھے لیٹر کی ایک شیشی تھی۔

"کرنل جوشی تو نے جس آگ کو میرے ملک پر پھیلانے کے لیے اپنی حکومت کا کروڑوں روپیہ برباد کر دیا۔ میں وہ آگ تجھے صرف چھ روپے میں دے کر مار رہا ہوں۔ کرنل جوشی اس پٹرول کی قیمت صرف چھ روپے ہے۔ اپنے اپنے وسائل کی بات ہے۔ میں اتنے پیسے ہی افورڈ کر سکتا ہوں"۔

اس نے کرنل کے سرہانے اکڑوں بیٹھ کر یہ بات کہی اور اس کے اوپر لگے ڈھیر پر چھڑکاؤ کر دیا۔

اب وہ دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ جہاں اس نے اپنے دل و دماغ میں موجود اس وحشی درندے کے خلاف تمام نفرت کو اپنے ہاتھوں میں منتقل کر لیا اور جیب سے ماچس نکال کر تین چار تیلیاں اکٹھی جلا کر کرنل کی "چتا" پر پھینک دیں۔ اچانک ہی آگ بھڑک

اٹھی۔

بھاگتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ کمرے سے اچانک فائرنگ کی آوازیں آ
تھیں۔ یہ وہ گولیاں تھیں جو اس نے کرنل کی "چنا" پر چلائی تھیں۔ یوں دکھائی د
تھا جیسے یمراج (موت کا فرشتہ) ہوائی فائرنگ کر کے کرنل کی موت کا جشن منا رہا ہو۔

جس راستے سے وہ آیا تھا۔ اسی راستے سے باہر نکل گیا اور عین ان لمحات میں
کرنل جوشی کی خوابگاہ سے بلند ہوتے الاؤ کے گرد بھارتی فوج کے افسران اکٹھے ہو
تھے وہ اطمینان سے معمول کی جاگنگ کرتا ہوا اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

اپنے معمول کے وقت پر وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں ورزش کیا کرتا تھا۔

اپنی جیکٹ ایک طرف رکھ کر اس نے معمول کی "یوگا" کی مشقیں شروع کر
یہاں سیر کے لیے آنے والے لوگ معمول کے مطابق اسے "صبح بخیر" کہہ کر ہاتھ ہا
اس کے قریب سے گزرتے جا رہے تھے۔

سلیم کو آج کئی روز کے بعد اپنا جسم پھول کی طرح ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا جیسے
نے اس کی روح اور جسم پر پڑا منوں بوجھ ایک ہی جھٹکے میں اتار کر رکھ دیا ہو۔

○○○

شکنجہ

اپنی تربیت کے بعد انہوں نے یوں تو بمشکل پانچ سات روز ہی بھارت میں گزارے تھے۔

لیکن

ان پانچ سات دنوں میں انہیں کئی جنموں کے مزے مل گئے تھے۔ میجر شرما ان کے لیے روزانہ نئے سے نیا مال سپلائی کرتا تھا۔ اس درمیان وہ مسلسل شراب و شباب کے نشے میں بدمست رہے تھے اور "را" نے انہیں عیش و نشاط کی وہ وہ منزلیں سر کروا دی تھیں کہ اب ان کا "را" کے شکنجے سے بچ نکلنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اب وہ ایسے مزے لینے کے لیے بار بار "را" کے گھناؤنے جال میں پھنسنے کو تیار تھے۔ آج جب وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے تو اپنی اپنی داشتاؤں سے جو دراصل "را" کی تربیت یافتہ فاحشائیں تھیں یہ وعدہ کر کے جا رہے تھے کہ اپنا مشن مکمل کرتے ہی وہ دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

ان فاحشاؤں نے بھی انہیں اپنی تربیت کے مطابق خاصے ٹسوے بہانے اور بہت سے وعدے لینے کے بعد ہی رخصت کیا تھا۔

پانچوں اپنے قائد فیاض کی سرکردگی میں گذشتہ شراب و شباب کے خمار میں ڈوبے دہلی سے رخصت ہوئے تھے۔ ٹرین نے انہیں امرتسر اتار دیا تھا جہاں سے انہیں اپنے ملک میں جانا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ ضرورت کا سامان انہیں کہاں سے حاصل کرنا ہے اور "ٹارگٹ" بھی دے دیے گئے تھے۔

میجر شرما نے روانگی سے پہلے ایک مرتبہ پھر بطور احتیاط ان کے سامان کی تلاشی لے کر اس بات کا اطمینان حاصل کر لیا تھا کہ ان کے پاس کوئی مشتبہ چیز نہیں ہے۔

"را" نے ہی انہیں خریداری کے لیے اچھی خاصی رقم بھی دی تھی اور اب وہ معمول کے "پھیرے بازوں" کی طرح اپنے ساتھ اچھا خاصا سامان لے کر جا رہے تھے تاکہ دوسری طرف یہی سمجھا جائے کہ وہ عام قسم کے نوجوان ہیں جن کا آنا جانا سرحد کے آر پار لگا رہتا ہے۔ یہ لوگ کچھ مال ادھر سے ادھر لے جا کر فروخت کر دیتے تھے اور کچھ ادھر سے ادھر لا کر فروخت کرتے تھے۔ اس طرح ان کا دھندہ دونوں طرف کے کسٹم افسران کو دے دلا کر جاری رہتا تھا۔

ان کے لیے اس طرح آنا جانا کوئی پہلی مرتبہ تو ہوا نہیں تھا کہ وہ کوئی جھجھک محسوس کرتے وہ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ بھارت جا چکے تھے۔ ان میں سے ہر نوجوان نے تین تین پاسپورٹ مختلف ناموں سے بنوا رکھے تھے اور ہر دفعہ نیا پاسپورٹ دکھا کر ویزا لیا کرتے تھے۔

ٹرین میں بھی وہ تمام راستہ بدمستیاں کرتے آئے تھے۔ انہیں رخصت کرنے کے لیے دہلی سے "را" کا ایک آفیسر بطور خاص سرحد تک ان کے ساتھ آیا تھا تاکہ بھارتی کسٹم کا عملہ ان کے لیے کوئی مشکلات پیدا نہ کرے جب کہ دوسری طرف کا بندوبست انہوں نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔

"را" کا افسر انہیں بھارتی سرحد پر رخصت کر کے واپس چلا گیا۔

اس ٹرین کو اب پاکستان جانا تھا۔ ان پانچوں گدھوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس ڈبے میں موجود دیگر پاکستانیوں میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا جو بڑے غور

دہلی سے یہاں تک ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا آیا تھا۔ اور جس نے اس درمیان ان ملاقات کرنے والے ایک ایک شخص کا حلیہ تک اپنی چھوٹی سی نوٹ بک میں درج کر لیا۔

ٹرین لاہور ریلوے اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھی اور وہ پانچوں بڑے اطمینان سے اپنا سامان سمیٹ رہے تھے۔

باقی مسافروں کو دھکے مارتے وہ سب سے پہلے باہر آئے تھے ان کے بعد باہر آنے والا وہی نوجوان تھا جو اب تک ان کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس نے باہر آنے کے بعد ڈبے کے دروازے کے سامنے شلوار قمیص میں ملبوس ایک لمبے تڑنگے نوجوان کو ان کی نشاندہی کرانے کے بعد مخصوص اشارہ کیا تو اس نے گردن ہلا کر اس کی بات سمجھنے کی یقین دہانی کرائی اور ان کے تعاقب میں چل دیا۔

یہ انسپکٹر اشرف تھا جسے پہلے ہی سے سارا منصوبہ سمجھا دیا گیا تھا۔ اسے علم تھا کہ ان پانچوں کا سرغنہ کون ہے؟

"کتنا مال ہے؟"

اس نے اچانک ہی فیاض کے کانوں میں چلتے چلتے اس کے نزدیک پہنچ کر سرگوشی کی۔

"مال تھوڑے سے پان اور کچھ گھر والوں کے لیے کپڑے وغیرہ ہیں اور ہمارے پاس کیا ہو گا؟"

فیاض نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"کتنے آدمی ہو؟"

اشرف نے دوسرا سوال کیا۔

"پانچ"

فیاض نے جواب دیا۔

"پانچ ہزار دو گے سارے مال کا؟"

انسپکٹر اشرف نے بڑے پروفیشنل لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب، نہیں یار ہم غریب آدمی ہیں۔"

فیاض نے مکاری دکھائی۔

"ٹھیک ہے آج بڑے افسروں نے چھاپہ مارا ہے۔ دوگنی رقم بھی دو گے اور مارا سامان دوبارہ باندھو گے۔"

انسپکٹر اشرف نے اسے باور کروایا۔

دونوں کے درمیان تین چار مزید فقروں کا تبادلہ ہوا اور چار ہزار پر سودا طے پا گیا۔

"میرے پیچھے آجاؤ۔"

اشرف نے انہیں اشارہ کیا اور پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کے تعاقب میں چل دیے۔ انہوں نے اپنی دانست میں بڑا معرکہ مارا اور بہت سستا سودا کیا تھا کیونکہ کسٹم والے کے ہتھے چڑھ جاتے تو دس ہزار سے کم میں جان نہ چھٹتی۔

انسپکٹر اشرف کے تعاقب میں وہ کسٹم لائن عبور کر گئے اور اب اسٹیشن سے باہر آرہے تھے۔

عین ان لمحات میں جب وہ فیاض سے چار ہزار روپیہ وصول کر رہا تھا۔ اچانک ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دس بارہ سفید پوشوں نے انہیں پکڑ لیا!

"رشوت لے رہا تھا۔"

انہوں نے انسپکٹر کو گھور کر کہا۔

"جناب ہم بے قصور ہیں یہ خوامخواہ ہمیں تنگ کر رہا تھا۔"

فیاض نے اپنی دانست میں ہوشیاری دکھائی اور ان کے افسر کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم بے فکر ہو جاؤ ہمیں ایسے راشی افسروں سے نمٹنا آتا ہے۔"

اسی نوجوان افسر نے اشرف کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ ہمارے ساتھ آئیں۔ ہم آپ کا صرف بیان لکھیں گے تاکہ اس کے خلاف کارروائی مکمل کر سکیں۔"

اس آفیسر نے فیاض کو مخاطب کیا۔

فیاض نے اپنے ساتھیوں کے چہروں پر گھبراہٹ دیکھی تو آنکھ دبا کر انہیں نارمل رہنے کا اشارہ کیا اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک بڑی جیپ میں اپنے سامان سمیت اپنی دانست میں انسپکٹر اشرف کے خلاف بیان درج کروانے جا رہے تھے۔

اس سفر کا اختتام خدا خدا کر کے ہوا تھا۔

○○○

ان لوگوں کو جیپ میں بیٹھے تقریباً پون گھنٹہ ہو گیا تھا جب جیپ چھاؤنی کے علاقے میں موجود ایک کوٹھی میں داخل ہوئی جس کے مین گیٹ کو اندر سے بڑا تالا لگا کر بند کیا گیا تھا اور جس کی اونچی اونچی دیواروں پر بجلی کے تار لگائے گئے تھے۔

جیپ اندر داخل ہوتے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔

"آپ لوگ ہمیں کہاں لے آئے ہیں۔"

فیاض کے ساتھیوں میں سے ایک نے گھبرا کر کہا۔ انہیں اب الجھن کے ساتھ ساتھ گھبراہٹ بھی ہونے لگی تھی۔

"چپ چاپ بیٹھو۔ خبردار اگر کسی نے ایک لفظ بھی زبان سے اور کہا۔"

اسی نوجوان آفیسر نے جو انہیں یہاں بیان دلانے لایا تھا انہیں اس بری طرح ڈانٹا کہ ان میں سے دو تین کی تو گھگھی بندھ گئی۔

"نیچے اترو۔"

اگلا حکم موصول ہوا۔

جیپ سے باہر ان کا استقبال کرنے کے لیے پہلے سے پندرہ بیس جوان موجود تھے۔ جیپ سے ہی وہ باہر نکلے۔ سب ان پر پل پڑے۔ اس سے پہلے کہ فیاض اور اس کے ساتھیوں کو صورتحال کی کچھ سمجھ آتی انہوں نے پانچوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ پھر وہ نیم بے ہوش فیاض کے ساتھیوں کو گھسیٹتے ہوئے مختلف کوٹھریوں کی طرف لے گئے جب کہ فیاض کو دو

جوانوں نے بازوؤں سے پکڑا اور ڈنڈہ ڈولی کرتے ایک بڑے ہال کمرے میں لے گئے جہاں ایک فوجی افسر میز کرسی سجائے بیٹھا تھا۔

"ویل کم۔ ویل کم"

اس نے فیاض کو دیکھ کر تالی بجائی۔

"اسے پانی پلاؤ"

اس نے اپنے جوانوں کو اگلا حکم دیا۔ جنہوں نے دوسرے کونے میں رکھے ایک جگ اور گلاس سے اسے پانی پلا دیا۔

پانی پینے کے بعد فیاض کے اوسان قدرے بحال ہوئے تو اسے صورت حال کی سنگینی کا ادراک بھی ہو گیا۔ ابھی تک وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اسے یہ لوگ شاید شک میں پکڑ کر لے آئے ہیں۔

لیکن

ہوش و حواس قائم ہونے پر فوجی آفیسر نے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک تصویر لہرائی اور دوسرے ہی لمحے فیاض سمجھ گیا کہ وہ سب لوگ بری طرح قابو آ چکے ہیں!

یہ ان تصویروں میں سے ایک تھی جو انہوں نے دہلی میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں انسپکٹر سدرشنا اور اس کے بوائے فرینڈ راج کمار جی کو دکھائی تھیں۔ شاید انہوں نے موقع پا کر وہاں سے کھسکا لی ہوں گی۔

"اس کا مطلب ہے کہ انسپکٹر سدرشنا پاکستان انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہی ہے۔ ان کی انسٹرکٹر "را" کی انسپکٹر سدرشنا پاکستانی ایجنٹ ہے۔ جس نے انہیں تخریب کاری کی تربیت دے کر یہاں بھیجا ہے؟"

اسے آسمان گھومتا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر فوجی افسر کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دی۔

"میجر شرما بھی ہمارا ہی آدمی ہے۔ انسپکٹر سدرشنا کی تو بات ہی چھوڑو۔ ہم نے انہیں تمہارے لیے ہی وہاں چھوڑ رکھا ہے۔ اب مجھے فوراً فیصلہ کر کے بتا دو کہ ساری زندگی

ں میں سڑنے کا ارادہ ہے یا سچ سچ بتاؤ گے۔ اس بات کا تو تم نے اندازہ کر ہی لیا ہو گا کہ ہم
کچھ چھپا نہیں سکتے"

"م مجھے کچھ....."

اس کا فقرہ نامکمل ہی تھا کہ

اس کے ساتھ ہی اس کی دھنائی شروع ہو گئی۔

وہ چیخ چیخ کر سب کچھ سچ بتانے کا اعلان کرتا رہا۔

لیکن

یہ لوگ تو جیسے بہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے مار مار کر فیاض کا بھرکس نکال دیا۔ اس سے پہلے کہ اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے۔ دوبارہ اسے پانی پلایا گیا جس کے بعد پھر وہ فوجی آفیسر اس سے مخاطب ہوا۔

"جہاں تمہاری زبان ذرا بھی پھسلی۔ تمہارے ساتھ یہی سلوک ہو گا۔ ہماری طرف سے تم مر بھی جاؤ تو کوئی بات نہیں۔ یوں بھی تم جیسے مادر وطن کا سودا کرنے والے لوگوں کو جینے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ یہ لوگ تمہیں تھوڑی دیر بعد ایک کوٹھری میں بند کر دیں گے۔ جہاں کاغذ قلم موجود ہے۔ اپنے دماغ پر زور دے کر ہمیں ایک ایک تفصیل سے آگاہ کر دو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ ورنہ یاد رکھنا آج رات ہی سرحد پر لے جا کر گولی اڑا دیں گے۔"

اس نے آخری جملہ اس طرح ادا کیا تھا کہ فیاض کو اپنا دل ڈوبنے کا احساس ہونے لگا۔ تین روز میں ان لوگوں نے پانچوں کے الگ الگ بیان ریکارڈ کر لیے تھے۔ جس کے مدد ملک کے مختلف حصوں سے قریباً پندرہ اور نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ سب وہ گمراہ نوجوان تھے جنہیں کرنل جوشی اور میجر شرما کے ایجنٹوں نے "را" تک پہنچایا تھا اور جو اب "را" کے تربیتی کیمپ سے فارغ ہونے کے بعد مختلف تخریبی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

ان نوجوانوں کی گرفتاری نے "را" کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔

ان کا بچھایا سارا نیٹ ختم ہو چکا تھا اور ملک میں ہونے والے تخریب کاری کے واقعات کا نہ صرف سراغ لگا لیا گیا تھا بلکہ فی الوقت مزید تخریب کاری کے امکانات بھی ختم ہو چکے تھے۔

OOO

کرنل جوشی کی لاش اگلے روز بہت بری حالت میں ملی تھی۔

اس کا سارا بدن جل کر کمرے سمیت کوئلہ بن چکا تھا۔ کمرے میں موجود ہر شے کر راکھ ہو چکی تھی۔ اور دو محافظوں کی لاشیں الگ سے پڑی تھیں۔

ان محافظوں کی لاشیں اگر وہاں نہ بھی پائی جاتیں تو بھی "را" کے پاس اس بات کے بے شمار ثبوت موجود تھے کہ کرنل جوشی کی موت حادثاتی نہیں بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔

لیکن

سرکاری طور پر اس قتل کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

"را" کے ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے اگلے روز اخبارات کو ایک بیان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا کہ "را" کے ایک ہونہار آفیسر کرنل بھیم سین جوشی گذشتہ رات اپنے گھر میں اچانک آگ لگ جانے کی وجہ سے جل کر ہلاک ہو گئے۔ اس آگ لگنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی تھی۔

کرنل جوشی جس جگہ بھی قیام کرتے تھے اپنے اہل خانہ کو خود سے الگ رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے اہل خانہ اس آگ سے محفوظ رہے۔

کرنل جوشی کے ساتھیوں کو علم تھا کہ اس کے الگ رہنے کی وجہ یہ نہیں جو بتائی گئی بلکہ اس کی عیاش طبیعت تھی۔

اسے نئی نئی لڑکیوں کے ساتھ راتیں گزارنے کا جنون تھا اور "را" کی طرف سے اپنے خصوصی افسران کو جو خصوصی رعایتیں حاصل ہوتی ہیں ان کا فائدہ اٹھانے میں اس نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

اس کے کردار سے متعلق بے شمار رپورٹس موجود تھیں۔

لیکن

ان رپورٹس پر ہیڈ کوارٹر نے کبھی اس لیے نوٹس نہیں لیا تھا کہ اسے کرنل جوشی کے سے متعلق کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کرنل جوشی نے "را" کے قدم بڑی دہلی سے پاکستان میں جمائے تھے اسے تخریب کاری کروانے کا جنون تھا۔ یہ اس کے ان کا نتیجہ تھا کہ آئے دن ہمسایہ ملک میں وہ کوئی نہ کوئی دھماکہ کروائے رکھتا تھا۔

کرنل جوشی کی موت سے چند روز پہلے اسے فون پر جو دھمکی دی گئی تھی اس کا علم بھی اس کے بہت سے ساتھیوں کو تھا۔ اس وقت تو انہوں نے اس فلمی انداز کی دھمکی کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔

لیکن

اب اس کی موت کے بعد وہ سب اس فکر میں غلطاں تھے کہ ان کے قریباً تمام کرنا نے پاکستان انٹیلی جنس کی نظر میں آ چکے تھے۔ کرنل جوشی کے اسسٹنٹ میجر شرما کی سربراہی کردہ موجودہ ٹیم ساری کی ساری گرفتار ہو چکی تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ ان کی ایجنسی کے اندر دشمن کے ایجنٹ گھس آئے ہیں۔

لیکن

وہ لوگ کون ہیں؟

اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

کرنل کی موت کے اسباب جاننے کے لیے جو پانچ ممبری خصوصی کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں "را" کے چار نمائندوں کے علاوہ "سی آئی بی" کا ایک اہم نمائندہ بھی شامل تھا۔ نے اس موت کا ذمہ دار پاکستان انٹیلی جنس کو گردانا تھا اور کہا تھا کہ فلمی انداز کی وہ دھمکی ہ کرنل جوشی کو اپنے فون پر موصول ہوئی، صرف فلمی دھمکی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک لمبی پلاننگ اور نفسیاتی حکمت عملی کار فرما تھی۔

کرنل جوشی کی موت کا "را" کے افسران نے دل و جان سے سوگ منایا تھا کیونکہ اس

کے مرنے کے بعد ایک بڑا ہی مشکل مرحلہ انہیں درپیش تھا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کرنل کے بنائے ہوئے کھیل کو اب وہ جاری بھی رکھ سکیں گے یا نہیں۔

اب ان کے لیے لے دے کر آخری امید کوئی رہ گئی تھی تو وہ میجر شرما تھا۔ [illegible] جوشی کی موت کے بعد سے اس کی خالی کردہ کمان سونپ دی گئی تھی۔ اور اب [illegible] کے تربیتی مرکز کا وہ مکمل انچارج بن چکا تھا۔

○○○

میجر شرما کو یہ اطلاع کشمیر کے ایک سرحدی علاقے میں ملی تھی جہاں وہ سد [illegible] اس کے گروپ کی باقی لڑکیوں کی تربیت کر رہا تھا۔

اپنی ذمہ داریاں ایک کیپٹن کو سونپ کر میجر شرما فوراً دہلی پہنچ گیا۔ وہ فوراً اس [illegible] ٹیم کا رکن بننا چاہتا تھا۔ جس نے کرنل جوشی کی موت کے اسباب جاننے کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن

"را" کی ہائی کمان نے "انتہائی احتیاطی اقدامات" کے تحت اسے اس ٹیم میں شمولیت کی اجازت نہیں دی۔ ایجنسی کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنے خفیہ آپریشنز پر مامور افسران کا بہت خاص خیال رکھتی تھی اور ان کی اصلیت کو حتی الوسع پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

ابھی وہ لوگ کرنل جوشی کی موت کے صدمے سے سنبھل نہیں پائے تھے کہ "را" کے شکار پور آفس میں ایک بم اور ان کے سروں پر پھٹ گیا اور انہیں علم ہوا کہ ان کی تخریب کار ٹیم کا پہلا گروپ پاکستان میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جس نے "را" کے قریباً تمام خفیہ اڈوں کی نشاندہی کر کے ایجنسی کے لیے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیے تھے۔

میجر شرما کا مقابلہ پاکستان انٹیلی جنس سے تھا جس نے اس کے ساتھ دھوکے کی [illegible] طرح چال اتنی کامیابی سے چلی کہ میجر شرما چکرا کر ہی رہ گیا۔

اس کے سامنے ان کے پاکستان میں موجود سب سے زیادہ قابل اعتماد ایجنٹ [illegible]

[illegible] ٹ دھری تھی جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ فیاض کا ساتھی عنایت دراصل آئی ایس [illegible] تربیت یافتہ ایجنٹ تھا جسے "را" کی صفوں میں اس لیے داخل کیا گیا تاکہ وہ آستین [illegible] سانپوں کا پتہ لگائے۔

اور

اس نے واپسی پر فیاض اور اس کے ساتھیوں کو نہ صرف گرفتار کروایا بلکہ ان کے [illegible] ذریعے اور بہت سے ایجنٹ اور ٹھکانے بھی بے نقاب ہو گئے!

میجر شرما یہ کبھی نہ جان سکا کہ جس ایجنٹ پر وہ لوگ بھروسا کر رہے تھے۔ وہی دراصل "ڈبل ایجنٹ" تھا جس کے ذریعے آئی ایس آئی نے جان بوجھ کر یہ کہانی میجر شرما کے کانوں تک پہنچائی تھی تاکہ وہ اسی غلط فہمی کا شکار رہے اور اس کا دھیان اس طرف نہ جائے کہ "را" کی صفوں میں موجود کوئی گھر کا بھیدی ہی یہ لنکا ڈھا رہا ہے۔

میجر شرما نے اس سے پہلے اپنی ساری توجہ صرف ایک نقطہ پر مرکوز کی ہوئی تھی کہ ان کے ارد گرد کوئی پاکستانی ایجنٹ موجود ہے۔

اس خبر کے بعد سے اس کی توجہ بٹ گئی اور اس نے آئندہ کے لیے پاکستان سے حاصل ہونے والے ایجنٹوں کی زیادہ سکریننگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن

اس نے اس کے ساتھ ساتھ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ ان کے آس پاس بھی کوئی دشمن کا آدمی بڑی معصومیت سے اپنے کام میں مصروف ہے۔

اس روز جب رات کا کھانا کھاتے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تو سلیم نے اسے معمول کی بات ہی سمجھا۔

لیکن

لالہ دوارکا داس نے جب بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں اسے آواز دی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"یا الٰہی خیر" کیا ہوا وہ اٹھ کر فون تک آیا۔

سدرشنا کا فون ہے۔ پریشان ہے۔

لالہ جی نے فون پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے فون پکڑا دیا وہ خود بھی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

"ہیلو"

سلیم نے سنبھل کر کہا۔

"راج۔ تم فوراً یہاں آجاؤ۔ ہمارا کورس آج ختم ہو گیا ہے میں اکیلی واپس نہیں آنا چاہتی تم سمجھتے ہو ناں"

دوسری طرف سے سدرشنا نے بغیر کسی سلام دعا کے کہا۔

"سدرشنا کیا بات ہے۔ تم پریشان ہو"

اس نے اپنی تشفی چاہی۔

"راج میں ٹیلی گراف آفس سے فون کر رہی ہوں اور یہ آفس بند ہونے والا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں۔ تم آج رات ہی جموں کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ وہاں سے اودھم پور آجانا۔ میں وہاں تمہاری منتظر ہوں گی۔ میری بات سمجھ گئے ناں راج۔ اچھا اب میں فون بند کرتی ہوں۔ کل سارا دن تمہارا انتظار کروں گی۔ جموں سے اودھم پور کے لیے بس لے کر آنا۔ اور تم رات 12 بجے تک بھی ٹرین پکڑ لو تو کل شام تک میرے پاس پہنچ جاؤ گے۔ اچھا گڈ بائی"

اس نے سلیم کی کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔

"اچھا خدا حافظ"

سلیم نے بھی فون رکھ دیا۔

اسے خود کسی بات کی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ معاملہ کیا ہے!

"کیا بات ہے بیٹا۔ کیا ہوا سدرشنا کو"

گھبرائی ہوئی مسز دوارکا داس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ماں جی۔ پولیس والی ہے ناں۔ میں تو کہتا ہوں اسے کسی ڈرامہ کمپنی میں

ہونا چاہئے تھا بیٹھے بٹھائے مصیبت کھڑی کر دی۔ بچوں والی ضد کہ ابھی چل پڑو اور میں تمہارے ساتھ ہی واپس آنا چاہتی ہوں۔ عجیب لڑکی ہے یہ بھی"

اس نے اپنی دانست میں سدرشنا کے والدین کو مطمئن کرنا چاہا۔

لیکن

سلیم نے محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ بے چین سے ہو گئے ہیں۔

"کہاں سے فون کر رہی تھی۔ تمہیں کہاں بلایا ہے"

لالہ دوارکا داس نے بے چینی سے پوچھا۔

"انکل آپ کو کیا ہو گیا۔ بھئی جہاں بھی بلایا ہے میں جا رہا ہوں۔ اور دو تین روز میں میرسپاٹے کے بعد واپس لوٹ آؤں گا۔ وہاں کشمیر میں گڑبڑ چل رہی ہے ناں۔ اس لیے گھبرا رہی ہو گی۔ آخر کو بھارتی ناری ہے۔ بھلے پولیس کی وردی پہن لے۔ دل تو وہی چڑیا جیسا ہے اس کا"

اس نے لالہ دوارکا داس کو مطمئن کرنا چاہا۔

آدھا گھنٹہ تک دونوں میاں بیوی اس کا دماغ چاٹتے رہے بالآخر لالہ جی نے قدرے مطمئن ہو کر اسے فوراً جموں جانے کو کہہ دیا۔ وہ لوگ اپنی بیٹی کی خیریت جاننے کے لیے بے چین ہوئے جاتے تھے۔

لالہ جی اور راہول اسے گاڑی میں خود ریلوے اسٹیشن چھوڑ کر آئے تھے۔ لالہ دوارکا داس نے اپنے اثر رسوخ سے اسے جموں کے لیے سیٹ اور برتھ لے دیا تھا اور اسے بطور خاص سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"بیٹا سب سے پہلے ہمیں فون پر اطلاع دینا اور ہاں اگر کوئی بھی معاملہ خراب ہوا تو سدرشنا کی ماں کو نہیں بتانا۔ مجھے بتانا میں خود دیکھوں گا۔ تم یا سدرشنا کوئی جذباتی قدم نہ اٹھانا۔ یہ انٹیلی جنس کا معاملہ ہے۔ میں نے اس لڑکی کو بہتیرا سمجھایا کہ پولیس میں چلی جائے لیکن ضدی ہے۔ کیا مجال جو کسی کی بات مان جائے۔ بھگوان جانے اس کی عقل پر کیا پردہ پڑ گیا تھا۔ خیر! تم اپنا دھیان رکھنا۔"

انہوں نے بزرگوں کی طرح اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ساری رات وہ اپنے برتھ پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے دل و دماغ میں بھی جنگ جاری رہی کہ وہ کسی بھی معاملہ میں سدرشنا کی مدد کرے یا نہ کرے؟

اس کے فون سے تو واقعی گھبراہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

لیکن

اصل میں بات کیا تھی۔ اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔

صبح ڈھلنے پر ٹرین نے اسے پٹھان کوٹ پہنچا دیا۔ جہاں سے اسے دوسری ٹرین کے ذریعے جموں تک جانا تھا۔ لکھن پور پر بنے ریلوے کے پل نے اسے دریائے توی پار کروا دیا اور اب ٹرین کشمیر کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔

یہاں سڑک کے دو رویہ اور پہاڑوں پر اسے جا بجا بھارتی فوج دکھائی دے رہی تھی کشمیر کی حدود میں داخل ہوتے ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ جیسے یہاں طبل جنگ بج رہا ہو۔

جہاں کہیں ریلوے لائن کے نزدیک سڑک دکھائی دیتی وہاں سے اکثر فوجی گزرتے نظر آتے تھے۔

ساری رات ریل کے سفر نے اسے تھکا دیا تھا۔

لیکن

یہ تھکاوٹ اس پر کبھی غالب نہیں آسکتی تھی۔ اب بھی وہ بڑا چاق و چوبند اور آنے والے غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا!!

جموں تک راستے میں ٹرین کو چار پانچ مرتبہ روک کر ان کی چیکنگ کی گئی اور خدا خدا کر کے دوپہر کے بعد وہ لوگ جموں پہنچے۔

سلیم نے یہاں ایک "ویشنو ڈھابے" سے کھانا کھایا پھر بس سٹینڈ پر موجود ایک باتھ روم سے غسل کیا اور اب وہ ایک طرح سے دوبارہ تازہ دم ہو چکا تھا۔

ایک کوچ کے ذریعے اس نے ادھم پور کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا اور اونگھتے ہوئے

بالآخر شام ڈھلنے پر وہ ادھم پور پہنچ گیا۔ سرکاری بس اپنے بس سٹینڈ میں جا کر کھڑی ہو گئی اور جب وہ بس سے باہر نکلا تو سب سے پہلے اس کی نظر کچھ فاصلے پر کھڑی سدرشنا پر ہی پڑی تھی جو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ شاید اس کا کافی دیر سے انتظار کر رہی تھی۔

سلیم کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی اور دوسرے ہی لمحے اس کے سینے سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

"کیا بات ہے سدرشنا تم....."

"کچھ نہیں۔ یونہی پریشان ہو رہی تھی۔ میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا آپ کو بلانے کا۔ دو تین روز یہاں رہنے سے طبیعت بہل جائے گی۔"

اس کی دوست ارملا نے سلیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چلیئے یہاں سے چلتے ہیں کہیں اور بیٹھتے ہیں۔"

سندرشنا نے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

دونوں آرمی کی ایک جیپ میں آئی تھیں جس میں ڈرائیور بھی موجود تھا۔ سلیم کے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ یہ ڈرائیور بھارتی فوج کا حوالدار تھا۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے تھے یا تو سدرشنا کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ اس کے ساتھ "اسکارٹ" کرنے کے لیے باقاعدہ حوالدار کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی یا پھر اسے مشتبہ جان کر "را" نے اس کے ساتھ حوالدار کو چپکا دیا تھا۔

سلیم جانتا تھا کہ اپنے کسی بھی ایجنٹ یا آفیسر پر "را" کسی شک شبہہ کے بغیر بھی کوئی نہ کوئی "چیک" رکھ دیا کرتی تھی۔ یہ ان لوگوں کے معمول کی ایک پریکٹس تھی اور وہ اس پر وقتاً فوقتاً عمل کرتے رہتے تھے۔ عموماً "را" کے بہت قابل اعتماد آفیسرز کو بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا تھا کہ ان کی باقاعدہ نگرانی ان سے متعلق کوئی بھی مشکوک مفروضہ قائم کر کے کی جا رہی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ "را" کے ایجنٹ سے آفیسر تک کبھی ایک دوسرے پر بھی اعتماد نہیں

کرتے تھے۔ خصوصاً اپنی پرائیویٹ زندگی سے متعلق وہ ایک دوسرے کو بالکل بے خبر رکھتے تھے۔

اودھم پور سے چند کلو میٹر دور "کلٹرہ" کے نزدیک وہ لوگ پہنچ چکے تھے.....!!

اگلی سیٹ پر ارملا بیٹھی تھی اور پچھلی سیٹ پر سلیم اور سدرشنا اس دوران سلیم نے اس سے متعدد مرتبہ اشارے کنائے سے کسی بھی غیر معمولی صورتحال سے متعلق دریافت کیا تھا۔

لیکن

سدرشنا نے جب بار بار موضوع گفتگو ہی بدل دیا تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ان لوگوں کی موجودگی میں گفتگو سے ہچکچا رہی ہے۔

جس سڑک پر وہ سفر کر رہے تھے وہاں شاید ہی کسی پرائیویٹ وہیکل کو آنے کی اجازت تھی۔ یا پھر یہاں ٹریفک ہی نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ آدھ گھنٹے کے سفر میں انہیں راستے میں صرف ایک بس دکھائی دی تھی۔

اب وہ لوگ بڑے نالے کے کنارے چھوٹی سی پہاڑی کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ جس سے قریباً تین چار فرلانگ دور ایک کونے میں چند مکانات دکھائی دے رہے تھے۔

چاروں طرف پراسرار سناٹا طاری تھا جس کا کبھی کبھی نالے سے گزرتے تیز پانی کی آواز چند لمحوں کے لیے تسلسل توڑ دیتی تھی۔ پہاڑی سلسلے کو چیل اور دیودار کے درختوں نے مکمل ڈھانپ رکھا تھا اور یہاں آنے پر خنکی کا احساس کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تھا۔ سلیم کو کوٹ میں سردی محسوس ہو رہی تھی جو اس نے دہلی سے سوار ہوتے وقت پہن لیا تھا۔

جیپ رک گئی اور وہ سب لوگ نیچے اتر آئے۔

اس نے جیپ سے اترتے ہی سب سے پہلے اپنے بیگ سے جیکٹ نکال کر پہنی تھی اور کوٹ کو اپنے بازو پر لٹکا لیا تھا۔

یہی ان کی منزل تھی!!

پہاڑی کے اوپر جانے کے لیے پتھریلی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن پر درختوں نے

پتوں نے ایسے سایہ کر رکھا تھا کہ شاید ہی کہیں درختوں کے پتوں سے سورج کی روشنی چھن کر نیچے آسکتی تھی۔

یہ راستہ اوپر موجود ریسٹ ہاؤس کو جاتا تھا یہ آرمی انٹیلی جنس کا ریسٹ ہاؤس تھا جہاں سوائے فوجی اور انٹیلی جنس افسروں کے اور کسی کو رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

ارملا نے اسے بتایا تھا کہ وہ دونوں سہیلیاں اس ریسٹ ہاؤس میں قیام پذیر ہیں۔ انہیں کورس مکمل ہونے پر چار دن کا ریسٹ دیا جاتا تھا اور دونوں نے یہ چار دن یہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

○○○

ارملا کے تعاقب میں وہ دونوں اوپر آئے تو سلیم کو وہ قلعہ نما ریسٹ ہاؤس دکھائی دیا جس کی ایک جھلک بھی سڑک سے دکھائی نہیں پڑتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا خفیہ اور خوبصورت ریسٹ ہاؤس نہیں دیکھا تھا جس کے کمروں کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ تھی اور ہر کمرہ ایک الگ دنیا اپنے اندر بسائے رکھتا تھا۔

ٹی وی سیٹ لائٹ نشریات کو بطور خاص یہاں خصوصی انٹینا لگا کر پہنچایا گیا تھا اور کمیونی کیشن نظام کے لیے ایک کونے میں چھوٹا سا ٹاور الگ سے بنایا گیا تھا جس کے ذریعے یہاں ہر کمرے میں ڈائریکٹ ڈائیلنگ فون رکھے گئے تھے۔

دونوں سہیلیوں کو رہنے کے لیے بالکل الگ الگ کمرہ دیا گیا تھا۔ جو کمروں کی اس قطار کے آخری کونے پر موجود تھا!!

اس کے بعد چار پانچ کمرے غیر آباد تھے۔

لیکن

اس سے آگے والے تمام بک تھے اور ان کے باہر موجود وسیع و عریض لان میں اس نے متعدد عورتوں اور مردوں کو حالات سے بالکل بے نیاز اپنے اپنے کاموں میں مگن بھی دیکھا تھا۔

"سدرشنا تم نے کیا ہسٹری پھیلا رکھی ہے۔ گھر میں سب پریشان ہیں ہمیں فوراً کال بیک کر کے انہیں بتانا ہے کہ تم خیریت سے ہو اور میں بھی۔"

کمرے میں پہنچتے ہی اس نے ایک کرسی پر گرتے ہوئے کہا۔

"راج بھیا"! میں آپ کو بتاتی ہوں اصل بات یہ کیا بتائے گی۔ وہ باسٹرڈ ہے ناں میجر شرما الو کا پٹھا' وہ اس کی جان کو آگیا ہے کرنل جوشی ایکسیڈنٹ میں مارے جا چکے ہیں اب ہماری کمانڈ اسی کے پاس ہے۔ اور بیڈ لک Bad Luck کہ سدرشنا کے پانچوں ایجنٹ بھی پاکستان جاتے ہی پکڑے گئے۔ اس واقعے کو میجر شرما الٹے سیدھے رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ خواہ مخواہ ڈر رہی ہے۔ میں ہوں ناں۔ اس سالے کی کیا مجال ہے جو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ کرنل صاحب Unfortunatly مارے گئے ورنہ میں اسے آٹے دال کا بھاؤ بتا دیتی۔"

ارملا نے جو میجر شرما پر کافی گرم دکھائی دے رہی تھی غصے سے کہا۔

سلیم کو اب اس کی پریشانی کی وجہ اچھی طرح سمجھ آگئی تھی۔ وہ جان گیا تھا کہ آج تک میجر شرما اس کی آبرو ریزی نہیں کر سکا۔ حالانکہ اس گروپ کی کسی بھی لڑکی کے لیے اس کا ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ اور اب کرنل کی موت کے بعد جب وہ ان کا انچارج بھی ہو گیا تھا تو اس کے لیے اپنی دیرینہ ہوس پوری کرنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آیا تھا۔

سلیم کو علم تھا کہ "را" اور بھارتی آرمی کے کچھ بگڑے ہوئے نوجوان افسران مغرب کی پیدا کردہ جنسی بیماریوں کے شکار ہیں خصوصاً یہ لوگ کسی بھی لڑکی کو بے بس کر کے اپنی خاص حس کو تسکین دیا کرتے تھے اور بھارتی اخبارات میں آئے روز بھارتی سیاستدانوں سے پولیس اور آرمی آفیسرز تک کے ایسے گروپوں کے کالے کرتوت منظر عام پر آتے رہتے تھے۔ جو پہلے لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے پھر ان کی ننگی تصویریں اور بلیو فلمیں بنا کر ساری زندگی ان کی بے بسی کو بلیک میل کیا کرتے تھے۔

یہ اس معاشرے کی اب ایک ریت سی بن کر رہ گئی تھی۔

ایسے متعدد کیس منظر عام پر آئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج تک کسی ملزم کے

خلاف جرم ثابت نہیں ہوا تھا کیونکہ ان لوگوں کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے تھے اور کوئی
ادنیٰ ان کے خلاف گواہی کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

کہیں سدرشنا بھی کسی ایسے ایڈونچر پسند نوجوان آفیسر کی نظروں میں تو نہیں آگئی اور
وہ لوگ میجر شرما کے ذریعے اس پر مختلف نفسیاتی حربے آزما کر اسے بلیک میل کر رہے
ہوں۔ اس کے زیر تربیت پانچ ایجنٹوں کی پاکستان میں گرفتاری کو کہ معمول کی بات تھی۔

لیکن

اگر شرما چاہتا تو اس ایشو پر اس کا ساری زندگی کا ریمانڈ حاصل کر سکتا تھا؟ اس کے
خلاف کچھ بھی ممکن تھا۔

"وائیٹ فلاور" کے لیے اپنی زندگی میں اس نوعیت کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس کی تربیت
کے مطابق تو اسے اس کھیل میں کچھ لینا دینا نہیں تھا۔

لیکن

سلیم کی غیرت نے سدرشنا کو خصوصاً اس مرحلے پر چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ کیا جب کہ
وہ اس کے سہارے کی واقعی محتاج تھی اور خود سلیم نے اس کا سہارا لے کر اپنا اب تک کا
کھیل کامیابی سے کھیلا تھا۔

اس نے سدرشنا کو بچانے کے لیے آخری حد تک چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا!! لیکن
ارملا اس کھیل میں کہاں سے آگئی ؟

اس کے ذہن میں اچانک ہی ایک تجسس کلبلایا۔

"اوہ تو یہ بات ہے اسے میجر شرما نے ہی اس کے ساتھ چپکایا ہو گا تاکہ جوابی اقدام اور
سلیم کی اصلیت سے آگاہ ہوتا رہے۔ ٹھیک ہے ارملا دیکھتا ہوں تمہیں بھی۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور مسکراتا ہوا سدرشنا کی طرف اس طرح بڑھا کہ اس کی
پیٹھ ارملا کی طرف تھی۔

اپنی دائیں آنکھ اس نے پوری زور سے دبا کر اسے یہی تاثر دیا کہ ارملا کے سامنے وہ
کھل کر بات نہیں کرے گا اور اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"دیکھو ڈارلنگ! خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے خیال سے تمہیں ڈسپلن تو OBEY کرنا ہی چاہیے۔ خوامخواہ جذباتی نہ بنو۔ لیکن یہ کرنل جوشی کیسے ایکسیڈنٹ ہوا ان کا۔ اوہ مائی گاڈ' وہ تو بہت گریٹ آدمی تھے بہت گریٹ آدمی۔ اوہ مائی گاڈ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔"

اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"ہیلی کاپٹر کریش ہو گیا۔"

اس کے بجائے ارملا نے جواب دیا۔

"ہاں' ابھی خبریں اخبارات میں نہیں آئیں اگر آئی بھی ہوں تو ہمیں کیسے پتہ چلتا۔ بہت بڑا نقصان ہے دیش کا۔ بہت بڑا نقصان میں نے ان سے ایک دو ملاقاتیں بھی کی تھیں۔

وہ واقعی ہمارے ہیرو تھے۔ ہیرو۔"

دوبارہ اس نے اپنے جذبات ارملا تک پہنچانا ضروری سمجھا۔

اس کی آنکھ کے اشارے نے اب سدرشنا کو بھی خاصا چوکس کر دیا تھا۔

"چلو چھوڑو یار تم بھی کہو گے ہر وقت مار دھاڑ کی باتیں۔"

اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہہ دیا۔

"اور کیا بھگوان جانے یہ کیسی نوکری ہے بھئی مجھے تو بالکل پسند نہیں۔ تم جیسی سندری کو تو لوگوں کے دلوں پر راج کرنا چاہیے تھا اور تم بن گئی ہو ہنٹر والی۔ اور آپ بھی میڈم' آپ کو بھی....."

اس نے ارملا کی طرف دیکھ کر اپنا فقرہ مسکراتے ہوئے ادھورا چھوڑ دیا

"ٹائی ہوائے"

ارملا نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور اس کے لیے چائے کا بندوبست کرنے کے بہانے باہر آ گئی۔

اس کے باہر جاتے ہی سدرشنا نے کچھ کہنے کے لیے ابھی منہ ہی کھولا تھا جب اس

اچانک سدرشنا کے منہ پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر اسے انگلی کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا اور اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر حیران پریشان سدرشنا کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

"جب سے تم ٹکرائی ہو میں مسلسل جاسوسی فلمیں دیکھ رہا ہوں۔ عین ممکن ہے یہ کرنل میجر شرما نے ہمارے عزائم جاننے کے لیے "بگ" کروایا ہو۔ اس موضوع پر کوئی بھی بات اکیلے میں اور کھلی فضا میں ہو گی۔"

سدرشنا نے اس کی طرف اس طرح حیرت سے دیکھا جیسے اچانک سلیم کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ پھر اچانک ہی اس سے لپٹ گئی۔

"اچھا بھئی تم لوگ چائے پیو اور نارمل ہو جاؤ میں ذرا دوسرے معاملات دیکھ لوں کیونکہ مجھے آج رات واپس بھی جانا ہے۔"

ارملا نے جو اندر آ چکی تھی چائے کے دو مگ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو سویٹ ہارٹ۔"

سلیم نے مگ پکڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور ارملا سسکاری لے کر مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

"ایسی خوبصورت جگہ پر کمرے میں قیدی ہو کر بیٹھ رہنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آؤ باہر کھڑے ہو کر چائے پئیں۔"

اس کے جاتے ہی سلیم نے سدرشنا کی طرف دیکھ کر مخصوص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چلو۔"

کہہ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں اپنے کمرے کے سامنے والے لان میں ایک محفوظ کنج میں بیٹھ گئے۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ میں نے ساری زندگی جھک ہی ماری ہے تم تو اچھے بھلے جاسوس تھے ہو بھئی۔ کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا اس کے فقرے کے آخری
نے ایک لمحے کے لیے تو سلیم کو بوکھلا ہی دیا تھا۔

"آپ کے لیے حضور"

اس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"راج میں بہت پریشان ہوں کسی نے کرنل جوشی کو قتل کر دیا اور میرے ایجنٹ بھی
پکڑے گئے۔ شرما مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ اس نے میرا جسمانی حصول شاید اپنے لیے
چیلنج بنا لیا ہے۔ کیونکہ میرے ساتھ کی تمام لڑکیاں اس کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ
اسے سونپنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ راج معلوم نہیں یہ شخص کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو
کر پڑا ہے اور اگر اس نے میرے خلاف کوئی انکوائری شروع کروا دی تو....."

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"میں تمہارے جذبات کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ سدرشنا لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ
جیسا تم سوچ رہی ہو معاملات ایسے ہی پیش آئیں۔ دیکھو سدرشنا میں زیادہ باتیں نہیں
جانتا۔ لیکن میں ایک بات ضرور جانتا ہوں کہ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو کم از کم یہ
شرما تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گا۔ اور ہاں ایک بات اور یاد رکھنا۔ اگر میری موجودگی میں تم
پر کوئی مصیبت بھی آجاتی ہے تو میں تمہارے کسی محکمے کا لحاظ نہیں کروں گا۔ خواہ مجھے اس
کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔"

اس نے یہ باتیں کچھ ایسے انداز سے کہی تھیں کہ سدرشنا کا دل موہ لیا۔

"راج۔ بھگوان نہ کرے ایسا ہو۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اگر میجر شرما سے جان
نہیں چھٹتی تو میں "را" ہی کو چھوڑ دوں گی۔ پپا کی کوشش سے کسی دوسرے ڈیپارٹمنٹ
میں تبادلہ ممکن ہے۔ اف بھگوان! میں نے پہلے ہی پپا کی بات کیوں نہ مان لی"

سدرشنا نے کہا۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو میں اپنے تجربے اور اپنی دیکھی ہوئی فلموں کی بنیاد پر یہ بات
کہہ رہا ہوں کہ یہ لڑکی ارملا تم سے مخلص نہیں ہے۔ اور ضرور کسی خاص مقصد سے

تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یا پھر اسے لگایا گیا ہے۔ یہاں سب سے ہوشیار رہنا' اپنے
کمرے میں بھی اس موضوع پر گفتگو سے بالکل احتراز برتنا اچھا اب آؤ۔ ہم سب سے پہلے
دہلی فون کر کے انہیں مطمئن کر دیں۔ انکل اور آنٹی بہت پریشان ہوں گے۔ میں نے
انہیں جموں سے فون کیا تھا لیکن جب تک تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی انہیں یقین نہیں
آئے گا۔"

سلیم نے کہا۔

دونوں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئے۔

سدرشنا نے دہلی فون کر کے اپنے والدین سے سلیم کی درخواست پر نارمل لہجے میں
بات کی اور انہیں بتایا تھا کہ اس نے صرف راج کو یہاں بلانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ کیا
تھا۔

"ہت تیرے کی"

لالہ دوارکا داس نے دوسری طرف سے ہنستے ہوئے کہا۔

"بیٹی! وہ کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا۔ واپس آ لے باقاعدہ تیرا منگیتر بنا دوں گی۔
بھگوان کے لیے آئندہ ہمیں نہ ڈرانا میرا دل تو پہلے ہی بڑا نازک ہے۔"

مسز دوارکا داس نے کہا۔

فون بند کر کے انہوں نے ٹی وی لگا لیا تھا اور اب غیر ملکی نشریات دیکھ رہے تھے۔

○○○

"سرا چڑیا پھنسی ہوئی ہے' اڑ نہیں سکتی آپ سے بچ کر جا نہیں سکتی۔ اور وہ جو
ہرکولیس اس نے اپنی مدد کے لیے بلایا ہے وہ تو بڑا ہی بزدل ہے۔ میں تو کہتی ہوں آج ہی
ہالیجیے سالی کو۔ بڑی غیرت والی بنتی ہے۔ اس دو ٹکے کے لونڈے سے یوں لپٹ رہی تھی
جیسے اس کا خصم ہو یہاں بڑی پاک صاف بنتی ہے"

ارملا نے میجر شرما کے لیے پیگ تیار کرتے ہوئے کہا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر معمول کے مطابق نیچے پارکنگ ایریا میں آئی تھی۔ جہاں ایک جیپ اسے یہاں سے قریباً ڈیڑھ دو فرلانگ دور ایک ایسی ہی پہاڑی کے دامن میں بنے چھوٹے سے قلعہ نما مکان میں لے آئی تھی۔

یہ "را" کا سیف ہاؤس تھا۔

میجر شرما یہاں صبح سے موجود تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ کاغذات میں وہ دہلی میں ڈیوٹی دے رہا تھا۔

یوں تو وہ عموماً ایسا ہی طرزِ عمل اپنایا کرتے تھے اور اپنی نقل و حرکت "را" کے ہر اعلیٰ افسر کو اپنے ساتھیوں سے پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔

لیکن

آج تو وہ بطور خاص جس مشن پر آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی اس کی خبر کانوں کان نہیں ہونے دی تھی۔

کرنل جوشی کی پرانی داشتہ انسپکٹر ارملا کماری کو اس نے شروع ہی سے سدرشنا کے ساتھ چپکا دیا تھا تاکہ اس کے عزائم سے بروقت آگاہی ملتی رہے۔ اسی نے ارملا کے ذریعے سدرشنا کے دماغ میں یہ خیال ڈالا تھا کہ وہ اپنے منگیتر کو یہاں بلا لے۔

یہ شخص جس کا تعارف اس نے اپنے منگیتر کی حیثیت سے کروایا تھا پہلے روز ہی سے شرما کو کھٹکنے لگا تھا۔ جانے کمبخت کہاں سے کباب میں ہڈی بننے کے لیے چلا آیا تھا۔ اسے تو مزہ ہی ایسے شکار کا آتا تھا جو محنت کرنے کے بعد ہاتھ لگے۔ ارملا جیسی لڑکیوں کو جو اشارہ پاتے ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گر جاتی تھیں اس نے کبھی پسند نہیں کیا تھا۔

اب وہ سدرشنا کا شکار کھیلنے جا رہا تھا۔

لیکن۔

اس مرتبہ اس نے ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینے کا بڑا اچھا بندوبست کیا تھا۔ وہ ایسے شکار کو اور بھی زیادہ پسند کرتا تھا۔ جس کے حصول کے لیے خون بہانا پڑے۔ اس نے

جہاں ایک طرف سدرشنا کو حاصل کر کے اپنی دیرینہ ہوس پوری کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وہاں دوسری طرف اس کے منگیتر راج کمار سے بھی ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اور

اب وہ اسی منصوبے پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

ارملا نے اسے بہانے سے آ کر ساری اطلاعات بہم پہنچا دی تھیں۔ اور اب وہ دونوں شراب کے نشے میں دھت جانوروں کی طرح ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔

دونوں نے اپنی آگ ٹھنڈی کر لی تھی اور اب ارملا واپس جا رہی تھی۔ اس نے اپنی ڈیوٹی مکمل ہونے پر منظر سے الگ ہو جانا تھا۔

شام ڈھل رہی تھی جب وہ جیپ میں سوار ریسٹ ہاؤس کی طرف جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سدرشنا اور سلیم کے پاس موجود تھی۔

"اچھا جی، تم لوگ انجوائے کرو اب میرا یہاں رہنا کباب میں ہڈی بننے کے سوا اور کچھ نہیں کہلائے گا۔ میں تو چلی، میں نے رات والی بس میں سیٹ لے لی ہے۔ اب دہلی میں ملاقات ہو گی۔ او کے۔ بائے بائے۔"

اس نے دونوں کے رسماً روکنے کو نظر انداز کرتے ہوئے روانگی سے پہلے باری باری گرمجوشی سے سدرشنا اور سلیم کا الوداعی بوسہ بھی لے لیا۔ دونوں اسے نیچے تک چھوڑ کر آئے تھے جہاں سے وہ آرمی کی ایک جیپ میں چلی گئی تھی۔

دونوں واپس آ کر دوبارہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئے۔

سلیم نے رات کا کھانا جلدی کھا کر سو جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے سدرشنا کو ایک اور روز مزید یہاں قیام کرنے کے بعد دہلی واپس لوٹ جانے کے لیے راضی کر لیا تھا۔

دونوں تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئے۔

OOO

تینوں میجر شرما کے سامنے اس طرح ہاتھ باندھے کھڑے تھے جیسے سرکس کے رنگ ماسٹر کے سامنے شیر بالکل گدھوں کی طرح گردن جھکا کر کھڑا ہوتا ہے۔

یہ تینوں اس علاقے کے چھٹے ہوئے غنڈے تھے!

تینوں پر ڈکیتیوں' اغوا اور قتل کے مقدمات تھے لیکن پولیس ان پر "را" کی اجازت کے بغیر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ کیونکہ تینوں "را" کے لیے کام کرتے تھے۔ سرحدی علاقہ ان کے لیے اپنے محلے کے کھیل کے میدان جیسی حیثیت رکھتا تھا اور یہ لوگ سرحد کے کیڑے کہلاتے تھے۔

"را" کے کسی بھی ایجنٹ کو سرحد کے پار لے جانا اور سرحد پار سے کام ختم ہونے پر واپس بھارت لانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ کبھی کبھی وہ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے سرحد پار ایک آدھ دھماکے بھی کر دیا کرتے تھے۔

میجر شرما کے تیار کردہ منصوبے کے مطابق انہیں اس علاقے میں سرگرم کشمیری حریت پسندوں کے ایک گروپ کی حیثیت سے ریسٹ ہاؤس پر حملہ آور ہونا تھا۔ وہاں سے سدرشنا کے منگیتر راج کو قتل کرنے کے بعد اسے اغوا کر کے بطور یرغمال اپنے ساتھ لے جانا تھا۔

یہاں سے ریسٹ ہاؤس تک ان کے لیے میدان بالکل صاف تھا اور شرما کو یقین تھا کہ اوپر ریسٹ ہاؤس کے معاملات وہ خود سنبھال لیں گے۔ سدرشنا کو قابو کرنے کے بعد انہوں نے میجر شرما کے ایک خفیہ ٹھکانے پر پہنچانا تھا۔ جہاں میجر شرما نے ایک طویل عرصے تک اپنی ہوس کی آگ کو بہیمانہ طریقے سے ٹھنڈا کرنے کے بعد سدرشنا کو واپس انہی لوگوں کو سونپ دینا تھا۔ اور پھر یہ ان کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ اسے کتنے عرصے تک اپنی ہوس کا شکار بنانے کے بعد آگے دوسرے ہاتھوں میں منتقل کر دیتے۔

سال میں وہ لوگ ایسی ایک دو وارداتیں منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے ضرور کر لیا کرتے تھے۔ آج بھی اس نے اس علاقے میں ڈیوٹی پر موجود اپنے دو اور ساتھیوں کو بھی اپنے ہاں "خصوصی پارٹی" پر مدعو کیا تھا۔

ان درندوں نے اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ کی انسپکٹر سدرشنا کو اغوا کروانے کے بعد اس کی اجتماعی آبروریزی کا بھیانک منصوبہ تیار کیا تھا۔

میجر شرما کے ساتھی اس کے لیے بطور خاص بڑی نایاب وہسکی کی بوتلیں لائے تھے اور اب وہ "کاک ٹیل" کے مزے اڑاتے آنے والے لمحات کے تصور سے باؤلے ہوئے جاتے تھے۔ رات ایک پہر بیت چلی تھی!!

اچانک ہی سلیم ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ وہ گہری نیند سے یونہی بیدار نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی چھٹی حس نے اسے کسی آمدہ خطرے کا احساس ہونے پر جیسے کان سے پکڑ کر گہری نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ کمرے کے باہر سوائے اس علاقے میں موجود مختلف جانوروں کی آوازوں کے اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن۔

اسے جیسے گمان ہو چلا تھا کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے پھرتی سے دوسرے پلنگ پر گہری نیند سوئی سدرشنا کو بیدار کر دیا۔ اسے جگاتے ہوئے سلیم نے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں وہ اچانک بیدار ہونے پر گھبرا کر چیخ نہ مار دے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

سدرشنا نے آنکھیں کھولیں اور اس کی نظر راج پر پڑی جس نے اپنے ایک ہاتھ سے اس کا منہ بند کیا ہوا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر اس کی بات سمجھ لینے کا اشارہ کیا تو سلیم نے اس کے منہ پر سے ہاتھ اٹھا دیا۔

"کیا بات ہے؟"

اس نے بڑے نارمل لہجے میں دریافت کیا۔ بالآخر وہ "را" کی تربیت یافتہ آفیسر تھی اور زندگی میں اچانک آنے والے ایسے غیر معمولی حالات سے نمٹنے کی اسے خصوصی تربیت بھی دی گئی تھی۔

"خطرہ ہے تمہارا سوس ریوالور تو ہے ناں تمہارے پاس"

اس نے اپنا منہ قریباً سدرشنا کے کان سے لگاتے ہوئے دریافت کیا۔

"یس؟"

یہ کہتے ہوئے سدرشنا لیٹے لیٹے قلابازی لگا کر اپنے بستر سے زمین پر آ رہی۔ اس نے بغیر آواز نکالے اسی طرح ڈریسنگ ٹیبل کے پاس پہنچ کر اپنے بڑے سے پرس سے ریوالور نکالا اور اب اسے فائرنگ پوزیشن کے لیے تیار کر رہی تھی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے سلیم کو کمرے کے دروازے کے ساتھ چپک کر کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود بھی دوسرے دروازے کے ساتھ چپک کر کھڑی ہو گئی۔

دونوں نے کمرے کے باہر آہٹ محسوس کر لی تھی۔ سردی کی وجہ سے انہوں نے کیونکہ کھڑکی کو ڈبل لاک سے بند کیا تھا اس لیے اسے توڑے بغیر کسی کے اندر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی یہ کھڑکی ایسی پوزیشن میں تھی جہاں سے کوئی باہر کا باہر تو جا سکتا تھا اندر نہیں آ سکتا تھا۔

دونوں کے حساس کانوں نے اب دروازے کے باہر والے لاک میں چابی گھومتی محسوس کی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو کمرے کے دروازے کی ایک چابی پہلے سے دے دی گئی تھی اور انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ دروازہ لاک ہو گا۔ اس دروازے سے الگ سے کوئی بولٹ نہیں لگا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا جیسے ہی دروازہ کھلا وہ اندر آ جائیں گے۔

اچانک ہی ایک خیال سدرشنا کے دماغ میں سمایا اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی ہتھیلی سے جست لگا کر اپنے بیڈ کے سرہانے لگی گھنٹی کا پُش بٹن دبا دیا اور اسے دباتی چلی گئی اس کے ساتھ ہی اس نے چاہا کہ ٹیلی فون پر ایمرجنسی سے رابطہ کرے لیکن ٹیلی فون ڈیڈ تھا لائن باہر سے کاٹی جا چکی تھی

جیسے ہی وہ پرانی پوزیشن میں کھڑی ہوئی دروازہ اچانک کھلا اور تینوں بدمعاش جنہوں نے اپنے منہ پر نقاب اوڑھ رکھے تھے ایک دوسرے کے تعاقب میں اندر گھس آئے تینوں مسلح تھے۔

لیکن

اچانک ہونے والی مزاحمت سے بے خبر جیسے ہی پہلے کے سر پر سدرشنا نے پوری طاقت سے ریوالور کے دستے کی ضرب لگائی وہ چکراتا ہوا دوسری دیوار تک چلا گیا۔ دوسرے کے پیٹ میں سلیم نے اتنی قوت سے لات ماری تھی کہ وہ الٹ کر اپنے دوسرے ساتھی پر جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے کسی کے اس طرف آنے کی آوازیں سنائی دیں۔ شاید اس کے مسلسل گھنٹی بجانے پر کچھ ملازم اس طرف آ گئے تھے۔

اس صورتحال نے تینوں کو حواس باختہ کر دیا اور دوسرے دونوں اپنے تیسرے ساتھی کو سنبھالتے پلک جھپکتے میں باہر نکلے جس کے ساتھ ہی انہوں نے بوکھلا کر ہوا میں تین چار گولیاں چلا دیں۔

"خبردار کسی نے اس طرف آنے کی ہمت کی تو مارا جائے گا۔ ہم نے ریسٹ ہاؤس کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہمارا تعلق جے کے ایل ایف سے ہے" ان میں سے ایک نے چلاتے ہوئے کہا۔

شاید اب بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

لیکن

ان کے جس ساتھی کے سر پر سدرشنا نے وار کیا تھا وہ نیم بے ہوش تھا اور اسے سنبھالے رکھنا ان کے لیے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف سدرشنا نے کمرے کے دروازے کی اوٹ سے ہی ایک فائر ان کی طرف کر دیا۔ اس صورتحال نے ان کے چھکے چھڑا دیے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گرفتاری کی صورت میں میجر شرما خود انہیں کسی بھی بہانے سے گولی مار دے گا۔ اس مشن کی رازداری کے لیے وہ کسی بھی انتہا تک جا سکتا تھا۔

فائرنگ کی آواز اور ان کے للکارنے پر اس طرف آنے والے ملازم دوبارہ واپس بھاگ گئے۔ شاید وہ نیچے موجود گارڈ کو خبردار کرنے جا رہے تھے۔

حملہ آوروں نے ان لمحات کو غنیمت جانا اور اپنے ساتھی کو سہارا دے کر سدرشنا کے

کمرے کی جانب فائرنگ کرتے جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس فرا
ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

چند منٹ بعد ہی وہاں ملٹری پولیس آگئی تھی۔

سدرشنا کے تعارف کروانے پر انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اور ا
کی طرف سے واقعہ کی رپورٹ درج کر کے واپس لوٹ گئے تھے۔

صبح ہونے پر "را" کا مقامی کمانڈر سدرشنا کے پاس پہنچ چکا تھا۔ وہ قریباً دس میل کا
طے کر کے آیا تھا۔ اس نے سدرشنا کی بہادری کی تعریف کی اور اس کا بیان لکھ کر سدر
کے کہنے پر واپس لوٹ گیا کیونکہ انسپکٹر سدرشنا نے کسی بھی قسم کی مدد لینے سے انکار کر
تھا اور اسے کہا تھا کہ "را" کی ایک آفیسر ہونے کے ناتے وہ دہشت گردوں کا مقابلہ
کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اس نے سلیم کا تعارف اپنے منگیتر کی حیثیت سے کروایا تھا
آج ہی اس کے پاس پہنچا تھا کیونکہ دونوں نے باقی چھٹیاں اکٹھے گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

سلیم نے یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ اس لڑکی میں کچھ خصوصیات ضرور مو
ہیں یوں تو وہ مشرقی عورت کی طرح ایک کمزور عورت تھی۔

لیکن

مشکل پڑنے پر وہ مردوں سے زیادہ بہادری کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔ جس کا ثبوت اس
سے پہلے اسے گنگا نگر میں بھی مل چکا تھا۔ جب دونوں نے مل کر غنڈوں کا مقابلہ کیا تھا۔

صبح انہوں نے مقامی تھانے میں قانون کے مطابق رپورٹ درج کروائی اور اب
دہلی واپس جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔

○○○

عین ان لمحات میں جب وہ ادھم پور سے بس سٹینڈ کی طرف آرمی کی جیپ میں
رہے تھے۔ یہاں سے بمشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اسی تیز رفتار نالے میں تین لاشیں
بہتی چلی جا رہی تھیں۔

یہ وہ ناکام غنڈے تھے جنہیں میجر شرما اور اس کے ساتھیوں نے اس طرح منہ لٹکا کر
واپس لوٹ آنے پر اس نالے کے کنارے کھڑے کر کے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

ان کے لیے یہ معمول کی کارروائی تھی۔

یوں بھی ایسی ناقابل شناخت لاشیں مقبوضہ کشمیر کے تیز رفتار ندی نالوں میں اکثر بہتی
ہوئی نظر آیا کرتی ہیں۔

ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حریت پسندوں کا نشانہ بنتے اور وہ مظلوم اور بے گناہ
کشمیری بھی جنہیں بھارتی فوجی مار کر پھینک جایا کرتے تھے۔ کسی کو ان لاشوں پر توجہ
دینے کی ضرورت نہیں تھی۔

جموں تک وہ بس کے ذریعے پہنچے تھے۔

اس دوران سدرشنا نے خود ہی سلیم کو بتا دیا تھا کہ اس کے ذہن کے مطابق یہ لوگ
میجر شرما کے بھیجے ہوئے تھے۔ جو کشمیری حریت پسندوں کے روپ میں اسے اغوا کر کے
لے جاتے اور سلیم کو مار ڈالتے۔

"کیا تمہارے آفیسر اس حد تک گر سکتے ہیں؟"

"اوہ! آف کورس۔"

سدرشنا نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تو سلیم نے حیرانی سے اس کی طرف یوں دیکھا
جیسے اس کے منہ سے اچانک آگ کا گولہ نکل آیا ہو۔

جموں سے دہلی تک کا سفر انہوں نے ٹرین کے ذریعے کیا تھا اور دونوں نے ایک
دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ اس واقعہ کی گھر والوں کو ہوا بھی نہیں لگنے دیں گے۔

○○○

ہیپی برتھ ڈے

ابھی اس کی چھٹیوں کے مزید دو دن باقی تھے اور ان دو دنوں میں سلیم کی یہ خوا
رہی کہ اسے نارمل کر سکے اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ فی الحال سدرشنا کو "را"
چھوڑنے کے ارادے سے روکے رکھے کیونکہ ابھی اسے شکارپور کے تربیتی کیمپ میں
اور احکامات بھی انجام دینا تھے۔

سدرشنا نے اسے خود ہی بتایا تھا کہ اس روز ریسٹ ہاؤس میں ان پر حملہ کرنے وا
تین کشمیری حریت پسند دراصل میجر شرما کے سدھائے ہوئے کتے تھے اور ان کے
ناک عزائم سے بھی اسے آگاہ کیا تھا۔

"سدرشنا شاید تم اسے مذاق یا معمول کی بات سمجھو گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ
زندگی کبھی اس طرح عزیز نہیں رہی کہ میں اپنی تمام صلاحیتیں اسے بچائے رکھنے
ہی صرف کر دوں۔ میری ماں کا "وردان" میرے ساتھ ہے۔ تم نے دیکھا مجھے خطرے
پہلے سے "گمان" ہو جاتا ہے اور میں عموماً ان سے بچ بھی جاتا ہوں۔ لیکن حیرت
ہے کہ تمہارے ایک آفیسر نے اگر یہ شیطانی منصوبہ تیار کیا تھا تو۔۔۔۔۔۔"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر نظریں جھکا لیں۔

"راج تم انٹیلی جنس کے کھیل کو کبھی نہیں سمجھ پاؤ گے۔ شاید یہ دنیا کا وا
ہے جس میں تمام ناجائز اصول وقت آنے پر جائز ہو جاتے ہیں اور تمام جائز اصول

لے پر ناجائز قرار پاتے ہیں۔ میجر شرما نے جو کچھ کیا وہ اس کی تربیت کا حصہ ہے۔ ہمیں یہی
کچھ سکھایا جاتا ہے یہاں اخلاقیات کے چکر میں پڑنے والے کو بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔
تم جانتے ہو کہ ہم اپنے جائز کام بھی غلط طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ مثلاً یہی مثال لے لو
کہ انٹیلی جنس جس شخص سے پوچھ گچھ کرتی ہے اسے قانون کے مطابق گرفتار کرنے کے
بجائے اغوا کر کے لایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے لواحقین کو علم نہ ہو سکے کہ مطلوبہ شخص پر کیا
گزری ہمارے بیشتر بلکہ قریباً سب ہی کام "آف دی ریکارڈ" ہوتے ہیں اور "آف دی
ریکارڈ" کچھ بھی جائز ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم جو "را" کے لوگ ہیں ہم دراصل
"واریئر" (حالت جنگ کے فوجی) ہیں اور جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ بس اپنا
مطلب نکلنا چاہیے۔ تم کیا سمجھتے ہو ایک عورت ہونے کے ناتے مجھے یہ بات پسند ہے کہ
میرے تربیت یافتہ لوگ پاکستان میں عورتوں اور بچوں کا ناجائز قتل کریں۔ پبلک پلیسز،
بسوں اور ٹرینوں میں بم لگا کر بے گناہ لوگوں کا قتل عام کریں۔ تم کیا سمجھتے ہو میں نے حال
ہی میں سندھ میں ہمارے تربیت یافتہ تخریب کاروں کے ہاتھوں ٹرینوں کی تباہی میں مرنے
والے معصوم بچوں کی خون آلود لاشوں کی تصاویر اخبارات میں نہیں دیکھیں۔ کیا میرا دل
ان باتوں پر نہیں دکھتا۔ لیکن بس تم یہی سمجھ لو کہ ہم وحشی ہیں وحشی، ہمارا انسانیت سے
بس اتنا ہی ناتا ہے کہ ہماری شکل و صورت عام انسانوں جیسی ہے۔ کم از کم میں نے تو اس
ایجنسی میں رہ کر یہی حاصل کیا ہے۔"

سدرشنا بالآخر پھٹ پڑی تھی۔

لیکن

اس گرم لوہے پر بھی اس نے فی الوقت ضرب نہیں لگائی۔

"آؤ کہیں چل کر تمہیں آئس کریم کھلاؤں۔ آج کل تم کچھ زیادہ ہی بھگتی نہیں
کرنے لگیں"

اس نے مسکراتے ہوئے سدرشنا کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں باہر آ گئے۔

"را" نے کرنل جوشی کی موت کو پاکستان میں گرفتار ہونے والے تخریب کاروں سے

منسلک کر کے اس مفروضے پر اپنی تفتیش شروع کر دی تھی اور اپنے اندر موجود آستین کے سانپ کو کھوجنے کے لیے وہ لوگ خاصے چوکس ہو گئے تھے۔

ان حالات میں سلیم نے کچھ عرصے کے لیے اس منظر سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا اُس روز اسے اچانک ہی کیپٹن اشونی کمار یاد آگیا۔ بہر حال وہ سلیم کے کام کا بندہ تھا اور اشونی کمار نے حادثاتی طور پر اس سے ایک روحانی رابطہ بھی قائم کر لیا تھا۔ سلیم نے اسی الوقت یہی سوچا تھا کہ اشونی کمار کے ساتھ اس کی قربت کی رپورٹ جب "را" کو ملے گی تو وہ اس کے متعلق مزید کسی شک میں مبتلا نہیں رہے گی۔ اور سدرشنا کو بھی ایک قدرتی تحفظ میسر آجائے گا۔

یہی سوچتے ہوئے اس نے پنڈت کانتا پرشاد کو فون کیا تھا۔

○○○

کانتا پرشاد کے لیے اس کا ٹیلی فون "سورگ" سے آنے والے کسی پیغام سے کم نہیں تھا۔ جب اس نے دوسری طرف راجکمار کی آواز سنی پہلے تو اسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"بہت بروقت فون کیا آپ نے مہاراج۔"

کانتا پرشاد نے چھٹتے ہی کہا۔

"کیوں۔ کیا مال ختم ہو رہا ہے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے فون پر دریافت کیا تھا۔

ارے آپ کے ہوتے ہوئے کیسے ممکن ہے مہاراج؟"

دوسری طرف کانتا پرشاد نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

"وہ آپ سے ملے تھے ناں اس روز ٹھاکر جی کے ہاں اشونی کمار۔ ان کا وواہ اگلے ہفتے ہو گا۔ اور انہوں نے یہ شرط رکھ دی ہے کہ جب تک آپ نہیں ہوں گے وواہ نہیں ہو گا۔ ٹھاکر جی تو بڑے پریشان تھے مجھے کہا تھا کہ آپ کو ہر شرط پر ڈھونڈھ کر لاؤں۔ بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ نے خود ہی داس (غلام) کو یاد کر لیا ورنہ میری کم بختی آجاتی۔"

کانتا پرشاد نے اپنی بات مکمل کی۔

"ٹھیک ہے میں سولہ تاریخ کو آجاؤں گا۔ اور ہاں ممکن ہے میرے ساتھ کوئی مہمان بھی ہو۔ ٹھاکروں کو زیادہ کھوج نہ کرنے دینا۔ میری بات سمجھ گئے ناں۔"

اس نے کانتا پرشاد کو سمجھا دیا تھا کہ اسے ضرورت پڑنے پر کیا کہانی سنانی ہے۔

شام گئے جب وہ گھر واپس لوٹا تو سدرشنا کو اپنا منتظر پایا۔

"خیریت، آج تم کچھ جلدی نہیں آگئی"

اس نے چھٹتے ہی پوچھا۔

"بس یونہی اب کام میں زیادہ من نہیں لگتا"

سدرشنا نے بددلی سے کہا۔

"تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو...."

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں"

سدرشنا نے پھیکی سی مسکراہٹ سے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

"دیکھو سدرشنا اب آج میں تمہیں اپنے متعلق ایک آخری بات بتانے جا رہا ہوں۔ میری بات غور سے سننا میں نے تمہیں کہا تھا کہ میری ماں بہت مہان عورت تھی۔ تم ایسی باتوں کو مانو گی تو نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے کبھی تمہارے ساتھ اس لیے یہ بات نہیں کی۔ سدرشنا میری ماں پر دیوی ماں بہت مہربان تھی۔ میری ماں کو سارا گاؤں پوجتا تھا اور میری ماں کو بہت سی شکتیاں (طاقتیں) حاصل تھیں۔ اس نے کوئی ایسی شکتی مجھے بھی دی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس میں کوئی انہونی سی بات کہہ جاتا ہوں۔ تمہیں شاید حیرانگی ہو گی کہ اس ملک کی ایک بہت بڑی ٹھاکر فیملی مجھے اپنا گورو مانتی ہے۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے ہی محکمے کے ایک آفیسر بھی اپنے ماننے والے ہیں جن کے وواہ پر ہم دونوں ابو ہر جا رہے ہیں۔ تمہاری آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور کچھ دل بھی بہل جائے گا۔ سدرشنا ممکن ہے اب یہ باتیں تمہیں مذاق کا حصہ معلوم ہوں لیکن میں نے تمہیں پہلے اس لیے بتا دیا کہ تم وہاں ضرورت سے زیادہ

حیران نہ ہو جانا۔"

اس نے اپنی بات مکمل کی تو سدرشنا کو اپنی طرف مسلسل گھورتے پایا۔

"کیا دیکھ رہی ہو میرے چار کان لگ گئے ہیں یا آنکھیں تین ہو گئی ہیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سوچتی ہوں راج تم ہو کون؟ کبھی کبھی مجھے بڑی الجھن ہونے لگتی ہے۔ اس روز تم نے جب کہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی کرنے والا قدرت کے انتقام سے نہیں بچ سکتا تو مجھے عجیب سا لگا کہ تم جیسا ماڈرن اور پڑھا لکھا نوجوان یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ لیکن کرنل جوشی کی موت خدا کی پناہ! مجھے اپنے ساتھیوں سے علم ہوا کہ وہ بڑی اذیت ناک موت مرا ہے اسے قتل کرنے والا کوئی جنونی دکھائی دیتا تھا۔ جس نے کرنل کو زندہ جلا کر مار ڈالا۔ ایجنسی کے لوگ کہتے ہیں کہ دوسری طرف سے یہ انتقام لیا گیا ہے کیونکہ کرنل جوشی نے پاکستان میں دھماکوں کا سلسلہ بہت تیز کر دیا تھا کبھی کبھی مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ سویلین کو خواہ مخواہ اپنے اندھے انتقام کی بھینٹ چڑھایا جائے۔ لیکن ہمارا کام صرف احکامات کی تعمیل کرنا ہے۔ کرنل جوشی کی میں بہت عزت کرتی تھی لیکن اس روز اس نے جب سر محفل مجھے اس طرح بے عزت کیا تو مجھے اس سے بہت نفرت ہو گئی تھی۔ میں نے یہی سمجھا کہ تم میرا دل رکھنے کے لیے کہہ رہے ہو۔ لیکن کرنل جوشی واقعی مارا گیا"

اس نے یہ ساری بات بڑے عجیب سے لہجے میں کہہ دی تھی۔

"سدرشنا مجھے علم نہیں کہ کرنل کیسے مرا یا اسے کس نے مارا ظاہر ہے یہ سرکاری راز ہیں اور میں سرکار دربار کے چکر میں پڑنے والا نہیں ہوں۔ لیکن آج تمہیں یہ بتا دوں کہ جب کرنل تمہاری بے بسی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا تو میرا من چاہتا تھا کہ اس کا خون کر دوں۔ اس نے تمہارے ساتھ .... خیر چھوڑو ہم بھی کیا قصہ لے بیٹھے۔ بس میں نے تمہیں یہی کہنا ہے کہ کبھی کبھی مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسے تم کوئی "چکر بازی" نہ سمجھنا۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں سیکولر آدمی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ شاید میری ماں کا کوئی "وردان" (بخشش) ہے جو میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے۔۔۔"

سدرشنا کے لیے آج وہ بالکل نئے روپ کا راجکمار دکھائی دے رہا تھا۔ یہ بات تو اس جان لی تھی کہ راج کمار میں کوئی ایسی شکتی ہے جس کے بل بوتے پر وہ سب کو فتح کرتا ہے۔ اس نے سدرشنا کو بھی فتح کر لیا تھا۔

لیکن

راج راجکمار نے جب آن ریکارڈ یہ بات اسے بتا دی تو سدرشنا کو بھی اس کی بات ماننا

"اچھا مہاراج میں تو پہلے ہی آپ کی داسی ہوں اور یہ داسی تو....."

اس نے راجکمار کی طرف دیکھ کر ایسا فلمی پوز بنایا کہ بے ساختہ اس کی ہنسی نکل

"تین چار روز کی چھٹی لے لو۔"

اگلے ہی روز اس نے سدرشنا سے کہا۔

"خیریت؟"

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں بھگا کر لے جانا ہے۔"

سلیم نے اس کی طرف دیکھے بغیر ٹی وی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟"

اس مرتبہ سدرشنا نے اس کے کندھوں پر بوجھ ڈال کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی تمہیں بتایا تو تھا کیپٹن اشوتی کمار کی شادی پر جانا ہے۔"

اس نے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جب آپ کہیں جیسے آپ چاہیں۔"

سدرشنا نے کہا اور ایک فلمی دھن گنگنانے لگی۔

لالہ دوار کا داس کے لیے ان دونوں کا آپس میں گھل مل کر رہنا باعث تشفی تھا۔ اس

کی خواہش تھی کہ راج کے ساتھ اپنی بیٹی کے ہاتھ جلد از جلد پیلے کر کے اس
کان پر مستقل قابض ہو جائے۔ سدرشنا کی خواہش پر اس نے اپنے طور پر اس کو
سے پولیس میں واپس لانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔
لیکن

یہ بظاہر اتنا آسان نظر نہیں آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی بیٹی کو بطور
نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ابھی اپنے مستقبل کے پروگرام کا ذکر کسی سے نہ کر

OOO

ابوہر ریلوے اسٹیشن سے ایک سائیکل رکشا کے ذریعے وہ سیدھا پنڈت کانتا
کے ہاں چلا آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت اور سمارٹ لڑکی کو دیکھ کر پنڈت
پرشاد کی باچھیں کھل گئیں۔

"دھن بھاگ۔ دھن بھاگ۔"

اس نے سدرشنا کے سراپے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ جو حسب عادت اپنے
سے بالکل بے نیاز دکھائی دے رہی تھی۔

"شکر ہے بھگوان کا کہ مہاراج کو بھی کوئی سندری پسند آ ہی گئی۔" اس نے دونوں
طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بات کہہ دی۔

"دیکھو پنڈت جی۔ زیادہ تعریف کر کے ان کا دماغ خراب نہ کرنا اور ہاں ہم ٹھاکر
کے ہاں نہیں بلکہ تمہارے ہاں رہا کریں گے۔ میری بات سمجھ گئے ہو ناں۔"

سلیم نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

"میرا سو بھاگیہ مہاراج لیکن ٹھاکر اسے میری گستاخی سمجھ کر مجھے زمین میں زندہ
دیں گے۔ انہیں میں نے آپ کی آمد کی تاریخ سے مطلع نہیں کیا۔ بھگوان جانے مجھ
جرم کی کیا سزا ملتی ہے۔"

پنڈت کانتا پرشاد نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر رہو۔ میں کہہ دوں گا تمہیں علم نہیں تھا۔ بس ایک بات کا خیال رکھنا
ہمارے ساتھ زیادہ ہجوم نہ لگا دینا۔"

اس نے پنڈت سے کہا۔

پنڈت کی تمام داسیاں ان کے خدمت میں جت گئی تھیں۔ اور سدرشنا کے لیے اس
یہ روپ واقعی چونکا دینے والا تھا۔ کیونکہ اس نے یہاں مندر میں موجود تمام لوگوں کی
آنکھوں میں راج کمار کے لیے عقیدت اور محبت کے دریا موجزن دیکھے تھے!

انہیں ابھی وہاں بیٹھے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا جب حویلی سے ان کے لیے بلاوا
آگیا۔ ٹھاکر صاحب کو شاید اس کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی اور انہوں نے فوراً دونوں کو
اپنے حضور طلب فرمایا تھا۔

ٹھاکر کے حکم کو چند منٹ کے لیے بھی نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔ اس طرح شاید بے
چارے پنڈت کے لیے مشکلات کھڑی ہو جاتیں۔

حویلی کے دروازے پر ٹھاکر نے خود ان کا استقبال کیا تھا شادی کی تقریبات کا آغاز ہو
چکا تھا اور اس گلی میں موجود ٹھاکروں کی حویلیاں دلہن کی طرح سجی ہوئی دکھائی دے رہی
تھیں۔

"بہت انتظار کروایا آپ نے مہاراج؟"

ٹھاکر نے اسے دیکھ کر گلہ کرنے کے انداز میں کہا۔

"ٹھاکر صاحب آپ یہ دیکھیے کہ میں نے اپنا وعدہ نبھایا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس
"شبھ وواہ" پر آؤں گا۔ جب بھگوان نے ادھر کا حکم لگایا میں آگیا ہوں۔

اشونی کمار جی کہاں ہیں!"

اس نے ٹھاکر سے سدرشنا کا تعارف کروانے کے بعد کہا۔

"اسے فون کر دیا ہے بھاگا آ رہا ہو گا۔ آپ کی دعا سے کل ہی اسے میجر کے کورس کی
آفر ہو گئی ہے۔ اور اب وہ جلدی میجر بن جائے گا۔"

ٹھاکر نے ایسی عقیدت سے یہ بات کہی کہ سدرشنا نے چونک کر سلیم کی طرف دیکھا

جس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خواہ مخواہ آنکھ دبادی۔

"ابھی انہیں بہت کچھ ملے گا۔ ٹھاکر جی مہاراج! آپ کی سپتری کی کنڈلی ان کے ساتھ ایسی ملائی ہے کہ اب اشونی کمار جی آگے ہی آگے چلتے جائیں گے۔ آگے ہی آگے۔ بہت بھاگیوان ہے آپ کی سپتری جس گھر میں بھی جائے گی اسے چار چاند لگ جائیں گے۔"

اس نے ٹھاکر سے کہا جس کی گردن اب کچھ زیادہ ہی پھول گئی تھی۔

سدرشنا کے لیے یہاں کے بعض مناظر تو چونکا دینے والے تھے!

اس طرح کی حویلی اس نے اس سے پہلے فلموں میں دیکھی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان لوگوں کو راج کمار میں ایسا کیا دکھائی دیا ہے کہ انہوں نے اسے دیوتا کی طرح پوجنا شروع کر دیا۔

ٹھاکر خاندان کی عورتیں اور مرد اس طرح احتراماً اس کے سامنے جھکتے جارہے تھے جیسے وہ ان سب کا گورو ہو۔

سدرشنا کا تعارف اس نے یہاں اپنی منگیتر کی حیثیت سے کروایا تھا۔ یہاں کسی کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ وہ کون ہے اور کیا کرتی ہے۔

دونوں حویلی کے تاریخی ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر ڈھیر تھے۔ ڈرائنگ روم کی دیواروں پر جابجا ٹھاکروں کے آباؤ اجداد کی تصاویر سجی ہوئی تھیں۔

ان کے چہروں سے جلال اور کہیں کہیں درندگی ٹپک رہی تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی وہ اپنی لمبی لمبی تلواروں سمیت چوکھٹوں سے باہر نکل آئیں گے۔

قریباً آدھ گھنٹے میں انہوں نے دونوں کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پینے کی اشیا کا ڈھیر لگا دیا تھا موؤب اور باوردی بیرے چاروں طرف منڈلاتے پھر رہے تھے۔ دونوں کے لیے اس پر تکلف اور پُرتعیش ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرنے کا مرحلہ درد تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی کیپٹن اشونی کمار کی صورت دکھائی دی۔

وہ اس طرح بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا تھا جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا ہو۔ اس کی شکل پر ایک نظر پڑتے ہی سدرشنا نے اسے پہچان لیا تھا۔

یہ ان کی پہلی ملاقات نہیں تھی۔ ممکن ہے اشونی کمار کو یاد نہ رہا ہو۔ لیکن

سدرشنا جانتی تھی کہ دونوں متعدد مرتبہ ایک دوسرے سے مل چکے ہیں۔ خصوصاً شکار پور کے تربیتی مرکز میں وہ اکثر کرنل بخش کے ساتھ جس کا تعلق "را" کی خصوصی برانچ او آر۔او۔ایس سے تھا آتا رہا ہے!!

کیپٹن اشونی کمار نے بڑی عقیدت سے سلیم کا اپنی سمت بڑھا ہوا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور اب سلیم سدرشنا سے اس کا تعارف اپنی منگیتر کی حیثیت سے کروا رہا تھا۔ جس نے احتراماً اپنی دونوں ایڑیاں جوڑتے ہوئے دایاں ہاتھ اٹھا کر اسے "جے ہند" کہا تھا۔

"سر! آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

سدرشنا نے بالآخر کہہ ہی دیا

"ہوں ں ں"

کیپٹن اشونی کمار نے لمبی "ہوں" کرتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"ویسے تو تم جیسی خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ فوراً کہہ دوں ہاں۔ میں تو کئی جنموں سے تمہیں پہچانتا ہوں۔ لیکن یہاں ہمارے گورو جی کا معاملہ بھی ہے۔ شاید تم کرنل جوشی کے گروپ....."

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"یس سر!"

سدرشنا نے فوراً ہی کہہ دیا۔

"بہت افسوس ہوا۔ بڑے گریٹ آفیسر تھے کرنل جوشی۔"

اشونی کمار نے کہا۔

"آف کورس سر! وہ بہت مہان تھے۔"

سدرشنا کو بادل نخواستہ اس کی ہاں میں ہاں ملانا پڑی۔

اس سے زیادہ باتیں دونوں نے اپنے بزنس سے متعلق نہیں کی تھیں۔ شاید ان کے

پیشے کا تقاضا ہی یہی تھا کہ وہ اس سے زیادہ گفتگو سر محفل نہ کریں۔

کافی دیر تک ان لوگوں نے سلیم کو گھیرے رکھا۔ پھر اشونی کمار انہیں آرام کرنے کے بہانے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں تینوں ہی تھے۔ کمرہ بیڈ روم سے زیادہ ڈرائنگ روم دکھائی دے رہا تھا۔

"مہاراج آپ کی کرپا سے ایک عرصے سے رکا میرا معاملہ آگے بڑھا ہے اور اگلے مہینے میں میجر بن جاؤں گا۔ لیکن یہ وائیٹ فلاور....."

"بھول جاؤ اسے"

کسی مہاتما کی طرح اپنا دایاں ہاتھ اٹھاتے ہوئے سلیم نے اشونی کمار کی بات کاٹ دی پھر اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں سب کچھ' پانے کے لیے نہیں ہوتا۔ جو نام آپ نے بتایا ہے اس کے ستارے بہت مضبوط ہیں۔ ابھی اس پر زوال نہیں آیا۔ برہسپتی راشی کو ابھی بہت پھل لگے گا۔ کیپٹن صاحب آپ ہمارے دوست ہیں میرا مشورہ یہی ہو گا کہ فی الوقت اس معاملے سے ہٹ جائیں یہاں کامیابی دکھائی نہیں دے رہی۔ جو بھی اس کیس کو لے گا نامراد ہو گا۔ ہاں جب کبھی شبھ گھڑی آئی تو آپ کو بتا دیں گے۔"

"آوشے مہاراج آوشے۔"

اشونی کمار کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ سلیم نے اسے یہاں خوشخبری سنا دی تھی کہ وہ اگلے تین سال میں لفٹننٹ کرنل بن جائے گا۔ اور اس کے بعد آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ اس نے اشونی کمار سے کہا تھا کہ اس کے لیے قدرت کے پاس بہت سے انعامات موجود ہیں۔ لیکن افسوس "وائیٹ فلاور" اسے نہیں مل سکے گا۔

"کرنل جوشی کی موت سے متعلق تو آپ کو علم ہو گا؟"

اچانک ہی اشونی کمار نے کہہ دیا۔

"ہاں بہت بھلے آدمی تھے ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی ان کی برتھ ڈے پارٹی میں۔

ت دکھ ہوا سدرشنا نے بتایا تھا۔ بھئی یہ میری ہونے والی "جورو" ضرور ہے۔ لیکن مجھے ی کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ دیش کی سیوا کے لیے اور بہت ے محکمے موجود ہیں۔ انکل نے ساری زندگی پولیس میں گزار دی۔ معلوم نہیں اس کے ن میں کیا سمائی۔ آپ اس کا تبادلہ پولیس میں ہی کروا دیں۔ مجھے تو بہت ڈر لگتا ہے اس ا نوکری سے۔"

سلیم نے گول مول سا جواب دیا۔

"کیوں بھئی انسپکٹر تم کیا بہت تنگ آ گئی ہو ہم لوگوں سے۔"

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی کہ سدرشنا جذباتی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بے ساختہ بہہ نکلے اور اس نے رندھے ہوئے گلے سے اپنے ساتھ کیپٹن شرما کی طرف ے ہونے والی زیادتیوں کا رونا رو دیا۔ کشمیر میں پیش آنے والا واقعہ بھی اس نے بڑی یری سے کیپٹن شرما کے کھاتے میں ڈال دیا۔

سلیم اس درمیان بظاہر لاتعلق سا بنا رہا۔

"باسٹرڈ میں دیکھوں گا اسے۔"

اشونی کمار نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"سدرشنا بہت پریشان رہتی ہے۔ میں نے سوچا آپ ہی شاید اس کے مسئلے کا کوئی حل نکال سکیں۔"

سلیم نے بالآخر گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"مہاراج آپ مجھے صرف ایک ماہ کی مہلت دے دیں۔ میں نے پندرہ دن کی چھٹی لے رکھی ہے۔ جس کے بعد ایک کورس کرنا ہے۔ میرے آفیسر انچارج کرنل بخش ہی کرنل جوشی کا چارج لینے جا رہے ہیں۔ جس کے بعد اس سیکشن کی کمانڈ مجھے مل جائے گی۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔ اس سے متعلق پہلے بھی بہت سی شکایات موجود ہیں۔ لیکن ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں بہت کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ اسے آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔"

اشونی کمار نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"اس شبھ گھڑی میں آپ کو پریشان کر کے ہم نے زیادتی کی۔ لیکن اسے مجبوری کر معاف کر دیجئے۔"

سلیم نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔

"اوہ نہیں مہاراج۔ آپ کی شبھ کامنائیں میرے ساتھ رہیں اور ہمیں کیا چاہئے آپ اب آرام کیجئے۔ شام کو ملتے ہیں۔" یہ کہہ کر اشونی کمار باہر چلا گیا۔

○○○

دونوں کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ سدرشنا بہت مطمئن ہو گئی تھی اس کے دل میں موجود راج کمار کے لیے محبت میں اب بے پناہ عقیدت کا رنگ آ گیا تھا واقعی اس شخص میں کوئی اسرار چھپا تھا۔ اس کے دل نے گواہی دی۔

تین روز تک وہ لوگ شادی کے جشن میں شریک رہے اور چوتھے روز ٹھاکروں بڑی بد دلی کے ساتھ انہیں واپس جانے کی اجازت دی۔ سلیم کو بادل نخواستہ اپنا پتا ایڈریس دینا پڑا۔

روانگی سے پہلے اشونی کمار نے ایک مرتبہ پھر سدرشنا کو یقین دہانی کروائی تھی کہ خود کو تنہا نہ سمجھے۔ سدرشنا اس لیے بھی مطمئن تھی کہ اسے او۔ آر۔ ایس کی طاقت کا علم تھا اور وہ جانتی تھی کہ کرنل بخش کے دائرہ اختیار میں کیا کچھ آتا ہے۔

اس مرتبہ جب وہ گھر پہنچی تو معمول کے مطابق ہشاش بشاش تھی جو گھر والوں کے لیے بہت اچھا شگون تھا۔

گاڑی میں موجود انجن کے معمولی سے نقص کو ٹھیک کروانے کی ذمہ داری اس نے خود ہی لے لی تھی اور اب سدرشنا کو شکار پور آفس پر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے گاڑی کا رخ گھر کی طرف موڑا اچانک ہی وہ چونک پڑا۔

مین گیٹ سے ایک جیپ باہر نکلی تھی جس کی اگلی سیٹ پر شمسی بیٹھا تھا۔

کسی اچانک آمدہ خیال کے تحت اس نے اپنی گاڑی جیپ کے پیچھے لگا دی۔ جیپ معمول کی رفتار سے جا رہی تھی۔ دو ڈیڑھ فرلانگ کے بعد یہاں ٹریفک کا رش بڑھ گیا تھا جس نے سلیم کے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔

قریباً پون گھنٹے کی تھکا دینے والی ڈرائیونگ کے بعد بالآخر اس سفر کا خاتمہ ہو گیا۔

وہ لوگ کینٹ ایریا کے بلاک نمبر سیون میں پہنچ چکے تھے۔ جس کے ایک کونے میں بنے فلیٹس کے باہر جیپ رک گئی۔

سلیم نے اپنی گاڑی سڑک کے دوسرے کنارے ایک گھنے درخت کے نیچے پارک کی تھی اور یہاں سے اسے سامنے کا منظر بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔

گراؤنڈ فلور پر بنے خوبصورت اور لگژری فلیٹس کے سامنے باغات کا طویل سلسلہ چلتا چلا گیا تھا۔ جس کے بعد پارکنگ کی جگہ جیپ کھڑی تھی اس نے تیسرے فلیٹ کے سامنے ان لوگوں کو رک کر بیگ کو الوداع کہتے دیکھا۔ بیگ نے اپنے پاس موجود چابی سے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ جب کہ ڈرائیور اور "را" کا ایک آفیسر جو اس کی ساتھ آئے تھے واپس لوٹ گئے۔

سلیم نے کار کا بونٹ اٹھا رکھا تھا جس کی اوٹ سے اس نے جیپ کو واپس جاتے دیکھا اور ان لوگوں کے جانے کے بمشکل دو منٹ بعد ہی وہ ٹہلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا۔

یہاں دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا اکا دکا لوگ جو آ جا رہے تھے وہ خود میں اتنے زیادہ مگن تھے کہ کسی کو اس طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔

فلیٹ کے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے فلیٹ کا نمبر نوٹ کیا جس کے باہر کسی مسٹر ملہوترہ کے نام کی تختی لگی تھی اور واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

یہ اچانک ٹکراؤ اس کے لیے "خدائی عطیہ" تھا جس پر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا۔

گاڑی اپنے پریس کے نزدیک ورکشاپ میں چھوڑ کر اس نے مقامی پی سی او سے غیر ملکی کال بک کروائی اور وہاں اپنے دوست کو بیگ کی رہائش گاہ کا ایڈریس دے کر اپنے پریس کا نمبر لکھوایا تاکہ اسے اگلی ہدایت مل سکے۔

"ناراض ہو گئے جان من۔ خیر! اب تمہیں ناراض تو نہیں کر سکتی۔ جہنم میں جا۔ نوکری اچھا جہاں تمہارا دل چاہے لے چلو"

یہ کہتے ہوئے اس نے باقاعدہ ایک فلمی گیت بڑے فلمی انداز میں گانا شروع کر دیا۔

سلیم نے مسکراتے ہوئے گاڑی سپر مارکیٹ کی طرف بھگا دی اور وہ سپر مارکیٹ کے گفٹ سنٹر کے سامنے کھڑے تھے۔ سدرشنا کے کہنے کے باوجود وہ گاڑی سے نیچے نہ اترا اور وہ اکیلی ہی "گفٹ سنٹر" تک چلی گئی۔

"سالگرہ کا تحفہ تو مجھے میں دوں گا غدار"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے دانت پیسے۔

دو تین منٹ بعد ہی سدرشنا واپس لوٹ آئی اس نے اپنے ہاتھ میں ایک کیسٹ پکڑی ہوئی تھی۔

"اسے کیا گانے سناؤ گی"

"بھئی یہ مسلم لوگ بڑے رومنٹک ہوتے ہیں میں نے کہا بے چارے کا دل بھی بہلا رہے گا۔ سو یہ لے آئی"

اس نے چڑانے کے انداز میں کہا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گھر تک وہ گاڑی کے کیسٹ پلیئر پر سلیم کو گانے سناتی آئی۔ اس نے گفٹ سنٹر پیکنگ آرڈر لکھوا دیا تھا اور اب وہاں سے پیکٹ پرسوں شام وصول کر کے بیگ کو اس کے گھر پہنچانا تھا۔ سلیم نے جان بوجھ کر ایسی فضا بنائے رکھی کہ وہ اسے بیگ کے گھر کا ایڈریس نہ بتانے پائے اور گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

ساری رات وہ بیگ کی سالگرہ پر تحفہ دینے پر غور کرتا رہا۔ بالآخر ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔

اگلے روز معمول کے مطابق جب وہ پریس سے متعلق چیزوں کی خریداری کے لیے پریس سے نکلا تو سیدھا پٹیل کے اڈے پر پہنچ گیا۔ جہاں ایک مرتبہ پھر شناخت کے تمام مراحل طے کر کے پہلے کے سے انداز میں اسے مطلوبہ اشیاء مل گئیں۔

یہ ایک چھوٹا سا "ٹرانسمیٹر ڈیوائس" تھا جس کے ساتھ کھلونا نما "ریموٹ کنٹرول"

بھی موجود تھا۔ حسب سابق اس نے دونوں چیزیں پولی تھن کے بیگ میں رکھ کر اپنی جیکٹ کی جیبوں میں اس طرح ٹھونس لیں کہ ان کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس نے بیگ کو سالگرہ کے روز ہی اس کی غداری کا تحفہ دینے کی ٹھان لی تھی۔ ایسے خوبصورت موقع کو وہ ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اگلے روز تک معمول کے مطابق سارا کام کیا۔ اس درمیان دونوں نے بیگ سے متعلق ایک لفظ بھی اور نہیں کہا تھا اور خاصے رومانٹک بنے رہے تھے۔

آج اتوار کا دن تھا۔

اس روز وہ عموماً چھٹی کیا کرتے تھے۔

لیکن

پریس پر کام کا زور ہونے کے سبب یہ چھٹی کبھی کبھی کینسل بھی ہو جاتی تھی۔ آج بھی سلیم نے دوپہر تک ڈیوٹی دینی تھی۔ جس کے بعد راہول نے جانا تھا۔

شام کو سب نے اکٹھے گھر سے باہر جا کر کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ ہوٹل کا انتخاب سدرشنا نے پہلے سے کر لیا تھا اور وہاں اپنی میز بھی ریزرو کروا دی تھی۔

OOO

صبح معمول کے مطابق اس نے سیر کی اور اب ناشتے کے بعد موٹر سائیکل پر اپنے پریس کی طرف روانہ ہو گیا۔ موٹر سائیکل آندھی اور طوفان کی رفتار سے اڑاتا ہوا وہ کینٹ ایریا کی طرف جا رہا تھا۔ یہاں پھولوں کی مشہور دوکان سے اس نے سفید رنگ کے پھولوں کا ایک بڑا سا "بوگے" تیار کروایا اور موٹر سائیکل کو نزدیکی سٹینڈ پر کھڑی کر کے وہاں سے ایک ٹیکسی کے ذریعے وہ بیگ کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کی آنکھوں پر گہرے سیاہ شیشوں کی عینک لگی تھی اور سر پر اس نے بظاہر سردی

سے محفوظ رہنے والی ٹوپی اس طرح اوڑھ رکھی تھی کہ اس کی پہچان ممکن نہ رہے۔ اس کے سامنے کے دونوں دانت بھی بظاہر نقلی دکھائی دے رہے تھے جن پر سونے کا خول چڑھا تھا!!

ایسے چٹکلے اس کے پاس عموماً موجود رہتے تھے!

ٹیکسی ڈرائیور کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے کمال ہوشیاری سے اپنی جیب میں موجود بمشکل دو انچ موٹا اور تین انچ لمبا "ڈیوائس" بوگے میں اس طرح چھپا دیا تھا کہ پورا گلدستہ کھلنے پر ہی اس کا انکشاف ہوتا جب کہ گلدستے کو پولی تھن کے کاغذ میں پیک کیا گیا تھا۔

فلیٹ سے کچھ فاصلے پر ہی اس نے ٹیکسی چھوڑ دی اور بڑے اعتماد سے فلیٹوں کی طرف چل دیا۔

چھٹی ہونے کی وجہ سے شاید ابھی یہاں زندگی پوری طرح بیدار ہی نہیں ہوئی تھی۔ دو تین کاریں اس سے کچھ فاصلے سے گزری تھیں۔

لیکن

فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ کسی کو ڈھنگ سے اس کی طرف دیکھنا بھی نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

گراؤنڈ فلور کے باہر موجود باغ میں سوائے ایک بوڑھے مالی کے اور کوئی اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مالی بھی اس کے وہاں پہنچنے تک اپنی سائیکل سنبھال کر شاید دوسری طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

فلیٹ کے دروازے کے سامنے رک کر اس نے طائرانہ نظروں سے ماحول کا جائزہ لیا اور قدرے مطمئن ہو کر فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجادی۔

دو مرتبہ وقفے وقفے سے گھنٹی بجانے کے بعد اسے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور دروازے کے عقب سے بیگ کا چہرہ برآمد ہوا۔ شاید وہ گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔

اس نے حیرانگی سے اپنے اس اجنبی مہمان کے چہرے پر نظر ڈالی اور استفہامیہ

نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سر! آپ کے دوستوں کی طرف سے"

یہ کہتے ہوئے اس نے حیران پریشان اور قدرے بوکھلائے ہوئے بیگ کو بڑا سا گلدستہ پکڑا دیا۔

"اوہ تو یہ بات ہے"

اچانک ہی بیگ کو یاد آگیا کہ آج اس کی سالگرہ ہے۔!! جس کے ساتھ ہی اسے سمجھ بھی آگئی کہ یہ تحفہ کس کی طرف سے آیا ہو گا۔

جس حالت میں وہ اٹھ کر آیا تھا اور اس کے جسم سے جس طرح ابھی تک شراب کی بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے اس سے سلیم نے ایک بات کا اندازہ تو بخوبی لگا لیا تھا کہ بیگ گھر میں اکیلا نہیں ضرور "را" کی کوئی فاحشہ اس کے بستر پر موجود ہو گی۔

"آیئے ہمارے ساتھ چائے کا ایک کپ پی لیجئے۔"

اس نے سلیم سے کہا۔

سلیم نے ابھی تک اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے لہراتے دیکھتے تھے۔

"نو سر مجھے ابھی ایک اور کام بھی کرنا ہے گڈلک اینڈ ہیو اے نائس ڈے (Have A Nice Day) اس نے کہہ کر دروازہ بند کر لیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے باغ تک آگیا۔"

"کون تھا؟"

جیسے ہی دروازہ بند ہوا بیگ کو بیڈ روم میں موجود فاحشہ کی آواز سنائی دی۔

"بڑے خوبصورت پھول ہیں بھئی"

اس نے پھولوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا پھر فاحشہ کی آواز کی طرف متوجہ ہو کر ابھی جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا جب اچانک ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور گلدستہ اس کے ہاتھوں میں پھٹ گیا۔

سلیم نے چلتے چلتے ہی اپنی جیب میں موجود ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا اس کے کانوں

تک دھماکے کی آواز بڑی مدھم ہو کر پہنچی تھی۔ دوسری طرف مڑ کر دیکھے بغیر وہ اپنی معمول کی رفتار چلتا رہا۔

دو سڑکیں عبور کرنے کے بعد اس نے اپنی رفتار بڑھا دی تھی اور اب اپنی موٹر سائیکل سٹارٹ کرنے کے بعد پریس کی طرف مطمئن ہو کر اُڑا جا رہا تھا۔

پریس سے دو تین فرلانگ پہلے ایک بڑے سے نالے پر بنے پل کو عبور کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں پڑے کھلونے نما ریموٹ کو نالے میں پھینک دیا۔

ریموٹ نالے کی گندگی کے ساتھ بہتا ہوا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ پریس میں اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔

○○○

اچانک دھماکے کی آواز پر گھبراتے ہوئے فاحشہ نے بستر سے چھلانگ لگائی اور دوسرے کمرے کی طرف بھاگی۔

اچانک ہی اس کے حلق سے زوردار چیخ نکلی اور وہ دیوانہ وار چیختی چلی گئی اسے اپنے ننگے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے بیگ کی لاش کمرے کے قالین پر اس طرح گری ہوئی تھی کہ اس کا چہرہ جل کر ناقابل شناخت ہو چکا تھا۔ اور اس کے گرد سفید رنگ کے پھول بکھرے پڑے تھے۔ جن میں سے اکثر بیگ کے ہلاک خون میں ڈوبے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

خوف زدہ فاحشہ چیختی ہوئی بیڈ روم کی طرف بھاگی اور اس نے کسی نہ کسی طرح گاؤن باندھ لیا۔

اس کے ساتھ ہی فلیٹ کا دروازہ زور سے کھلا اور دو تین آدمی اندر گھس آئے۔ یہ سب لوگ ملحقہ فلیٹوں سے آئے تھے۔ ان فلیٹوں میں رہنے والے تمام لوگوں کا تعلق "را" اور "سی بی آئی" سے تھا اور یہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بڑا محفوظ "سیف ہاؤس"

تھا۔

اتنے محفوظ اور مضبوط سکیورٹی زون میں گھس کر کوئی اپنے شکار کی جان لے لے گا۔ یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرا ہو گا۔

کمرے میں داخل ہونے والوں میں سب سے آگے انسپکٹر چمن لال تھا جس کے اشارے پر باقی لوگ وہیں ٹھٹھک کر رک گئے۔

"ادھر دیکھو بچ کر نہ جانے پائے"

اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا اور وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے باہر باغ کی طرف بھاگ نکلے انہیں اس بات کی سمجھ نہ آسکی کہ آخر وہ تلاش کسے کر رہے ہیں۔

چمن لال کی اطلاع پر سب سے پہلے پہنچنے والا کیپٹن شرما خود تھا۔ اس نے ایک نظر لاش پر ڈالی۔ پھر دہشت زدہ "را" کی طوائف کی طرف دیکھا اور اس سے دو تین سوالات کرنے کے بعد اچانک اس کی نظر پھولوں کے ایک خون آلود گچھے پر الجھے چھوٹے سے سفید رنگ کے کارڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا۔

"سالگرہ پر سفید پھولوں کا تحفہ قبول کیجئے"

لاش کے گرد بکھرے سفید رنگ کے پھول دیکھ کر اچانک ہی اس کی رگیں تن گئیں اس کی آنکھوں میں جیسے خون اترنے لگا تھا۔

"وائیٹ فلاور یو باسٹرڈ!"

اس نے اتنے زور سے گلا پھاڑ کر گالی دی کہ "را" کی فاحشہ سہم کر دیوار سے جا لگی۔

○○○

سزائے موت

دوپہر کے بعد راہول آگیا۔ ان دنوں وہ کچھ زیادہ ہی ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے لگا تھا جس کا ایک اہم سبب سلیم کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہونے والی انعامات کی بارش تھی۔ اور دوسری طرف وہ خود بھی دوسرے تیسرے روز یہاں چھوٹا موٹا داؤ لگا کر اپنی جیب گرم کر لیا کرتا تھا۔

موٹر سائیکل پر وہ گھر پہنچا تو سب لوگ کھانے کی میز پر اس کے منتظر تھے!!

"بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ اتنی دیر!"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو اس بہانے تمہیں بھوک تو لگی ورنہ تم ہمیشہ کھانے پر طرح دے جاتی ہو"

اس نے مسکراتے ہوئے اپنی سیٹ سنبھالی۔

ابھی انہوں نے بمشکل دو تین لقمے ہی اٹھائے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"بھئی میں تو فون سنوں گی نہیں۔ چاہے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ آخر شرافت بھی کسی چیز کا نام ہے۔ ادھر کھانا شروع کیا ادھر گھنٹی بجنے لگی"

سدرشنا نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

اسی اثنا میں اس کی ماں فون سننے اٹھ گئی تھی۔

"بیٹی تمہارا فون ہے"

اس نے اپنی بیٹی کو مخاطب کیا۔

"بیڑہ غرق سارے کھانے کا ستیاناس کروا دیا۔ جانے اس وقت کون کمبخت آن مرا"

سدرشنا بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فون اس نے بددلی سے سنا تھا۔

لیکن

دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اسے دوسرے ہی لمحے موذب کر دیا۔

"اوہ نو سر! یہ کیسے ممکن ہے سر! اوہ مائی گاڈ"

اس کے منہ سے نکلے ان الفاظ نے سب کو چونک کر اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد "یس سر" او کے سر" کی تکرار کرتے ہوئے اس نے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا بیٹی!"

اس کے گھبراتے ہوئے چہرے پر نظر پڑتے ہی لالہ دوارکا داس نے کہا۔

"اوہ مائی گاڈ Unbeleave Able (ناقابل یقین)"

"اوہو کچھ بتاؤ گی بھی یا پہیلیاں ہی بجھواتے جاؤ گی"

سلیم نے جسے تمام بات کی اچھی طرح سمجھ آچکی تھی اسے زچ ہو جانے والے انداز میں کہا۔

"بیگ مارا گیا"

بے ساختہ سدرشنا کے منہ سے نکلا۔

"کون سا بیگ"؟

سلیم نے حیرانگی سے پوچھا پھر خود ہی بولا۔ "اوہ اچھا جس کی سالگرہ کی تم خریداری کر

رہی ہو۔"

"ہاں وہی آج میں اسے ایجنسی کی طرف سے شام کو گفٹ دینے جا رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی۔"

سدرشنا نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"مائی گڈنس۔ لیکن تم پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ بھئی تمہارے دھندے میں کسی کے مرنے مارنے سے کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ یہاں کسی نہ کسی کو تو مرنا ہی ہوتا ہے۔ تم تو ایسے گھبرا رہی ہو جیسے پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔ آؤ کھانا کھاؤ۔"

سلیم نے تنگ آنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"راج تم نہیں سمجھتے۔ معاملہ بڑا سیریس ہے۔ تم سے کیپٹن اشوتی کمار نے جس وائیٹ فلاور کا ذکر کیا تھا اس نے مارا ہے بیگ کو۔ اور اس کی اس شہر میں موجودگی کا مطلب ہے ہم سب کی کم بختی!!"

سدرشنا نے سمجھانے کے انداز میں کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

دو چار لقمے اس نے محض سلیم کا دل رکھنے کے لیے زہر مار کیے تھے پھر کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹی کھانا تو کھالو۔ تم نے تو اسے نہیں مارا ناں۔"

"بھگوان جانے تمہاری کیا نوکری ہے۔ سب کو پریشان کر دیتی ہو۔"

جانکی دیوی نے کہا۔

"اوہ سوری ممی۔ ویری سوری آپ کھانا کھائیے مجھے آفس جانا ہو گا۔ ایمرجنسی میٹنگ کال کی ہے ان لوگوں نے۔"

سدرشنا نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم آج رات ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔"

سلیم نے کھانے سے ہاتھ روک کر کہا۔

"میں کوشش کروں گی۔"

اس نے سلیم کی مصنوعی ناراضی کو اصلی جان کر کہا۔

"کوشش نہیں تمہیں جانا ہو گا اور اگر تم نے آج کوئی چکربازی کی تو پھر کبھی مجھے نہ پلیز جانے کے لیے کہنا۔ حد ہوتی ہے کسی بات کی۔"

سلیم نے ناراضی کی اداکاری جاری رکھی۔

"اوہو راج! تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اچھا ناراض نہ ہو۔ میں ہر صورت پہنچنے کی کوشش کروں گی۔"

اس نے مطمئن کرنے کے انداز میں کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ چلی گئی۔

سلیم اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت "را" کے ہیڈ کوارٹر خصوصاً شکار پور پر قیامت گزر رہی ہو گی۔ اور اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ سدرشنا رات تک واپس آ سکے۔

بہرحال وہ سب لوگ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوٹل میں چلے آئے جہاں انہوں نے اپنے لیے میز پہلے ہی سے ریزرو کرا رکھی تھی!

کچھ دیر تک انہوں نے سدرشنا کا انتظار کیا۔

لیکن

اب ویٹرز نے ان کے گرد اگرد منڈلانا شروع کر دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میز پر ان کے فارغ بیٹھنے کو پسند نہیں کر رہے۔

"میرے خیال سے دیدی کا انتظار کرتے ہوئے غصہ کھانے کے بجائے ہم کچھ اور کھانا شروع کر دیں تو بہت مناسب رہے گا۔"

راہول نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

"ہاں بیٹا اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس معروف ہوٹل میں بیٹھ رہنا یوں بھی معیوب سا لگتا ہے۔"

لالہ دوارکا داس نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"جو آپ کی مرضی"

سلیم نے "بوفے" کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

انہیں یہاں آئے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ ہونے کو آرہا تھا اور اب سب لوگ "بوفے" کی آخری سویٹ ڈش کھا رہے تھے جب انہوں نے سدرشنا کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا۔

"آئی ایم سو سوری"

اس نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹ اچھالی۔

"اٹ از او کے کوئی بات نہیں۔ ڈیوٹی از آفٹر آل ڈیوٹی"

سلیم نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کے نزدیک ہی بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا تھا بیٹی۔ کیسے مرا۔ کون مر گیا۔"

لالہ دوارکا داس نے تجسس ظاہر کیا۔

"اوہ ڈیڈ! بہت خطرناک لوگ ہیں۔ یہ پاکستانی بہت خطرناک لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے غدار کو اتنے مضبوط ہاتھوں میں مار ڈالا"

پھر وہ سلیم کی طرف مخاطب ہوئی اس نے سلیم کے کان میں قریباً سرگوشی کرنے کے انداز میں کہا تھا۔ "کیپٹن اشونی کمار نے تمہارے ساتھ "وائیٹ فلاور" کا ذکر کیا تھا ناں!"

"ہاں شاید کوئی پاکستانی ایجنٹ ہے"

سلیم نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"راج وہ معمولی ایجنٹ نہیں بہت خطرناک ہے۔ خدا کی پناہ بیگ کو اس نے قتل کیا ہے۔ اور ہاں میں نے تو آج اپنے آفس میں لوگوں کو یہ کھسر پھسر کرتے بھی سنا ہے کہ کرنل جوشی کو بھی "وائیٹ فلاور" ہی نے مارا تھا۔ لیکن ہیڈ کوارٹر اس بات کو چھپا رہا ہے تاکہ ہمارا مورال ڈاؤن نہ ہو جائے۔ راج یہ بہت خطرناک ایجنٹ ہے۔ کیپٹن اشونی کمار نے شاید اس کی گرفتاری کے لیے ناکہ بندیاں کی ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک واپس نہیں گیا۔ شاید کسی اور ٹارگٹ پر نظر ہے اس کی"

سدرشنا نے اسی طرح سرگوشی کے انداز میں کہا

اور سلیم دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

اس نے سوچا عورت کیسی بھی ہو کسی روپ میں بھی ہو آخر عورت ہی رہتی ہے۔ اس کا کسی راز کو راز رکھنا کار دارد ہے۔ کتنی آسانی سے وہ سلیم کو سب کچھ بتاتی چلی جا رہی تھی۔

لیکن

کیا مجال جو سلیم ایک لمحے کے لیے بھی ابنارمل ہوا ہو۔

وہ بالکل ایسے پوز کر رہا تھا جیسے بادل نخواستہ اس کی گفتگو سن رہا ہو اور اسے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔

"تم پر بھی ان لوگوں کی طرح اس وائیٹ فلاور کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ اور تم نے وہ کہاوت نہیں سنی کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ کیوں اس قسم کی بور گفتگو کر رہی ہو۔ مجھے یہ مار دھاڑ والی باتیں پسند نہیں ہیں۔ کبھی تو میرے موڈ کو سمجھ لیا کرو"

اس نے اپنا چہرہ بڑا رومانٹک بنا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے"

سدرشنا بھی دوسرے ہی لمحے نارمل ہو گئی۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر ذو معنی فقروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس درمیان سدرشنا "بوفے" کھاتی رہی۔

"اس سے پہلے کہ ہوٹل کے منیجر کو غنڈوں کے ذریعے ہمیں باہر پھنکوانا پڑے۔ میرے خیال سے اب یہ میز چھوڑ ہی دیں"

راہول نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

راج نے اس کی اس بات پر دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا۔ باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہنسی میں شامل ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ گھر کی طرف واپس جا رہے تھے۔

لیکن

ایک ہی گاڑی میں نہیں۔ بلکہ الگ الگ!

سدرشنا اور سلیم کچھ دیر بعد گھر پہنچنے کا کہہ کر کسی اور طرف چل دیے تھے جب کہ گھر کے باقی لوگ ٹیکسی کے ذریعے چلے گئے تھے۔

سدرشنا اسے لے کر کنٹونمنٹ ایریا کے ایک ریستوران میں آگئی تھی۔ یہ ریستوران ایک بڑے باغ میں بنا ہوا تھا۔ جہاں ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر کرسیاں اور میزیں بچھا کر یہاں آنے والوں کی "پرائیویسی" کا اہتمام کیا گیا تھا۔

"یہ مجھے کہاں لے آئی ہو؟"

سلیم نے ایک کونے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"کیوں جگہ پسند نہیں آئی۔ اصل میں تمہاری بات سننے کے بعد سے میں بھی خاصی رومانٹک ہو رہی ہوں اور محبت کرنے والوں کے لیے اس شہر میں اس سے شاندار جگہ اور کوئی نہیں اگر انہوں نے صرف باتیں ہی کرنی ہیں۔"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے آخری فقرہ الفاظ چباتے ہوئے ادا کیا تھا اور سلیم کے بازو میں بازو ڈال کر بڑی بے تکلفی سے اسے یہاں تک لے آئی تھی۔

دونوں نے ایک کونے والی میز کرسی سنبھالی تھی اور اب وہیں بیٹھ کر کافی کا آرڈر دینے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے تھے۔

"راج"!

اچانک ہی سدرشنا قدرے سنجیدہ دکھائی دینے لگی تھی۔

"ہوں ں ں"

اس نے سدرشنا کی طرف بڑی نشیلی نظروں سے دیکھا تھا۔

"میجر اشونی کمار سے رابطہ ضروری ہو گیا ہے۔"

اس کی اس بات پر سلیم کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"اب کیا مصیبت آگئی بھئی اس نے کہا تو تھا کہ وہاں کا چارج لیتے میں وہ۔۔۔"

"راج تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے۔"

اس نے تیزی سے سلیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا اچھا اب زیادہ جذباتی نہ ہونا اور کہو کیا بات ہے"!

سلیم نے سنبھل کر کہا۔

"یہ حرامی شرما ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے اور مجھے تو اب علم ہوا کہ وہ چھنال جو اس روز تمہیں میرے ساتھ کشمیر ملی تھی دراصل اس کی خاص ایجنٹ تھی۔ جس کے ذریعے سے شرما نے اس گھناؤنے منصوبے پر عمل کرنا تھا۔ مجھے آج اس نے کھلے الفاظ میں اپنے ساتھ رنگ رلیاں منانے بصورت دیگر بھیانک انجام سے دوچار ہونے کی دھمکی بھی دے دی ہے۔ اور راج اس کی دھمکی نظر انداز کرنے والی بات نہیں ہے۔ بیگ کے قتل کی انکوائری رپورٹ اس نے فائنل کرنی ہے۔ اس حرامی نے مجھے دھمکانے کے لیے "انڈر آبزرویشن" رکھا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں جب بھی کوئی حادثہ ہو تو یہ روایت ہے کہ کچھ آفیسرز پر ہم خود کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ عین ممکن ہے وہ دشمن کے باقاعدہ آلہ کار نہ ہوں۔ لیکن یہ سمجھا جاتا ہے کہ دشمن انہیں لاعلم رکھ کر استعمال کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ان کی نگرانی سے "را" کو شاید کوئی کلو ایسا مل جائے جو انہیں دشمن کے ٹھکانے تک پہنچا دے۔ میری ایک پرانی دوست ہمارے "آبزرویشن سیل" میں کام کرتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ حلف اٹھا کر اس بات کے پابند ہوتے ہیں کہ کسی "شکار" کو مطلع نہیں کریں گے۔ اور مرتے دم تک یہ راز بھی فاش نہیں ہو گا کہ "را" کے ہاں کوئی ایسا سیل بھی تھا۔ لیکن اس نے بڑا خطرہ مول لے کر مجھے آج ہی بتایا ہے کہ اس مرتبہ جو آفیسرز چیکنگ لسٹ آئی ہے اس میں میرا نام بھی شامل ہے۔ یوں تو یہ ہماری معمول کی پریکٹس بھی ہے کہ بغیر کسی وجہ کے کچھ آفیسرز کی اچانک نگرانی شروع ہو جاتی ہے۔ عین ممکن ہے وہاں سے کچھ ہاتھ آجائے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے یہ میرے لیے "معمول کی چیکنگ" نہیں یہ اس خبیث کی دھمکی کا نتیجہ ہے۔"

"تم یہ بات کس بنا پر کہہ رہی ہو کہ یہ شرما کی دھمکی کا نتیجہ ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے

یہ معمول کی پریکٹس ہو۔"

سلیم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"راج میں چار سال سے اس ڈیپارٹمنٹ میں کام کر رہی ہوں۔ مجھے بہت سی ایسی باتوں کا تم سے بہتر اندازہ ہو جاتا ہے۔ شرما نے مجھے آج ہی نئی "اسائنمنٹ" دی ہے۔ وہ تم نے ہمارے آفس میں دیکھا تھا ناں ایک پاکستانی لیڈر کو جس کا نام شمسی تھا۔"

اچانک ہی سلیم پہلو بدل کر رہ گیا۔

"ہاں ہاں کیا ہوا اسے کیا وہ بھی....."

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ارے نہیں بابا۔ اس کمبخت کو کیا ہونا ہے۔ شرما نے اس کے سکیورٹی سٹاف میں مجھے بھی شامل کر دیا ہے۔ ہم لوگ ایسے "مہمانوں" کو اپنے "سیف ہاؤس" میں رکھتے ہیں جو عموماً سویلین آبادیوں کے درمیان ہی بنائے جاتے ہیں تاکہ کسی کو شک نہ پڑے۔ شمسی کو بھی نئی دہلی کے ایک پلازہ میں رکھا ہوا ہے۔ اس بلڈنگ میں قریباً چالیس فلیٹ ہیں اور کچھ دفاتر بھی۔ یہاں لوگوں کی ٹریفک کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔ اور یہ حرام خور شمسی پرلے درجے کا شرابی اور عیاش ہے اسے ہر روز لڑکی اور شراب چاہیے۔ گو کہ "را" کے لیے ان کی یہی عادت ہماری کامیابی کی ضمانت بن جاتی ہے لیکن یہی عادت پھر ان کی جان بھی لے لیتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ بڑے غیر محتاط ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ تمہاری جان کیوں نکلی جا رہی ہے۔ تم کیوں پریشان ہو بھئی یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔ کیا اس سے پہلے تم نے کبھی ایسی ڈیوٹی نہیں کی۔"

سلیم نے اسے کریدنا چاہا۔

"اوہ راج۔ تم مجھے کیوں زچ کرنے پر تلے ہو۔ میں نے کب کہا کہ میں ڈیوٹی سے گھبراتی ہوں۔ تم حالات کو سمجھو۔ وائیٹ فلاور شہر میں موجود ہے وہ ایک ایک غدار کو چن چن کر قتل کر رہا ہے۔ میں اس فلیٹ کے سامنے ایک بک سٹال پر سیلز گرل کی حیثیت میں کھڑی ہو کر اسے کسی طرح بچاؤں گی۔ اگر یہ کمبخت بھی مارا گیا تو سارا زلہ مجھ پر

پڑے گا۔"

اس نے روہانسی آواز میں کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔"

سلیم نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے اب ساری بات کی سمجھ آ گئی ہو!

"تم بے فکر ہو جاؤ میں کل ہی انہیں فون کر کے کچھ کرواتا ہوں۔ اگر مجھے خود بھی ابو ہر جانا پڑا تو چلا جاؤں گا۔ تم صبح اطمینان سے اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

سلیم کی بات مکمل ہوتے ہی سدرشنا نے بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔

دونوں رات دیر گئے گھر پہنچے تھے!!

سدرشنا جو قدرے مطمئن ہو چکی تھی۔ اپنے بستر پر گرتے ہی گہری نیند کی آغوش میں سما گئی۔

لیکن

سلیم کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نشان دکھائی نہیں پڑتا تھا۔ وہ کچھ اور سوچ رہا تھا اسے اب وہ اہم ٹارگٹ ہٹ کرنا تھا جس کے لیے وہ یہاں جان ہتھیلی پر لیے گھوم رہا تھا۔

اس اطمینان کے بعد کہ سدرشنا گہری نیند سو گئی ہے وہ اپنے کمرے سے ڈرائینگ روم میں آ گیا جہاں ٹی وی کے نزدیک سدرشنا نے معمول کے مطابق گاڑی کی چابی رکھی ہوئی تھی۔ بلی کی طرح پنجوں پر چلتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور تھوڑی دیر بعد وہ گیراج میں کھڑا تھا اس نے اطمینان سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر کی لائیٹ جلا دی۔

گاڑی کا بونٹ اٹھا کر اب اس نے اندازے سے دو تاروں کا رابطہ آپس میں توڑ کر ان کے درمیان بہت مختصر سا رابطہ رہنے دیا تھا۔

اپنے کام سے مطمئن ہو کر اس نے دوبارہ گیراج کا دروازہ بند کیا اور اطمینان سے اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

○○○

رات دوپہر بیت چکی تھی۔

تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھ لگی تھی کہ صبح ہو گئی۔ آج وہ سیر کے لیے بھی نہیں جا سکا تھا۔ جب صبح لالہ دوارکا داس اپنی معمول کی سیر سے واپس لوٹے تو وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

"خیریت تو ہے بیٹا!"

انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"انکل رات بہت دیر سے آئے۔ کھانا ڈٹ کر کھایا تھا ایسی گہری نیند سویا کہ اب اٹھا ہوں۔ شاید نیند میں گھڑی کا الارم ہی غلط لگ گیا اور میں 5 بجے کے بجائے 6 بجے اٹھا ہوں۔ Any Way کل دو دنوں کی کسر نکال لوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ غسل خانے میں جا گھسا۔

حسب معمول جب وہ تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا تو سدرشنا بھی تھوڑی دیر بعد اپنے کمرے سے خوشبوؤں کا طوفان لیے برآمد ہوئی۔

"ہیلو ایوری باڈی۔"

اس نے معمول کے مطابق سب کو "ہیلو" کہا۔

"گڈ مارننگ میم۔"

سلیم کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

"ہرے رام ہرے رام بیٹی تجھے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ صبح صبح کسی بہانے بھگوان کا نام لے لیا کر لیکن تو نے تو اپنی ضد بنا رکھی ہے شاید۔"

مسز دوارکا داس نے میز کے گرد آ کر بیٹھے تینوں کو بھگوان کا پرشاد دیتے ہوئے کہا۔

"اوکے مم۔"

سدرشنا نے مذاق کے موڈ میں کہا۔

سب نے معمول کے مطابق ناشتہ کیا راہول ابھی تک سو رہا تھا اور سدرشنا کو جانے کی جلدی تھی۔ وہ سب کو "بائے بائے" کہتی تیزی سے باہر نکل گئی۔

لیکن

بمشکل تین چار منٹ بعد ہی اس کی واپسی پہلے سے زیادہ تیزی سے ہوئی۔

"اوہ مائی گاڈ بھگوان جانے کھٹارے سے کب میری جان چھوٹے گی۔ آج پھر وہی سٹارٹنگ پرابلم۔"

اس نے کار کی چابی صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی اس میں گھبرانے یا غصہ کرنے کی کیا بات ہوئی۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں گھر کا مستری مکینک موجود ہے اور تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔"

سلیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جہنم میں جائے' سب کچھ۔ دیکھتے رہنا اسے۔ مجھے تو فوراً آفس پہنچنا ہے۔ آج ہی جاب بدلی ہے اور میں! تم مجھے موٹر سائیکل پر ڈراپ کرتے جانا۔ پلیز۔"

اس نے سلیم سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ شکار پور اور موٹر سائیکل پر اوہ مائی گاڈ۔ ناممکن میں ہرگز یس نہیں ہوں بھئی تم ٹیکسی لے کر چلی جاؤ۔"

سلیم نے بظاہر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"مرے کیوں جا رہے ہو مجھے زیادہ دور نہیں جانا۔ آج مجھے نئے آفس جانا ہے۔ نزدیک ہی۔"

سدرشنا نے جلدی سے کہا۔

"آل رائیٹ شانت رہو میڈم چلتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ راہول کے کمرے کی طرف چل دیا اور جب باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ہیلمٹ پکڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا۔"

سدرشنا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میرے خیال سے اس کا نام ہیلمٹ ہے اور جب تم جیسی کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھیں تو اس کا استعمال اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ آئی سمجھا"

اسے دروازے کی پشت سے آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سلیم کی کمر سے چمٹی بالکل مردانہ انداز میں اس کے پیچھے بیٹھی اپنے نئے آفس کی طرف جا رہی تھی۔

چرچ روڈ پر بنی ایک ماڈرن آبادی آشانگر تک وہ اسے لے آئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل ایک بڑے پلازہ کے سامنے کھڑی کر دی تھی اور پلازہ کے بالکل سامنے والے ایک بک سٹال پر پہنچ گئی تھی۔

"پلیز مجھے شام کو یہاں سے لے جانا گاڑی بھی...."

اس نے ملتجی نگاہوں سے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا یار اب تو اترو۔ کہاں آنا ہے شام کو اور کتنے بجے؟"

سلیم نے بظاہر تنگ آجانے والے لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں گھر اور پریس دونوں جگہ فون کر دوں گی۔ ٹھیک ہے ناں"

اس نے مسکراتے ہوئے سلیم کی طرف دیکھا۔

"کبھی کبھی تو تمہاری یہ مسکراہٹ بڑی جان لیوا ہو جاتی ہے"

سلیم نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"اوہ واقعی"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی اور بک سٹال کی طرف چل دی جہاں ایک بوڑھا سا کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

سلیم نے موٹر سائیکل کو سٹارٹ کیا اور آہستگی سے آگے بڑھ گیا۔

[illegible] تھا کہ وہ اس پلازہ میں کہیں رہتا ہے۔

"او کے مم"

سدرشنا نے مذاق

اس سوال کا جواب ابھی اسے تلاش کرنا تھا۔ جب کہ اس پلازہ میں بے شمار دفاتر اور فلیٹس بنے ہوئے تھے۔ جہاں سے کسی کو محض شکل دیکھ کر تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس نے موٹر سائیکل گاندھی پلازہ کے پیچھے بنی پارکنگ میں کھڑی کر دی اور اب ایک موہوم سی امید لیے بک سٹال کے دوسرے کنارے پر ایک چھوٹی سی "بار" سے جوس کا گلاس بنوانے لگا۔

جوس پیتے ہوئے اس کی نظریں مسلسل سامنے جمی ہوئی تھیں۔ جہاں درجنوں لوگ آجا رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے آپ میں اتنا مگن دکھائی دیتا تھا کہ اسے کسی دوسرے کی ہوش ہی نہیں تھی۔

جلد ہی امید کی ایک کرن پھوٹی جب اس نے ایک سرکاری جیپ سدرشنا والے بک سٹال کے سامنے رکتی دیکھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ "را" میں سدرشنا کے ساتھی ہیں یا شاید اس کے ماتحت جو اس سے سکیورٹی ہدایات لینے آئے ہیں۔

یہاں سے وہاں کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن

تھوڑی دیر بعد اس نے جیپ سے نکلنے والے دو نوجوانوں کو گاندھی پلازہ کی طرف جاتے دیکھا۔

سلیم کی چھٹی حس نے نشاندہی کر دی تھی کہ ضرور یہ لوگ سشمی کے فلیٹ کی طرف جائیں گے۔ وہ بک سٹال سے قریباً تیس چالیس گز دور ہٹ کر سڑک عبور کر گیا اور کنکھیوں سے دونوں کی طرف دیکھتا ان کے آگے آگے چلنے لگا۔

لفٹ کے لیے بنی قطار میں اس نے جان بوجھ کر دونوں کو اپنے آگے کھڑے ہونے کا موقعہ دیا۔

یہاں خاصی جدید اور تیز رفتار لفٹ سروس تھی ایک ڈیڑھ منٹ بعد ہی ان کی باری آگئی۔

"فورتھ فلور"

اس کے آگے جانے والے نے لفٹ آپریٹر سے کہا۔

"تھرڈ"

سلیم نے آواز لگائی۔

اس نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

تیسری منزل پر لفٹ سے اتر کر وہ قریباً بھاگتا ہوا اگلی منزل کے لیے سیڑھیاں چڑھ گیا اور جب تک لفٹ میں لوگوں کا چڑھنا اترنا مکمل ہوتا وہ چوتھے فلور پر پہنچ چکا تھا۔

سٹیشنری کی دوکان سے خریدی وہ فائل اس کے ہاتھ میں ہی تھی جو اس نے جوس خریدنے کے فوراً بعد اچانک کوئی خیال آجانے پر ساتھ والی دوکان سے خریدی تھی!!

فائل اس نے اس طرح اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی جیسے بڑے ہی ضروری کام سے عجلت میں ہو۔

چوتھے فلور کے ایک کونے سے کھڑے ہو کر اس نے لفٹ رکنے اور وہاں سے دونوں کو برآمد ہو کر دائیں ہاتھ مڑتے دیکھ لیا تھا۔

سلیم کی بے چین نظروں نے انہیں لفٹ کے بعد دوسرے فلیٹ کی گھنٹی بجاتے دیکھا۔ جس کے ساتھ ہی وہ اوپر آگیا۔ اب اس نے فلیٹ کا دروازہ کھلتے اور وہاں سے شمسی کا منحوس چہرہ برآمد ہوتے دیکھ لیا تھا۔

ایک مرتبہ تو اس کا دل زور سے دھڑکا۔

لیکن

دوسرے ہی لمحے وہ نارمل تھا۔

تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ فلیٹ کے سامنے سے دوسری سیڑھیوں تک پہنچا یا دونوں اندر داخل ہو چکے تھے۔

فلیٹ پر بڑا سا سات نمبر لکھا تھا۔

"لکی سیون"

وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا اور دوسری سیڑھیوں سے نیچے آگیا۔ اب وہ بڑے اطمینان سے اپنے پریس کی طرف جا رہا تھا۔

○○○

دوپہر تک اس نے معمول کے مطابق کام کیا اور لالہ دوار کا داس کے آنے پر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچنے سے پہلے وہ مقامی پی سی او پر چلا آیا تھا۔ جہاں اس نے ایک غیر ملکی نمبر پر فون کر کے لالہ دوار کا داس کے فون نمبر "بگ" (انڈر آبزرویشن) ہونے کی اطلاع کر دی تھی اور اب مسکراتا ہوا اپنی موٹر سائیکل کی طرف واپس جا رہا تھا۔

گاڑی اس نے خود ہی ٹھیک کر لی تھی۔

کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں لیٹ گیا اب اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سات نمبر فلیٹ کے سامنے یا پھر دائیں بائیں والا بھی کوئی فلیٹ "را" ہی کے قبضے میں ہو گا وہ لوگ اس طرح اپنے شکار کو بھرے پُرے شہر میں پاکستانی انٹیلی جنس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

اسے جو کچھ بھی کرنا تھا بڑی چالاکی اور سوچ سمجھ سے کرنا تھا۔ معمولی سی غلطی اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال سکتی تھی۔

صدر شنا نے گھر فون کر کے اسے شام ۶ بجے بک سٹال پر آنے کے لیے کہا تھا اور اب وہ گاڑی چلاتا اطمینان سے اپنی محبوبہ کی طرف جا رہا تھا۔

"کس گدھے سے تم نے انجن کی ٹیوننگ کروائی تھی"

اس نے چھٹتے ہی پوچھا۔

"کیوں۔ اپنے آفس کی ورک شاپ سے"

صدر شنا نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"اوہ تب تو کوئی حیرانگی کی بات نہیں"

سلیم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔ تم کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو"

اس نے سلیم کی طرف دیکھ کر اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"مادام آپ کے مکینک مہاراج نے ایک تار کا جوڑ صحیح نہیں لگایا تھا۔ اگر آپ صبح تھوڑا صبر کر لیتیں تو آرام سے اپنی گاڑی پر ہی تشریف لا سکتی تھیں۔"

سلیم نے اپنا ہاتھ نرمی سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ ڈارلنگ۔ تمہارے ساتھ چمٹ کر موٹر سائیکل سواری کا مزہ بھی تو لینا تھا ناں"

سدرشنا نے موتیوں ایسے دانت چمکاتے ہوئے کہا۔

اگلے روز شام کو "را" کے مانیٹرنگ سیل میں انسپکٹر سدرشنا کے فون کی ریکارڈنگ سنی گئی تو ان لوگوں کو نیروبی سے ایک کال آئی تھی جس میں راج کمار کے باپ نے اپنے روٹھے ہوئے بیٹے کی انتہائی منت سماجت کرتے ہوئے اسے واپس لوٹ آنے کو کہا تھا۔

لیکن

بیٹا کسی بھی صورت اپنے باپ کے پاس جانے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل اپنے باپ کو اپنی ماں کا قاتل قرار دیتا رہا۔ جس کے بعد اس کے باپ نے انتہائی افسردگی کے عالم میں فون بند کیا تھا۔

اس طرح "را" تک یہ پیغام پہنچ چکا تھا کہ راجکمار کوئی بگڑا ہوا رئیس زادہ ہے۔ جو اپنے باپ سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے دیرینہ دوست لالہ دوارکا داس کے پاس آ کر ٹک گیا ہے۔ اور لالہ دوارکا داس کو راج کمار کی شکل میں بہترین گھر داماد مل گیا ہے۔

اس کے علاوہ معمول کی کالیں تھیں۔

تین چار روز وہ لوگ مسلسل "ٹیپنگ" کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ انسپکٹر سدرشنا کے ہاں سے انہیں کچھ ملنے والا نہیں اور اب انہوں نے مایوس ہو کر انسپکٹر سدرشنا کے فون پر سے کیپٹن شرما کی مخالفت کے باوجود آبزرویشن ہٹا لی تھی!!

یہ سوائے پیسے کے ضیاع کے اور کچھ نہیں تھا۔

پانچ چھ روز تک سلیم نے اوقات بدل بدل کر گاندھی پلازہ کا تفصیلی دورہ کیا تھا۔

اسے یہاں بہت سے دفاتر کے نام اور ٹیلی فون نمبر تک یاد ہو گئے تھے۔

اسے علم ہو گیا تھا کہ سات نمبر فلیٹ کے سامنے والے سولہ نمبر فلیٹ میں "را" کے مسلح محافظ کسی بھی غیر یقینی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

شمسی کو وہ لوگ شام ڈھلے ایک خوبصورت عورت اور شراب کے ساتھ گھر چھوڑ جاتے تھے جہاں سے اگلے روز دس گیارہ بجے کے بعد وہ انہی لوگوں کے ساتھ کہیں چلا جاتا تھا۔

○○○

اس روز اچانک ہی انہیں لالہ دوارکا داس کی بہن کا فون آیا تھا۔

کلکتہ میں رہنے والی ان کی بہن جان بلب تھی اور اس کے خاوند نے لالہ جی سے فوراً کلکتہ پہنچ کر اپنی بہن کے آخری درشن کرنے کی درخواست کی تھی۔

لالہ جی اور مسز دوارکا داس نے ہنگامی طور پر جانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

ان دنوں ان کے ہاں پرنٹنگ پریس پر بہت زوروں میں کام چل رہا تھا۔

لیکن

لالہ جی مطمئن تھے کہ راج کمار ان کی غیر حاضری میں ضرور کام سنبھال لے گا!!

اس اطمینان پر وہ راہول کو بھی اس کے بضد ہونے پر اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے۔

انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی اس کے بعد ان کے گھر پر ان کی جوان پتری ہوگی یا پھر راج کمار۔ کیونکہ وہ ان دونوں کے متعلق اپنے دل و دماغ میں پہلے ہی ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ اور اس آزاد ہندو معاشرے میں جب کوئی لڑکی کسی لڑکے سے باقاعدہ منسوب کر دی جائے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان کے جسمانی تعلقات سات پھیرے لینے کے بعد ہی قائم ہوتے ہیں یا اس سے پہلے!!

دہلی کی وہ رات سالوں بعد واپس لوٹی تھی۔

اس سے پہلے یہاں کے مکینوں نے اس قیامت کی بارش کا نظارہ نہیں کیا تھا
سے شروع ہونے والی بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور محکمہ موسمیات کی
کے مطابق اگلے تین روز تک بارش کا یہ تسلسل قائم رہنا تھا۔

لالہ جی کو وہ بارش کے دوران ہی ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ کر آئے تھے
سائیکل پریس پر ہی کھڑی تھی کیونکہ شدید بارش میں اس کی سواری دہلی جیسے
خطرے سے خالی نہیں تھی۔

آج دوسرا روز تھا اور بارش کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی۔

"میں رات کو تھوڑی دیر سے گھر پہنچوں گا ہمیں کل بہر صورت آرڈر پورا
اور بجلی کی لائن مسلسل ڈسٹرب ہونے سے کام کی رفتار بہت کم ہے۔ تم بھلے کھانا کھا
جانا۔ میں دروازہ اپنی چابی سے کھول لوں گا۔"

اس نے صبح ہونے پر سدرشنا سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی لیکن جلدی آجاتے تو اچھا تھا۔ میں بھی گھ
اکیلی بور ہو جاؤں گی۔"

سدرشنا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

آج کل وہ بڑی خوش تھی کیونکہ کیپٹن اشونی کمار کے ساتھ انہوں نے ایک پی
سے بات کی تھی جس نے بتایا تھا کہ اگلے دس بارہ روز میں کرنل بخش "شکار پور" کا چا
سنبھال لیں گے۔ وہ خود تو اب میجری کے کورس پر ڈیرہ دون چلا گیا تھا۔

لیکن

اس نے یقین دہانی کروادی تھی کہ کرنل بخش اس کا کہا واپس نہیں موڑیں گے
اس پر ہمیشہ سے بہت مہربان رہے تھے۔

"تمہیں علم ہے سدرشنا کہ ہم نے کتنی محنت سے اپنا مقام بنایا ہے۔"

"بس بس اچھا بابا غلطی ہو گئی مہاراج راج کمار مجھے علم نہیں تھا کہ آپ اتنے
بزنس مین بن چکے ہیں۔"

اس نے راج کمار کی بات کاٹ کر بظاہر روٹھنے کے انداز میں کہا۔

لیکن

دوسرے ہی لمحے اس کے گالوں کی لویں سرخ ہو گئیں اور خوشیوں کے سرخ ڈورے
اس کے گالوں پر ٹمٹمانے لگے۔ کیونکہ اس کی توقعات کے عین مطابق اس کے "راجکمار"
نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے منالیا تھا۔

سلیم کو وہ پریس سے کچھ فاصلے پر اتار کر چلی گئی۔ اس کی ڈیوٹی دوبارہ اپنے شکار پور
مشن میں لگ گئی تھی۔ اس کی جگہ کسی اور نے سنبھال لی تھی۔

سلیم نے پریس پر پہنچتے ہی شام کو بارش کی دعائیں مانگنی شروع کر دی تھیں۔ اس کی
توقعات کے عین مطابق ٹیلی فون خراب تھا اور اس کے اب کچھ دنوں تک ٹھیک ہونے کی
امید بھی نہیں تھی۔

شام ڈھلنے پر اس نے اپنے فورمین کو کسی پارٹی کے ہاں جانے کا بہانہ گھڑ دیا اور کہا کہ
اگر بارش تیز ہوئی تو وہ وہیں رک جائے گا۔ اس نے فورمین سے ساری رات کام کرتے
رہنے کے لیے کہا تھا کیونکہ اگلے روز اتوار کی چھٹی تھی۔

شام قریباً سات بجے جب دہلی کے آسمان پر سیاہ بادلوں نے یلغار کی ہوئی تھی وہ اپنی
موٹر سائیکل پر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ لمبا رین کوٹ اس نے پہن کر اپنے سارے
جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا۔

سردی سے لوگوں کے دانت بج رہے تھے۔

لیکن

وہ موسم کے عذاب سے بے نیاز آنے والے لمحات کے نشے میں مگن اپنی دھن میں
اپنی منزل کی طرف اڑتا چلا جا رہا تھا۔

اس کے موٹر سائیکل سٹینڈ کے پیچھے ایک بریف کیس معمول کے مطابق بندھا ہوا
تھا۔ عموماً اس بریف کیس میں کاغذات ہی ہوتے تھے۔

لیکن

اس سے پہلے یہاں کے مکینوں نے اس قیامت کی بارش کا نظارہ نہیں کیا تھا
سے شروع ہونے والی بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور محکمہ موسمیات کی
کے مطابق اگلے تین روز تک بارش کا یہ تسلسل قائم رہنا تھا۔

لالہ جی کو وہ بارش کے دوران ہی ریلوے اسٹیشن تک چھوڑ کر آئے تھے
سائیکل پریس پر ہی کھڑی تھی کیونکہ شدید بارش میں اس کی سواری دہلی جیسے
خطرے سے خالی نہیں تھی۔

آج دوسرا روز تھا اور بارش کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی۔

"میں رات کو تھوڑی دیر سے گھر پہنچوں گا ہمیں کل بہر صورت آرڈر پورا
اور بجلی کی لائن مسلسل ڈسٹرب ہونے سے کام کی رفتار بہت کم ہے۔ تم بھلے کھانا کھا
جانا۔ میں دروازہ اپنی چابی سے کھول لوں گا۔"

اس نے صبح ہونے پر سدرشنا سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی لیکن جلدی آجاتے تو اچھا تھا۔ میں بھی گھ
اکیلی بور ہو جاؤں گی۔"

سدرشنا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

آج کل وہ بڑی خوش تھی کیونکہ کیپٹن اشونی کمار کے ساتھ انہوں نے ایک پی
سے بات کی تھی جس نے بتایا تھا کہ اگلے دس بارہ روز میں کرنل بخش "شکار پور" کا چا
سنبھال لیں گے۔ وہ خود تو اب میجری کے کورس پر ڈیرہ دون چلا گیا تھا۔

لیکن

اس نے یقین دہانی کروادی تھی کہ کرنل بخش اس کا کہا واپس نہیں موڑیں گے
اس پر ہمیشہ سے بہت مہربان رہے تھے۔

"تمہیں علم ہے سدرشنا کہ ہم نے کتنی محنت سے اپنا مقام بنایا ہے۔"

"بس بس اچھا بابا غلطی ہو گئی مہاراج راج کمار مجھے علم نہیں تھا کہ آپ اتنے
بزنس مین بن چکے ہیں۔"

اس نے راج کمار کی بات کاٹ کر بظاہر روٹھنے کے انداز میں کہا۔

لیکن

دوسرے ہی لمحے اس کے گالوں کی لویں سرخ ہو گئیں اور خوشیوں کے سرخ ڈورے
اس کے گالوں پر ٹمٹمانے لگے۔ کیونکہ اس کی توقعات کے عین مطابق اس کے "راجکمار"
نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے منالیا تھا۔

سلیم کو وہ پریس سے کچھ فاصلے پر اتار کر چلی گئی۔ اس کی ڈیوٹی دوبارہ اپنے شکار پور
مشن میں لگ گئی تھی۔ اس کی جگہ کسی اور نے سنبھال لی تھی۔

سلیم نے پریس پر پہنچتے ہی شام کو بارش کی دعائیں مانگنی شروع کر دی تھیں۔ اس کی
توقعات کے عین مطابق ٹیلی فون خراب تھا اور اس کے اب کچھ دنوں تک ٹھیک ہونے کی
امید بھی نہیں تھی۔

شام ڈھلنے پر اس نے اپنے فورمین کو کسی پارٹی کے ہاں جانے کا بہانہ گھڑ دیا اور کہا کہ
اگر بارش تیز ہوئی تو وہ وہیں رک جائے گا۔ اس نے فورمین سے ساری رات کام کرتے
رہنے کے لیے کہا تھا کیونکہ اگلے روز اتوار کی چھٹی تھی۔

شام قریباً سات بجے جب دہلی کے آسمان پر سیاہ بادلوں نے یلغار کی ہوئی تھی وہ اپنی
موٹر سائیکل پر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔ لمبا رین کوٹ اس نے پہن کر اپنے سارے
جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیا تھا۔

سردی سے لوگوں کے دانت بج رہے تھے۔

لیکن

وہ موسم کے عذاب سے بے نیاز آنے والے لمحات کے نشے میں مگن اپنی دھن میں
اپنی منزل کی طرف اڑتا چلا جا رہا تھا۔

اس کے موٹر سائیکل سٹینڈ کے پیچھے ایک بریف کیس معمول کے مطابق بندھا ہوا
تھا۔ عموماً اس بریف کیس میں کاغذات ہی ہوتے تھے۔

لیکن

اس نے پستول کا رخ فاحشہ کی طرف سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

"مم مجھے کیا ضرورت ہے میں تو....."

عورت نے بھی ہمت کر کے کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ اب کوئی آواز نہ نکالنا ۔ مجھے تمہارے تعارف کی ضرورت نہیں اور ہاں شمسی تم نے پوچھا تھا کہ میں کون ہوں۔ میں جلاد ہوں۔ تمہیں اس بات کا علم تو ہو گا کہ جس ملک کے تم شہری ہو جہاں کا رزق کھا کر تم نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا شروع کیا۔ جہاں کے عوام نے تمہاری حرامکاریوں کے باوجود تمہیں عزت دی اور اپنا لیڈر بنایا اور جہاں کے سینکڑوں بے گناہ شہریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے کے بعد تم اپنا منہ کالا کرنے کے لیے اپنے مالکوں کے کتے بن کر یہاں زندگی بسر کر رہے ہو۔ اس ملک کی سب سے معزز عدالت نے تمہارے لیے سزائے موت کا حکم جاری کیا ہے۔ تمہارا کیس کھلی عدالت میں چلایا گیا۔ انصاف کے تمام تقاضے پورے ہوئے چونکہ تمہیں اپنی درندگیوں کا احساس تھا اس لئے تم فرار ہو کر اپنے ان باپوں کی پناہ میں چلے آئے۔ تمہارے پاس اپیل کرنے کے لیے جو وقت تھا وہ تو ختم ہو چکا جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم سزائے موت کے ہر طرح مستحق ہو گئے ہو۔ شمسی! تمہارے پاس اب کوئی حجت باقی نہیں رہ گئی۔ اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں آخری وصیت لکھوانے کی مہلت بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

جوں جوں وہ بولتا جا رہا تھا شمسی کا خوف سے رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا۔

"مم مجھے معاف کر دو۔ مجھے تو یہاں آ کر علم ہوا کہ میں دھوکے میں مارا گیا۔ ان لوگوں نے مجھے زبردستی یہاں رکھا ہوا تھا۔ یہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے لے جاؤ۔ مجھے ایک مرتبہ اپنے لوگوں سے معافی مانگ لینے دو پھر مجھے بے شک گولی مار دینا"

اپنی دانست میں شمسی نے بڑی چالاکی دکھائی تھی اور اس کے قدموں کو پکڑ کر معافی مانگنا چاہا تھا۔

لیکن

ابھی اس کا دھڑ بمشکل آدھا ہی جھکا تھا جب اس کے منہ پر سلیم نے اتنی زوردار ٹھوکر ماری کہ وہ الٹ کر دور جا گرا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔

"اپنے مالکوں کو بتا دینا یہ مرنے سے پہلے پاگل ہو گیا تھا۔ اور یہ بھی کہ ہم اپنے غداروں اور مجرموں کا زمین کے آخری کونے تک تعاقب کرتے ہیں۔ انہیں پاتال سے نکال کر مار ڈالتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے خوفزدہ فاحشہ کے منہ پر بجلی کی سی پھرتی سے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر مضبوطی سے جمائے رکھا۔ جب کہ دوسرے ہاتھ میں پکڑے اس کے پستول کا رخ شمسی کی طرف رہا۔

کلوروفام میں بھیگے رومال نے جلد ہی فاحشہ کو بے ہوش کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی سلیم نے دوبارہ سلیپنگ روم کا دروازہ کھولا اور پاؤں کی ٹھوکر سے وہاں رکھا اپنا بریف کیس اندر کر کے دروازہ پھر بند کر دیا۔

اپنے ایک ہاتھ میں پستول پکڑے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے بریف کیس کھول دیا۔

"اپنا منہ دیوار کی طرف کرو اور ہاتھ پیچھے رکھو"

اس نے شمسی کو حکم دیا۔ جس نے دوبارہ سلیم کی طرف کسی ارادے سے بڑھنا چاہا۔

لیکن

دوبارہ زوردار لات کھا کر کھسیاتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اس مرتبہ سلیم کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مضبوط رسی تھی۔ اس نے پلک جھپکتے اس رسی سے شمسی کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے مضبوطی سے باندھ دیے۔ پھر اسے جھٹکے سے زمین پر گرا کر اس کے پاؤں بھی باندھ دیے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ایک مضبوط نائلن کی رسی اپنے بریف کیس سے نکالی اور اپنا پستول ایک کونے میں رکھ دیا۔

"کک کک کیا کر رہے ہو تم؟"

شمسی جس کے چہرے پر موت کی زردی پھیلنے لگی تھی نے خوف سے کپکپاتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہیں پھانسی دینے کا بندوبست کر رہا ہوں۔ تمہارے لیے پھانسی کی موت ہی تجویز ہوئی ہے۔ عدالت کی مرضی تھی وہ چاہتے تو تمہیں گولی مارنے کا حکم دے دیتے میں گولی مار دیتا۔ میں نے کہا ناں کہ میں تو جلاد ہوں اور قانون کے مطابق ہی تمہیں موت کی سزا دوں گا۔"

سلیم کی آواز سے جھلکتے قہر نے شمسی کی آدھی جان ابھی سے نکال دی تھی جب اس نے سلیم کو بیڈ پر کھڑے ہو کر رسی کا ایک سرا چھت سے لٹکتے پنکھے سے باندھتے دیکھا تو خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی اور اس نے بچوں کی طرح چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

باہر بادل کے زور سے گرجنے کی آواز میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید آوازیں نکالتا سلیم نے اپنے بریف کیس سے سکاچ ٹیپ کا رول نکالا اور زمین پر لوٹتے شمسی کے منہ پر ٹیپ کو رول کرتا چلا گیا۔ اب اس کے منہ سے آواز نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

رسی کھینچ کر اس نے مضبوطی سے اس کا جائزہ لیا اور دوسرے ہی لمحے طویل رسی کا دوسرا سرا غدار شمسی کے گلے میں ڈال کر اس کو گرہ لگا دی۔

سلیم کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اس غدار نے دشمن کی گود میں بیٹھ کر اس کے وطن کے سینکڑوں بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی۔ اور اب بھی وہ اپنے کالے کرتوت سے ہزاروں نوجوانوں کو گمراہ کر رہا تھا۔

اس کا پھیلایا زہر اس بری طرح بھولے بھالے اور معصوم عوام کے اذہان میں سرایت کر گیا تھا کہ اب انہیں ہر وہ شخص اپنا دشمن دکھائی دینے لگا تھا جو شمسی کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

زمین پر لوٹنیاں لگاتے شمسی کے گلے میں پھانسی کا پھندہ فٹ کرنے کے بعد اس نے کھینچ کر پھندہ کسا تو غدار کی آنکھیں باہر کو ابلنے لگیں۔ سلیم نے اس پر مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے بیڈ روم کی کھڑکی کھول دی۔

باہر وحشیانہ انداز سے چیختی چنگھاڑتی برفیلی ہوا تیزی سے اندر گھس آئی۔

لیکن

وہ ان تمام احساسات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

شمسی کے نیم مردہ جسم کو اس نے بنڈل کی طرح اپنے کندھے پر اٹھایا اور کھڑکی سے لڑھکا دیا۔

اس کی گردن ٹوٹنے کی آواز سلیم کے حساس کانوں نے کھڑکی میں جھکتے ہوئے سن لی تھی۔

بریف کیس بند کر کے اطمینان سے اس نے چہرے سے ماسک اتار کر اس میں رکھا۔

ہاتھوں پر پہنے دستانے اتارے اور دوبارہ باہر آ گیا۔ سیڑھیوں کے ایک کونے میں موجود سوئچ بورڈ سے اس نے پل بھر میں فیوز کھینچ کر نکال دیا۔ سارا فلور پلک جھپکتے اندھیرے میں ڈوب گیا۔

لیکن

وہ سیڑھیوں پر بڑے اعتماد سے قدم رکھتا نیچے گراؤنڈ فلور تک آ گیا۔ شدید سردی اور بارش کے سبب ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ اب وہ اپنے تعاقب میں بلند ہوتی آوازوں سے بے نیاز لمبے لمبے ڈگ بھرتا موٹر سائیکل سٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔

اسے مار ڈالو!

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور پھر بجتی ہی چلی گئی!!

"سالی کو اس قہر کی سردی میں بھی چین نہیں آتا"

کیشب نے ہیٹر پر سے ہاتھ اٹھا کر ٹیلی فون کی طرف بڑھائے۔

"ہیلو"

اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

لیکن

دوسری طرف سے آنے والی آواز نے اسے تھوڑی دیر کے بعد ہی چوکس کر دیا۔

اب وہ تمام سردی گرمی بھول کر ایک پروفیشنل اخبار نویس کی حیثیت سے بات کر رہا تھا۔

"یار مروانہ دینا۔ کس قیامت کی سردی چل رہی ہے تمہیں علم تو ہے ناں"

اس نے آخر میں کہنا چاہا۔

لیکن

فون بند ہو چکا تھا۔

کیشب نے بڑی آہستگی سے فون کریڈل پر رکھ دیا۔

اس کی صحافتی زندگی کا بہترین سکوپ ہاتھ لگا تھا۔ اب یہ اس پر منحصر تھا کہ کیشب اسے کس طرح کیش کرواتا ہے۔ یونائٹڈ پریس آف انڈیا (یو پی آئی) میں وہ گذشتہ پندرہ سال سے فوٹو گرافر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور اس کی خصوصی تصاویر کو اکثر انعامات سے نوازا جاتا تھا۔

لیکن

گذشتہ دو سال سے وہ بالکل جمود کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی ڈھنگ کا موضوع ہی ہاتھ نہیں آتا تھا۔ اب جو اچانک یہ فون آیا تو اسے اپنے رگ و پے میں سنسنی دوڑنے کا احساس ہوا۔

فون کرنے والے نے اپنا نام پتہ کچھ نہیں بتایا تھا۔ صرف اسے یہ اطلاع دی تھی کہ مشہور پاکستانی مفرور لیڈر شمسی جس نے "را" کے پاس بھارت میں پناہ لے رکھی تھی۔ اسی شمسی نے بھارتی حکومت کے مایوس کن رویے سے تنگ آکر خودکشی کر لی ہے اور اس کی لاش گاندھی پلازہ کے باہر کھڑکی سے لٹک رہی ہے!!

خبر اور تصویر دونوں بڑی دھماکہ خیز تھیں۔ بارش تھم گئی تھی لیکن سردی کا زور نہیں ٹوٹا تھا۔ کیشب نے چند لمحے سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے کچھ سوچا پھر اپنا کیمرہ سنبھالتا باہر نکل آیا۔ اس کے دو تین ساتھیوں نے آواز دے کر پوچھنا چاہا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

لیکن

کیشب نے یہ ایکسکلوسو (Exclocive) تصویر حاصل کرنے سے پہلے کچھ بتانا مناسب نہ جانا۔ اسے قسمت نے دو سال بعد اپنی اہمیت مالکان کے سامنے جتانے کا موقعہ دیا تھا۔ پارکنگ میں کھڑی اپنی کھٹارہ کار کو اس نے پہلے ہی سلف سے اسٹارٹ کر لیا تھا۔ یہ بڑا نیک شگون تھا۔

کیشب کو امید ہو چلی تھی کہ ضرور وہ کوئی کارنامہ انجام دے گا۔

گاندھی پلازہ یہاں سے بمشکل ایک ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس نے گاڑی

سڑک کے ایک کنارے پر پارک کی اور گھوم کر دوسری طرف آگیا۔ شدید سردی میں بھی یہاں پندرہ بیس لوگ جمع تھے۔ جو اوپر کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

بجلی کے بلبوں کی مدھم سی روشنی میں ایک لاش باہر لٹک رہی تھی۔ کیشب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ فی الوقت وہاں کسی اور اخبار یا ایجنسی کا فوٹو گرافر نہیں پہنچا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی فلش لائیٹ کیمرے میں فٹ کی۔

اچانک ہی پولیس کی جیپوں کے ہوٹر بجنے لگے۔ شاید کسی نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ کیشب اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نیم اندھیرے میں بھی اپنی مہارت بروئے کار لاتے ہوئے لینز فٹ کئے اور کھٹاک کھٹاک سے لاش کے مختلف پوز بناتا چلا گیا۔

پولیس کی جیپ وہاں پہنچنے تک اس نے پورا رول ایکسپوز کر لیا تھا!

پولیس والے اسے پہچانتے تھے مگر شاید انہیں ابھی تک اس بات کا علم نہیں ہوا تھا کہ یہ لاش ہے کس کی؟ انہیں تو کسی نے فون پر ایک کھڑکی سے لٹکتی لاش کی اطلاع دی تھی جس پر وہ بھاگے چلے آئے تھے۔

اچانک ہی اس کی نظر گپتا پر پڑی جو اپنی موٹر سائیکل کھڑی کر کے بھاگتا ہوا اسی کی طرف آرہا تھا۔ گپتا ہندوستان ٹائمز کا رپورٹر تھا۔

"کیا مسئلہ ہے کیشب راؤ؟"

اس نے بڑی پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے دریافت کیا

"کچھ نہیں۔ آفس فون آیا کسی نے لاش کی اطلاع دی میں نے سوچا تصویر بنالوں اور کیا؟"

کیشب نے بظاہر لاپرواہی سے جواب دیا۔ اور اپنی گاڑی کی طرف واپس چل دیا۔ اسے علم تھا کہ جب پولیس کو اس لاش کی شناخت ہوگی تو وہ اس کی جان کو آجائے گی۔ اور "را" والے اس سے ہر قیمت پر فلم حاصل کر لیں گے۔ اس سے پہلے اسے اس فلم کی قیمت وصول کرنی تھی۔

یہی سوچ کر اس نے اپنے دفتر جانے کی بجائے نزدیکی پی سی او کا رخ کیا اور جلد ہی اس کا رابطہ اپنے دوست ایک غیر ملکی اخبار کے نمائندے سے ہو گیا جس نے کیشب کی کہانی سنتے ہی اسے بہت بڑی آفر لگا دی۔

"میں ابھی آیا۔"

یہ کہہ کر کیشب قریباً بھاگتا ہوا اپنی کار تک گیا اور اگلے پندرہ منٹ بعد وہ اپنے ہم پیشہ کو فلم دے کر اس سے اپنی توقعات سے زیادہ قیمت وصول کر چکا تھا۔ فتح کے نشے میں جھومتا وہ دوبارہ موقعہ واردات تک پہنچا تو وہاں اس کے ہم پیشہ اور بہت سے لوگ جمع تھے۔

لیکن

کسی کو تصاویر اتارنے کی اجازت نہیں ملی تھی اور اب لاش بھی وہاں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شاید ان لوگوں نے لاش اتار لی تھی۔

کیشب نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف چل دیا۔ اس نے تین چار سنیپ آگے کر لیے تھے اور اب کچھ بھی بہانہ کر سکتا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس موسم میں تصویریں صحیح بنیں۔

گاڑی کھڑی کر کے وہ ابھی اپنے کمرے تک پہنچا ہی تھا جب تین چار چپراسی اکٹھے وہاں پہنچ گئے۔

"سر آپ کہاں تھے۔ شوری صاحب بہت پریشان ہیں بار بار آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

تینوں نے باری باری اسی قسم کے جملے ادا کئے تھے۔

"چلو یار کیا قیامت آگئی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ایڈیٹر انچیف کے کمرے کی طرف چل دیا۔

"آیئے سر اصاحب دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔"

ایڈیٹر کے کمرے کے باہر موجود چپراسی نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

کیشب کمرے میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے چونکے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ وہاں دو

پُراسرار شخصیتیں بھی موجود تھیں۔

ان لوگوں کو پہچاننے میں کیشب نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ کیونکہ ساری زندگی اس کا واسطہ اسی قسم کے لوگوں سے رہا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے یار۔۔۔۔"

شوری نے بے تکلفی سے کہا۔

اس درمیان ان دونوں نے بھی کیشب سے باری باری مہتہ اور ٹھاکر کہتے ہوئے ہاتھ ملایا تھا۔ کیشب جانتا تھا یہ لوگ ہمیشہ تعارف کے دوران اپنے نام کا آخری حصہ ہی بتایا کرتے ہیں۔

"سر! کسی نے فون پر گاندھی پلازہ میں خودکشی کی اطلاع دی تھی۔ وہیں گیا تھا' سردی نے قلفی جمادی۔ میں نے سوچا ابھی کیا جلدی ہے کوئی خاص ایونٹ تو تھا نہیں اس لیے چائے پینے بیٹھ گیا۔"

اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"مسٹر کیشب کیا آپ خودکشی کرنے والے کو نہیں جانتے؟"

ان میں سے ایک جس نے اپنا نام ٹھاکر بتایا تھا۔ اس سے مخاطب ہوا۔

"معاف کیجئے میں اس لہجے میں کسی سوال کا جواب دینے کا عادی نہیں۔"

کیشب کو اس کے تفتیشی انداز کے سوال پر غصہ آگیا تھا۔

"پلیز! آپ ایک اخبار نویس سے بات کر رہے ہیں۔ خیال رکھیے۔"

شوری نے معاملے کو سنبھالنا چاہا وہ اپنے فوٹوگرافر کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"معاف کیجئے آپ تو بُرا مان گئے۔ دراصل یہ بڑا اہم معاملہ ہے۔ بڑا سکیورٹی رسک ہے۔ پلیز آپ اس سوال کا جواب دے کر ہماری مدد کریں گے۔"

اس کے دوسرے ساتھی نے جو عمر میں کچھ بڑا بھی تھا معاملہ سنبھالنا چاہا۔

"جی نہیں"

کیشب نے مختصر سا جواب دیا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو وہ فلم ہمیں دے دیں۔"

اس نے دوبارہ کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا آپ کیا بات کر رہے ہیں؟"

کیشب نے غصے سے کہا۔

"مسٹر کیشب پلیز آپ ان کی بات مان لیں۔ ڈائریکٹر صاحب نے مجھے خصوصی طور پر ہدایت کی ہے۔"

شوری نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے!"

کیشب نے طنزیہ لہجے میں کہا اور باہر نکل گیا۔

اس نے بڑی ہوشیاری سے اگلا منصوبہ بنایا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنے کیمرے سمیت وہاں موجود تھا۔

"مسٹر شوری! آپ جانتے ہیں کہ میں نوکری کس لئے کرتا ہوں۔ پیسہ کمانے کے لیے نہیں میں نے اس بزنس میں بڑا نام کمایا ہے۔ میں مرنے سے پہلے خود پر کسی ایجنسی کا ٹاؤٹ ہونے کا دھبا ہرگز نہیں لگواؤں گا۔ آپ کو فلم چاہیے یہ لیجئے"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے کیمرہ کھولا اس میں سے فلم نکالی اور ساری فلم کھول کر شوری اور دونوں "را" کے آفیسرز کے سامنے رکھ دی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ بات کی پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تھینک یو مسٹر کیشب ہم آپ کو تکلیف دینے کی معافی چاہتے ہیں۔"

ان میں سے ایک نے وہ فلم اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لی اور رات کی تاریکی ہی میں باہر نکل گئے۔

کیشب نے بڑی کامیابی سے ایک تیر سے دو شکار کھیلے تھے۔ اب اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کے پاس وہ فلم محفوظ ہے۔ یا اس نے کسی کو آگے منتقل کر دی

ہے۔

○○○

مقامی تھانیدار کے ساتھ فلیٹ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے والوں میں پریس رپورٹر گپتا بھی شامل تھا۔ فلیٹ کی حالت ابتر تھی۔ ٹیلی فون کے تار کٹے تھے اور وہاں ایک نیم بے ہوش عورت بھی موجود تھی۔ جسے تھانیدار نے پانی کے چھینٹے مار کر اور پھر وہاں موجود برانڈی کے دو تین گھونٹ پلا کر اس کے اوسان بحال کئے۔

"اسے پاکستانیوں نے مارا ہے۔ وہ اسے قتل کرنے آیا تھا' اس کے منہ پر ماسک تھا۔ اسے سزائے موت دینے آیا تھا"

وہ بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔

"اوہ۔ میڈم یہ کون ہے؟"

تھانیدار نے تنگ آکر اسے قریباً جھنجھوڑتے ہوئے اس کا منہ لاش کی طرف موڑ دیا جسے انہوں نے اوپر سے کھینچ لیا تھا۔

شمسی کی گردن مسلسل لٹکنے سے خاصی لمبی ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر لعنت برسنے لگی تھی اور آنکھیں اس طرح دہشت سے پھٹی پڑی تھیں کہ اس کی طرف دیکھ کر خوف محسوس ہوتا تھا۔

فاحشہ نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور خوفناک چیخ کے ساتھ منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"بتاتی کیوں نہیں کون ہے یہ تیرا کھسم"

تھانیدار نے اس مرتبہ اس کی چٹیا پکڑ کر جھٹکا دے کر اسے غصے سے سامنے پلنگ پر پھینک دیا تھا۔

"شمسی"

اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

"شمسی"

گپتا نے حیرانگی سے دہرایا۔

تھانیدار اور گپتا دونوں نے ایک دوسرے کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

اچانک جیسے وہاں قیامت آگئی۔

سامنے والے ۱۲ نمبر فلیٹ والوں کو شاید اب ہوش آئی تھی۔ وہ دندناتے ہوئے اندر گھس آئے۔ تعداد میں چار آدمی تھے اور چاروں کے پاس آٹومیٹک گنیں تھیں۔

"باہر نکلو بلیک کیٹس"

انہوں نے تھانیدار اور اس کے ساتھیوں کو دھمکی دی۔

باہر نکلنے والوں میں گپتا سب سے آگے تھا۔ کیونکہ اسے ساری بات کی اچھی طرح سمجھ آگئی تھی۔ وہ شمسی کو اچھی طرح جانتا تھا اور مزید تعارف فون کرنے والے نے کروا دیا تھا۔

گپتا برق رفتاری سے موٹر سائیکل چلاتا اپنے آفس پہنچا تھا اس نے اپنے نمبر بنانے کے چکر میں ایڈیٹر کو اس اہم واقعہ سے مطلع کرنے کے بجائے "بائی لائن" ساری سٹوری لکھ دی۔

رات کی شفٹ کا انچارج چھٹی پر تھا۔ اور اس کی جگہ ڈیوٹی دینے والے اس کے نمبر دو شفٹ ایڈیٹر کی ہمت نہیں تھی کہ وہ گپتا جیسے سینئر رپورٹر کی سٹوری کے بارے میں کوئی سوال کرتا یا اپنے چیف ایڈیٹر کو گھر فون کر کے یہ کہانی سناتا۔

گپتا کے کہنے پر اس نے اس خبر کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اسے صفحہ اول پر بہت نمایاں کر کے شائع کیا تھا۔ یہ سعادت صرف گپتا کے اخبار کو ہی نصیب ہوئی تھی کہ اس نے یہ خبر شائع کی۔ ورنہ تو "را" کی طرف سے کنٹرول سنبھالنے کے بعد سے کسی کو گاندھی پلازہ کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت بھی نہیں مل سکی تھی۔

اگلے روز کے ہندوستان ٹائمز کی سرخی بڑی نمایاں تھی۔

"مفرور پاکستانی سیاستدان شمسی کی پاکستان انٹیلی جنس کے ہاتھوں موت"

گپتا نے یہاں بھی سب کچھ پاکستان انٹیلی جنس کے کھاتے میں ڈال دیا تھا۔ اپنی دانست میں اس نے بڑی اہم ملکی خدمت انجام دی تھی۔ اور بھارت ماتا کو بدنامی سے بچا لیا تھا۔

لیکن

صبح اس کی آنکھ کھلی تو گھر کے دروازے پر کچھ جیپ سوار اس کے منتظر تھے جنہوں نے گپتا کے چیخنے چلانے کی کوئی پرواہ کیے بغیر اسے اپنی گاڑی میں پھینکا اور اغوا کر کے لے گئے۔

ان لوگوں نے گپتا کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اسے کچھ فاصلے پر اپنے ایک سیف ہاؤس میں لے گئے۔ جہاں گپتا سے پہلے نرمی اور پھر سختی سے انہوں نے ایک ہی سوال پوچھا تھا کہ اسے کیسے علم ہوا کہ شمسی کو پاکستان انٹیلی جنس نے مارا ہے۔

گپتا اس سوال کا ایک ہی جواب دے رہا تھا کہ وہاں موجود عورت نے کہا تھا جس کی بنیاد پر اس نے ساری سٹوری لکھی۔

اس نے "سلیم" کی طرف سے ملنے والے ٹیلی فون کا ذکر ہی گول کر دیا جس میں اسے بھی کیشب والی کہانی دہرا کر یہاں بھیجا گیا تھا اور یہی بتایا کہ کسی مسٹر رادھے شیام نے اسے فون کر کے یہاں لاش کی موجودگی سے مطلع کیا تھا۔ اپنے اخبار کا چیف رپورٹر ہونے کے ناتے اس نے خود ہی اس اہم واقعہ کی "کوریج" کی۔

اس سے زیادہ وہ انہیں کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

یہ لوگ تعداد میں چار تھے۔

انہوں نے قریباً آدھا گھنٹہ کی مغزماری کے بعد گپتا پر اچانک دھاوا بول دیا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔

نیم بے ہوش ہندوستان ٹائمز کے چیف رپورٹر گپتا کو گشتی پولیس والوں نے اگلے روز کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر کے نزدیک سے برآمد کیا۔ اس کے منہ سے شراب کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔

یہ شراب اسے یہاں پھینکنے سے پہلے گپتا کے منہ میں انڈھیلی گئی تھی اور کپڑوں پر اس کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔

پولیس نے بھی رپورٹ دی تھی کہ گپتا شراب کے نشے میں دھت تھا۔ شاید نشے کی حالت میں اس کا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا جنہوں نے اس کی پٹائی کر کے یہاں پھینک دیا۔

گپتا کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس "کہانی" کو سچ تسلیم کر لے۔ وہ جانتا تھا کہ "را" سے ٹکرانے کا مطلب اس ملک میں سوائے ایک اذیت ناک موت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

OOO

دونوں ٹیلی فون سلیم نے سینما کے ایک کونے میں بنے "پی سی او" سے کیے تھے اور اب اطمینان سے اپنی موٹر سائیکل چلاتا پریس پر واپس پہنچ گیا۔

رات کے قریباً دس بج رہے تھے جب اس نے اپنے فورمین کو بتایا کہ وہ شدید بارش میں اس بری طرح پھنسا کہ کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

رات قریباً 12 بجے وہ گھر جا رہا تھا بارش تھم چکی تھی لیکن برفیلی ہوا کے تھپیڑے اس کے وجود کو کاٹتے چلے جا رہے تھے۔

وہ فتح کے نشے سے سرشار اڑتا چلا جا رہا تھا۔ اگلے دو تین روز میں اس نے واپس لوٹ جانا تھا۔

گھر سے کچھ فاصلے پر اچانک ہی بادل زور سے گرجا اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

بارش میں بھیگتا ہوا سرد ہوا کے تھپیڑے کھاتا سلیم کسی نہ کسی طرح گھر پہنچ ہی گیا۔ موٹر سائیکل اس نے گیراج میں کھڑی کی جہاں سدرشنا کی گاڑی موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ گھر پر ہی ہے۔

دور دور تک سوائے موسلا دھار بارش کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لوگ سہم کر اپنے گھروں میں سمٹ گئے تھے۔

سلیم نے معمول کے مطابق دروازے میں چابی گھمائی تو اسے اندازہ ہوا کہ دروازہ تو پہلے ہی سے کھلا ہے۔

اس کا مطلب یہی تھا کہ سدرشنا شاید دروازہ بند کرنا بھول گئی ہے۔

لیکن

پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟

اس نے سوچا پھر کسی بھی ممکنہ خطرے کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

ڈرائینگ روم کسی میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا اور اس کے کمرے کی لائیٹ جل رہی تھی۔ اندر سے دھینگا مشتی کی دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کسی بے اختیاری عمل کے تابع وہ فرش پر گرے صوفے کو پھلانگ کر اپنے کمرے تک پہنچا جہاں کا منظر اس کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا۔

قریباً برہنہ سدرشنا کو کیپٹن شرما نے اس کے پلنگ پر گرایا ہوا تھا اور اس کے بازو اور ٹانگیں اس طرح جکڑی ہوئی تھیں کہ سدرشنا کے لیے حرکت کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔

اچانک اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس سے گھبرا کر گھناؤنے عمل میں مصروف کیپٹن شرما نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"راج راج اس کتے نے مجھے برباد کر دیا اسے مار ڈالو راج اسے مار ڈالو"

وحشیانہ انداز سے چیختی انسپکٹر سدرشنا برہنہ حالت میں کیپٹن شرما پر جھپٹی جس نے اپنی پتلون کے بٹن بند کر لیے تھے اور جیسے ہی سدرشنا اس پر جھپٹی شرما نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اتنی قوت سے اس کے سینے پر ماری کہ بے چاری سدرشنا تڑپ کر دوبارہ پلنگ پر جا گری۔

"سالی خود کو سمجھتی کیا ہے"

اس کے ساتھ ہی شراب کے نشے میں ڈوبی کیپٹن شرما کی آواز سنائی دی۔

سلیم کو یوں لگا جیسے شرما نے سدرشنا کے سینے پر نہیں اس کے منہ پر بھرپور طمانچہ مارا ہے۔ یہ شخص سدرشنا سے زیادہ اس کے وطن کا مجرم تھا اور اب جب کہ قدرت نے اس کا مشن بھی مکمل کروا دیا تھا تو اس نے جاتے جاتے شرما کا حساب بھی بے باق کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"کتے کے پلے"

اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور اپنی جگہ سے اچھل کر دونوں ٹانگیں پوری قوت سے شرما کے منہ پر ماریں۔

یہ ضرب اگر کسی اور کو اس نے لگائی ہوتی تو اس کے دوبارہ اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لیکن

چند سیکنڈ بعد ہی شرما گالیاں بکتا اس کی طرف جھپٹا۔ ایک تو شراب کا نشہ اور دوسرے شرما کا بے قابو غصہ۔ جس رفتار سے وہ آگے بڑھا تھا سلیم نے اچانک ہی اپنی جگہ سے ہٹ کر اس کی گردن پر ہلکا سا ہاتھ مارا تو شرما کا سر دیوار سے جا ٹکرایا۔

زخم خوردہ بھینسے کی طرح وہ ڈکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے چاہا کہ پوری قوت سے سلیم کے منہ پر مکا مارے۔

لیکن

یہ وار بھی سلیم نے عقل مندی سے خالی دیا۔

اس مرتبہ شرما سیدھا پلنگ پر گرا تھا جہاں زخم خوردہ شیرنی انسپکٹر سدرشنا اس وحشی کے ہاتھوں نوچے ہوئے اپنے زخم خوردہ جسم کو ہاتھوں سے ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے پلنگ پر گرتے شرما کی گردن کو وحشیانہ انداز سے اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا اور دباتی ہی چلی گئی۔

سلیم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ یہ بات تو اس نے جان لی

تھی کہ آئندہ شرما شاید اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے کیونکہ وہ تو یہاں سے جا رہا تھا لیکن وہ انسپکٹر سدرشنا کے لیے زندگی عذاب بنا دیتا۔

انسپکٹر سدرشنا کے لاشعور میں شاید یہی خوف غالب تھا۔ اور اس جلتی پر پیٹرول کا کام اس کے دل و دماغ میں موجود نفرت اور اپنے محبوب کے سامنے اس وحشی کے ہاتھوں ہونے والے احساس ذلت نے کیا۔

اس کی ساری نفرت اور انتقام اس کے ہاتھوں میں سمٹ آیا تھا جو موت کا شکنجہ بن کر شرما کی گردن پر کسے ہوئے تھے۔

شرما نے ہاتھ پاؤں مارے۔

لیکن

اس کی کوئی پیش نہ چلی۔

سدرشنا کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ وہ شرما کی مزاحمت ختم ہونے کے بعد بھی اس کی گردن دباتی چلی گئی۔

"سدرشنا پاگل مت بنو۔ یہ مر چکا ہے' چھوڑ دو اسے۔"

اچانک ہی اسے سلیم کی آواز سنائی دی۔

سدرشنا نے وحشت ناک آنکھوں سے پہلے سلیم اور پھر شرما کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر موت کی زردی پھیلنے لگی تھی۔ پھر نفرت سے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"جاؤ اپنے کپڑے تبدیل کرو اور خود کو جتنی جلدی ہو سکے نارمل کر لو۔"

سلیم نے منہ دوسری طرف کرتے ہوئے دروازے سے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

سدرشنا نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور اچانک اس سے لپٹ کر بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگی۔

سلیم نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے اس شعلہ جوالا کو آہستگی سے الگ کر دیا۔

"سدرشنا وقت ضائع نہ کرو۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے جاؤ اور کپڑے بدل کر نارمل ہو جاؤ۔"

اس نے سدرشنا سے کہا اور آہستہ سے اسے باہر بھی کر دیا۔

سدرشنا نے دوبارہ گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا پھر باتھ روم کی طرف چلی گئی!

جب چار پانچ منٹ بعد وہ کپڑے تبدیل کر کے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے دے کر واپس لوٹی تو قدرے نارمل ہو چکی تھی۔

اسی اثنا میں سلیم نے لالہ دوارکا داس کی الماری میں رکھی برانڈی کی بوتل سے ایک گھونٹ کے برابر برانڈی نکالی اور رسوئی میں موجود دودھ میں شامل کر کے اسے پینے کو دے دی۔

سدرشنا نے پھٹی پھٹی نظروں سے پہلے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس پکڑ لیا۔

اسی اثنا میں سلیم نے وہاں بکھرے سامان کو اپنی اپنی جگہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ سدرشنا بھی اب دودھ ختم کر کے اس کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔

"تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

سلیم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے صوفے پر بٹھا دیا اور اس پر ایک گرم شال ڈال دی۔ سدرشنا کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کی طرف دیکھتی رہی۔ قریباً دس منٹ میں اس نے سارے گھر کو بالکل ایسا ہی کر دیا جیسا وہ اس درندے کیپٹن شرما کی آمد سے پہلے تھا۔

شرما کی لاش سلیم کے بیڈ روم میں بند تھی۔

"اس کا کیا کریں۔"

اس نے اچانک ہی سلیم سے کہا۔

"سدرشنا تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیں۔ اگر یہ شخص یہاں صرف اسی گھٹیا کام کے لیے آیا تھا تو اس کی آمد کا کسی کو علم نہیں ہو گا۔ نیچے کوئی گاڑی بھی موجود نہیں۔ جس سے ہمیں اندازہ ہو کہ یہ اس میں بیٹھ کر آیا ہے۔ قدرت ہماری مدد گار ہے اگر تم ہمت کرو تو ہم اس کی لاش کو یہاں سے دور پھینک

آئیں"۔

سلیم نے خوفزدہ سدرشنا سے کہا۔

"ہاں ہاں جلدی کرو"۔

سدرشنا نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم میرا رین کوٹ پہن لو اور گاڑی کی ڈگی کھولو میں اسے لے کر آتا ہوں"۔

سلیم نے اگلی ہدایت جاری کی۔

سدرشنا نے دوبارہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اچانک اس سے لپٹ کر دیوانہ وار اسے چومنے لگی۔

اس پر عجیب سی وحشت طاری تھی۔

"ہوش کرو سدرشنا پاگل مت بنو"۔

سلیم نے پھر اسے آہستگی سے خود سے الگ کیا۔

"سدرشنا نے آنسوؤں سے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کا رین کوٹ پہن کر باہر نکل گئی۔

سدرشنا کی روانگی کے دو تین منٹ بعد ہی سلیم اپنے کمرے میں گیا اس نے یہاں ایک چھوٹی سی الماری کا تالا کھولا اور وہاں رکھی کچھ رقم اٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے کیپٹن شرما کی لاش کو اپنے کندھے پر ڈالا اور احتیاط سے چلتا ہوا گیراج میں آگیا۔

○○○

گیراج میں سدرشنا کار کی ڈگی کھولے اسی کی منتظر تھی۔ اس میں خاصا اعتماد لوٹ آیا تھا۔ اور بڑی کوآپریٹو دکھائی دے رہی تھی۔

سلیم نے سدرشنا کی مدد سے لاش کو ڈگی میں ٹھونسا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا

چاہا۔

لیکن

سدرشنا اس سے پہلے ہی وہاں بیٹھ چکی تھی۔

"تم ڈرائیو کرلوگی؟"

سلیم نے حیرانگی سے کہا۔

"ہاں، مطمئن رہو۔ تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ"

سلیم اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بڑی پر اعتماد تھی۔

"کس طرف جارہی ہو؟"

سلیم نے خاموشی کے سکوت کو بالآخر توڑا۔

"جمنا کی طرف"

سدرشنا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اوکے"

سلیم نے منہ دوسری طرف کرلیا۔

سڑک دور دور تک ویران دکھائی دے رہی تھی۔ کار کی ونڈ سکرین پر وائپر پوری رفتار سے چل رہے تھے۔

لیکن

طوفانی بارش بار بار سامنے کا منظر دھندلا دیتی تھی۔ قریباً آدھے گھنٹے کی مسلسل ڈرائیو کے بعد وہ لوگ جمنا کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

یہ علاقہ بڑا سنسان دکھائی دے رہا تھا۔ سڑک سے کچھ فاصلے پر بڑی بڑی بلڈنگیں کھڑی تھیں۔ یہ شاید فیکٹریاں تھیں اور سدرشنا انڈسٹریل ایریا کی طرف آگئی تھی۔

"گاڑی یہیں روک لو"

سلیم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تھوڑا آگے چلتے ہیں۔"

سدرشنا نے تجویز پیش کی۔

"نہیں ریتلی زمین ہے گاڑی پھنس جائے گی۔ تم گاڑی ہی میں بیٹھو میں اسے دریا میں پھینک کر آتا ہوں۔"

اس نے تجویز پیش کی۔

"لیکن تمہیں اکیلے مشکل ہو گا۔"

سدرشنا نے کہا۔

"تمہارے لئے کچھ بھی کر گزرنا میرے لیے کبھی مشکل نہیں رہا۔ سدرشنا میرے لیے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تم مطمئن اور نارمل رہو۔ اوکے۔"

وہ برستی بارش میں نیچے اتر آیا۔

سدرشنا نے ایک مرتبہ پھر اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ سلیم اندھیرے میں اندازہ نہ کر سکا کہ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

اس نے سدرشنا کو وہیں رک کر انتظار کرنے کو کہا اور شرما کی لاش کندھے پر ڈال کر دریا کی طرف چل دیا۔

گیلی ریت میں اس کے لیے چلنا دوبھر ہو رہا تھا۔ دو مرتبہ تو وہ گرتے گرتے بچا۔ قریباً دس منٹ کی تھکا دینے والی مشقت کے بعد وہ دریا کے ساحل تک پہنچ گیا۔

لاش کندھے پر اٹھائے وہ اب پانی میں اتر گیا تھا۔ اس نے لاش کو تب تک کندھے پر اٹھائے رکھا جب پانی اس کی گردن تک نہ آ گیا۔ پھر لاش کو پانی کے سپرد کر کے تیرتا ہوا باہر آ گیا۔

آسمان پر جب بجلی زور سے کڑکتی تو وہ سدرشنا کو دور جاتے ہیولے کی مانند دکھائی دیتا پھر نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

اس کے دل و دماغ میں شدید جنگ جاری تھی اور اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔ سدرشنا کو ہر دم یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں کوئی اس طرف نہ آن نکلے۔ پھر کوئی

نادیدہ قوت اسے اطمینان بھی دلا دیتی کہ پولیس پٹرول کا اس طرف آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ لوگ اس طوفانی بارش میں سڑکوں پر مٹرگشت کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

رات دو پہر بیت چکی تھی جب اسے سلیم اپنی طرف آتا دکھائی دیا!!

"مطمئن رہنا۔ میں نے اسے بہت گہرے پانی میں پھینکا ہے۔ لاش ملی بھی تو یہاں سے دو تین میل کے فاصلے پر ہی ملے گی۔ بظاہر اس کے جسم پر چوٹ کا کوئی نشان نہیں۔ اگر انہوں نے پوسٹ مارٹم بھی کیا تو شاید ہی موت کا کارن گلہ دبانا ثابت ہو۔ میرے خیال سے لاش دریافت کرنے میں بھی دو تین دن لگیں گے۔ تب تک لاش ناقابل شناخت بھی ہو چکی ہو گی۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سدرشنا کو اطمینان دلایا۔

"تمہارا بہت شکریہ راج۔ شاید اگلے کسی جنم میں بھی مجھے تم جیسا دوست نہیں مل سکے گا۔ میں نے اس موذی کو مار کر کوئی پاپ نہیں کیا۔ میرے خیال سے اس کے جرم کی سزا اس سے بہت زیادہ بھیانک تھی۔ اب سوچتی ہوں اگر تم نہ آ جاتے تو شاید یہ درندہ میری آبرو ریزی کے بعد مجھے جان سے مار ڈالتا۔ اپنے جرم کا نشان چھوڑنے کی غلطی تو وہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں میں سے ایک کو تو مرنا ہی تھا راج۔ میں یا پھر وہ۔"

سدرشنا نے گاڑی چلاتے ہوئے پھیکی سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

"تم کیوں؟"

سلیم نے تڑپ کر کہا تو سدرشنا چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

"ایک بات پوچھوں راج؟"

"ہاں۔"

تمہیں واقعی مجھ سے بہت محبت ہے۔"

سدرشنا کے اس سوال نے ایک مرتبہ تو سلیم کو چونکا کر رکھ دیا۔

"کیا انشام پیپر پر لکھ کر دوں۔ ابھی تک تمہارے دل نے اس بات کی گواہی نہیں دی

کیا؟"

سلیم نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"دل کی بات نہ کرو راج۔ بھگوان کے لیے دل کی بات نہ کرنا۔ یہ تو بن موت مار ڈالتا ہے۔"

یہ بات کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا۔

"سدرشنا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم پاگل ہو رہی ہو۔ اتنی مضبوط لڑکی سے اس بزدلی کی توقع نہیں رکھتا میں"

اس نے سدرشنا کا کندھا تھپتھپایا۔

جس نے حیرت انگیز طور پر اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچے تو مندر کی گھنٹیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ بارش نے اب پھوار کی صورت اختیار کر لی تھی۔ دھند میں چند گز دور کی کوئی شے بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سدرشنا نے گاڑی کی ہیڈ لائیٹس روشن کر رکھی تھیں۔ اس کے باوجود اسے کئی جگہ رک رک کر آنا پڑا۔

گیراج میں گاڑی کھڑی کر کے دونوں اکٹھے ہی اوپر آ گئے تھے۔ ایک مرتبہ پھر دونوں نے سرسری نظروں سے کمروں کی صورتحال کا جائزہ لیا اور ان کی ترتیب درست کرنے لگے۔

سدرشنا نے ٹیلی فون کا ٹوٹا ہوا تار جوڑ دیا تھا اور جیسے ہی اس نے فون کریڈل پر رکھا۔ اس کی گھنٹی بجنے لگی۔

○○○

چند گھنٹیاں بجنے کے بعد اس نے فون اٹھایا اور دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر "ہوں" "ہاں" "اچھا" "اوکے سر" "یس سر" کہتی رہی پھر اس نے فون رکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ جم گئی تھی۔

"خیریت؟"

سلیم نے جسے اس بات کا علم تھا کہ فون پر اسے کیا اطلاع ملی ہو گی جان بوجھ کر دریافت کیا "ہاں معمول کا فون تھا۔ تم گرم پانی سے نہا لو میں چائے بناتی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے سلیم کی طرف دیکھے بغیر "رسوئی" کا رخ کیا۔

سلیم نے اپنے گیلے کپڑے اتار دیے تھے۔

لیکن

سردی اب اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگی تھی۔ سدرشنا نے ہیٹر جلا دیا تھا جس کے نزدیک کرسی بچھا کر وہ بیٹھا رہا۔ سدرشنا رسوئی کی طرف گئی تو وہ بھی سرہلاتا باتھ روم کی طرف چل دیا۔

حیرانگی کی بات یہ تھی کہ سدرشنا نے اسے آرام کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟ اس سوال نے اب آہستہ آہستہ سلیم کو کچوکے لگانے شروع کر دیے پھر وہ خود ہی یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ اس کے بیڈ روم میں ہی شرما والا حادثہ ہوا ہے عین ممکن ہے وہ سلیم کا وہاں جانا پسند نہ کرتی ہو یا پھر وہ ابھی تک خوف زدہ ہو اور باقی وقت اس کے ساتھ باتیں کر کے گزارنا چاہے۔

اس نے اپنے بیڈ روم سے ملحقہ باتھ روم کے بجائے دوسرا باتھ روم استعمال کیا تھا۔ جب وہ اپنے جسم کو تولیے سے باندھے اور لمبا سا گاؤن پہنے باہر نکلا تو سدرشنا چائے تیار کر چکی تھی۔

سلیم کے لیے اب دوسری حیرت موجود تھی۔ اس نے دیکھا باہر ایک نیا سوٹ موجود ہے۔

"یہ کیا؟"

اس نے سدرشنا کی طرف دیکھا۔

"یہ پہن لو اور پلیز کوئی سوال نہ کرنا میں نے یہ کل ہی تمہارے لیے پسند کیا تھا۔ معلوم نہیں تمہیں کیسا لگے؟"

"اوہ سدرشنا یو آر گریٹ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے سدرشنا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔
لیکن
خلاف معمول آج سدرشنا نے اسے آہستگی سے الگ کر دیا۔
"راج یہ جسم اب شاید کسی قابل نہیں رہا"
سدرشنا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"شٹ اپ"
اس نے پیار سے سدرشنا کو ڈانٹ دیا۔
"تم نے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔ حالانکہ کسی کی جان لینا یا جان دینا تمہارے بزنس میں معمولی بات سمجھی جاتی ہے"
"راج جو بات تم سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہے۔ دیوی ماں کی قسم مجھے شرما کی موت سے کوئی پریشانی نہیں۔ میں بالکل نارمل ہوں۔"
سدرشنا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
"تو پھر کیا بات ہے سدرشنا جو تم مجھ سے بھی چھپا رہی ہو"
اس نے سدرشنا کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ جہاں ابھی تک نمی موجود تھی۔
"بتا دوں گی بابا۔ بتا دوں گی۔ تم چائے پی لو"
اس نے چائے کا مگ سلیم کو تھماتے ہوئے کہا۔
"ایک شرط پر پیوں گا اگر تم واقعی مجھے بتا دو گی"
سلیم نے مگ پکڑتے ہوئے کہا۔
"وعدہ"
سدرشنا نے اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا۔
اس کے ساتھ ہی وہ دوبارہ رسوئی میں چلی گئی اور اس مرتبہ آئی تو اس نے تین چار ابلے ہوئے انڈے پلیٹ میں رکھے ہوئے تھے۔

"سردی زیادہ ہے اور تم ٹھنڈے پانی میں بھی اترے تھے۔ اپنا جسم ذرا گرم کر لو۔"
سدرشنا نے اس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے ایک انڈہ خود بھی اٹھا لیا۔
"ارے مجھے کچھ نہیں ہوتا ایسی سردی گرمی سے"
سلیم نے انڈا اٹھاتے ہوئے کہا۔
"میں جانتی ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارے لیے یہ معمول کی بات ہے"
سدرشنا نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔
"اوہ مائی گاڈ۔ تم کیا بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو"
سلیم نے حیرت سے کہا۔
چائے پی کر اس نے مگ ایک طرف رکھ دیا اور دوبارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اچھا۔ اب بتاؤ کیا بات ہے؟"
"پہلے یہ کپڑے پہن لو اس حالت میں تمہیں کچھ پوچھتے شرم نہیں آئے گی"
اس نے سلیم کے گاؤن کی طرف اشارہ کیا۔
"اوکے"
یہ کہہ کر وہ پتلون قمیص اٹھا کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔
سلیم کمرے سے باہر نکلا تو سدرشنا نے ایک جیکٹ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔
"یہ کیا"
اس نے حیرانگی سے پوچھا۔
"جیکٹ۔ لیدر کی ہے تمہیں پسند نہیں آئی کیا"
سدرشنا نے یہ کہہ کر اس کے جسم پر ایک "کولون" چھڑک دیا۔ سارا کمرہ خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔
"بھئی میں کہیں جا نہیں رہا۔ ہم گھر میں موجود ہیں اور تم' یہ تم کیا مجھے بچوں کی طرح تیار کر رہی ہو"
"تم جا رہے ہو راج"

یہ کہتے ہوئے اس نے سلیم کا ایک بازو اٹھا کر اس کو جیکٹ بھی پہنانی شروع کر دی۔

"لیکن کیوں؟"

سلیم نے جیکٹ پہنتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"اس لیے کہ تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔"

سدرشنا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو سلیم کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کون سا کام"؟

"سشی بھی مارا گیا۔"

اس نے سلیم کی طرف دیکھے بغیر کہا اور سلیم کو ساری بات کی سمجھ آ گئی۔

"تم تم کیا کہہ رہی ہو۔"

اس نے بظاہر خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

"راج۔ اب کوئی سوال نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے کہ کل دوپہر سے جب سے مجھے تمہاری اصلیت کا علم ہوا ہے میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ مجھے تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے خود سے ایک لمبی جنگ لڑنی پڑی۔ مجھے علم نہیں کہ ایجنسی کو تمہارے متعلق بھی علم ہوا ہے یا نہیں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ اگلے دو تین دنوں میں تمہیں ضرور ٹریس کر لیں گے۔

راج تمہارے' میرے گھرانے پر بہت احسانات ہیں۔ اور آج رات تو تم نے..."

وہ بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگی۔

سلیم نے چاہا کہ اسے چھو کر نارمل کرے۔

لیکن

اس نے ہاتھ کے اشارے سے سلیم کو روک دیا۔

"نہیں راج۔ اب نہیں' بھگوان کے لیے مجھے مزید امتحان میں نہ ڈالو۔ اب تک میں نے اپنے دل کو صرف ایک دلیل سے مطمئن کیا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو مارا ہے جو تمہارے ملک کے غدار تھے یا پھر جنہوں نے تمہارے ہاں تباہی پھیلائی۔ ابھی تک تم نے

میرے ملک کو براہ راست کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ محبت بھی عجیب جذبہ ہے راج۔ انسان کو کبھی کبھی اپنے محبوب کے اتنا نزدیک کر دیتا ہے کہ وہ دین دھرم' ملک ملت سب کچھ بھول کر اپنے محبوب میں گم ہو جانا چاہتا ہے۔ تم مجھے شروع ہی سے بہت عجیب لگے تھے۔ حیرت ہے کہ آج تک تم نے مجھ سے جسمانی تعلق قائم نہیں کیا۔ حالانکہ تم ایسا کر سکتے تھے۔ کم از کم میری طرف سے تمہیں اس کی کھلی اجازت تھی۔ کاش! میں نے شروع ہی میں سب کچھ جان لیا ہوتا۔ خیر۔ راج۔ مجھے علم تو نہیں' لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اپنے دیش تک زندہ سلامت ضرور پہنچ جاؤ گے۔ میں نے گذشتہ چار روز سے تمہاری نگرانی اپنے طور پر شروع کر دی تھی میں نے تمہیں متعدد بار گاندھی پلازہ میں جاتے دیکھا۔ میرا شک یقین میں تبدیل ہوا جب تم پریس سے غائب ہوئے تھے۔ راج! میں نے تمہیں بریف کیس سمیت گاندھی پلازہ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن میں وہاں سے لوٹ آئی۔ کیونکہ سشی کی حفاظت اب میری ذمہ داری نہیں تھی۔ مجھے اس سے زیادہ کسی ثبوت کی ضرورت نہیں' میرا دل تمہارے متعلق کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ میں نے زندگی میں شاید پہلی اور آخری محبت تم ہی سے کی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ پھر بچوں کی طرح رو دی۔

سلیم اپنی جگہ پتھر بنا اسے ٹک ٹک دیکھتا رہا۔

یہ سانولے سے رنگ کی گہری بادامی آنکھوں والی لڑکی سارناتھ کے جنگلوں میں بھٹکتی کسی دیوداسی کی روح بن کر اس کے سامنے ایک معمّے کی طرح کھڑی تھی۔

اس کا جی چاہا کہ بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لے۔

لیکن

اس کے قدموں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔

سدرشنا نے میز پر دھرے اپنے چھوٹے سے رومال سے اپنے آنسو پونچھے اور اسے واپس وہیں رکھ دیا۔

سلیم نے وہ رومال اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"یہ بیگ رکھ لو راستے میں تمہارے کام آئے گا۔ میں نے اس میں کچھ کرنسی رکھ دی ہے۔ آؤ اب چلیں۔ تم جہاں چاہو میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔ زیادہ دیر ٹھہرنا شاید تمہارے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو"

سدرشنا نے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے کمرے تک جانے کی اجازت ہے؟"

سلیم نے اس سے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔ وہ قطعاً خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ بس اس کا دل بہت بوجھل ہو گیا تھا۔ ایک بھاری پتھر کی سل جیسے اس کے سینے پر آن پڑی تھی۔

"کیوں نہیں، راج بھگوان کے لیے ایسا تو نہ کہو۔ میری مجبوری کو جان کر ایسے سوال نہ کرو۔ میں بہت بہادر لڑکی نہیں ہوں راج میں مرجاؤں گی"

یہ کہتے ہوئے وہ بے ساختہ سلیم سے لپٹ گئی اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھر رونے لگی۔

اس مرتبہ اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں تو اس کا سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

○○○

سلیم نے اس کی طرف چند ثانیہ یوں نظر بھر کر دیکھا جیسے اسے آنکھوں کے راستے ساری زندگی کے لیے اپنے دل میں اتار رہا ہو۔

"میں تمہیں کبھی نہیں بھلا پاؤں گا۔ سدرشنا کبھی نہیں"

سدرشنا نے پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔

سلیم اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سدرشنا ڈرائینگ روم میں موجود رہی۔ اس نے اپنی الماری سے سگریٹ لائیٹر اور ایک چھوٹا سا پیچ کس اٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا اور کچھ کاغذات لے کر باہر آگیا۔

"ان پر پریس کا سارا حساب لکھا ہے۔ میں جانتا ہوں اب زندگی میں کبھی دوبارہ

تمہارے سامنے نہیں آسکوں گا۔ لیکن جانے سے پہلے مجھے صرف یہ کہنا ہے۔ پیاری دوست! میں نے تمہارے ساتھ جو وقت گزارا وہ زندگی کے ناقابل فراموش لمحات ہیں۔ میری کوشش تھی کہ میری وجہ سے کبھی تم پر یا تمہارے گھر والوں پر کوئی مصیبت نہ آنے پائے۔ مجھے اگر اس بات کا شک بھی ہو جاتا کہ میں تمہارے لیے مسئلہ بننے والا ہوں تو میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی یہاں قیام نہ کرتا۔ سدرشنا! تم چاہو یا نہ چاہو لیکن میرا فرض ہے کہ میں تمہارے ماتا پتا کو کبھی فون کر کے اپنے اچانک غائب ہو جانے پر مطمئن کر دوں گا۔ ورنہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہے گا"

اس نے سدرشنا کی طرف دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ جمائی۔

"چلو چلیں"

سدرشنا شاید اس کی نظروں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

سلیم نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اور دروازے کے نزدیک رک گیا۔

"نہیں سدرشنا اس سے آگے نہیں اگلا سفر میں اکیلے طے کروں گا خدا نہ کرے تم پر میری وجہ سے کوئی آفت آئے"

اس نے سدرشنا کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

سدرشنا اپنے قدموں پر کسی تصویر کی طرح جم کر کھڑی ہو گئی!!

پھر اس پتھر کی مورتی میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"الوداع پیاری دوست"

سلیم نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گڈ لک وائیٹ فلاور"

سدرشنا نے آنسوؤں سے بھیگی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ ایک طویل بوسہ دونوں کے ہونٹوں پر ثبت ہو گیا۔ اور سلیم دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

اس نے اس خوف سے مڑ کر نہ دیکھا کہ کہیں پتھر کا نہ ہو جائے!!

اس نے اپنے عقب میں دروازہ بند ہونے کی ہلکی سی آواز ضرور سنی تھی۔ جس سے پیٹھ جوڑ کر کھڑی "را" کی انسپکٹر سدرشنا بچوں کی طرح سسکیاں لے کر روتی رہی۔ پھر وہ نڈھال سی ہو کر صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

گذشتہ تین روز سے جاری بارش کا طوفان اچانک تھم گیا تھا۔ سڑکوں پر گذشتہ تین چار روز سے بسیرا کرنے والی دھند چھٹنے لگی تھی۔ سارے منظر ایک ایک کر کے نمایاں ہو رہے تھے۔

سلیم نے اپنی بھیگی آنکھیں اٹھائیں اور آسمان کی طرف دیکھا جس کی نیلاہٹوں میں سورج کی کپکپاتی روشنیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ سڑک کے دوراہے پر کھڑے سرو کے درختوں کے گیلے پتے اپنے بدن پر جمی شبنم جھاڑنے لگے تھے۔ اور ان کے قطرے آنسوؤں کی بوندیں بن کر سلیم کی جیکٹ پر گر کر پھیلتے چلے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مڑ کر اس نے ڈی ڈی فلیٹس کے آخری کونے میں ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لالہ دوارکا داس کے گھر پر نظریں ڈالیں۔ آنسوؤں کے دو موٹے سے قطرے ٹپ ٹپ کرتے اس کی آنکھوں سے پھسلے اور گالوں پر پھیل گئے۔

اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھے سدرشنا کے چھوٹے سے آنسو بھرے رومال سے اس نے اپنی آنکھیں پونچھیں اور بے ساختہ رومال کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

اب وہ نارمل تھا۔

کسی بھی آمدہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے چوکس!

کسی بھی اگلی مہم کے لیے تیار۔

تیسرے روز وہ بھارت کی مغربی سرحدوں کا غرور اپنے پاؤں تلے روندتا بخیر و عافیت اپنی زمین پر واپس پہنچ چکا تھا۔

طارق اسماعیل ساگر
14 اگست 1994ء
84 راوی روڈ لاہور

○

گرفت
طارق اسمٰعیل ساگر

سازش
طارق اسمٰعیل ساگر

آخری سگنل کی کہانی
طارق اسمٰعیل ساگر

تھرڈ ایجنسی
طارق اسمٰعیل ساگر

آن دی ریکارڈ
طارق اسمٰعیل ساگر

آپریشن بلیو سٹار
طارق اسمٰعیل ساگر

○